بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعمال ظاہری کے اُصول دس ہین

پھلی اصل نماز کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے (اقم الصلوٰۃ لذکری) (میری یاد کیوقت نماز قایم کرو) اور رسول اللہ صلعم فرماتے ہین کہ نماز دین کا ستون ہے۔ خوب سمجھ لو کہ تم نماز مین پروردگار سے باتین کر رہے ہو۔ اسلیئے ذرا دیکھ لیا کرو کیسی نماز پڑہ رہے ہو اور چونکہ اللہ پاک نے اقامت الصلوٰۃ کا حکم فرمایا ہے جسکا منشاء یہہ ہے کہ نماز اور نماز کے متعلق تمام ضرورتون کی پوری رعایت کیجائے اسلیئے نماز مین ان تین باتونکا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے

اوّل - نماز سے پہلے وضو کی نگہداشت کرو۔ اور اوس کا طریقہ یہہ ہے کہ وضو مین جسقدر سنتنا ور مستحبات ہین اُن کو بجالاؤ اور ہر عضو دھونیکے وقت وہ دُعا پڑہو جو حدیث مین آئی ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی کپڑون کا اور وضو کے پانی کا خیال رکہو کہ دونون پاک ہون لیکن اس مین اتنا مبالغہ نہ کرو کہ وسواس تک نوبت پھونچ جائے کیونکہ یہہ وسوسہ شیطانی ہے۔ اور شیطان اکثر عبادت کرنے والون نیک بندون کے اوقات اسی کشمکش و پیچ مین ضائع کر دیتا ہے جاننا چاہیئے کہ نمازی کے کپڑون کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پھل کے اوپر کا چھلکا۔ اور بدن کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کا چھلکا۔ اور قلب کی مثال مغز جیسی ہے اور ظاہر ہے کہ مقصود مغز ہوا کرتا ہے۔ اسیطرح اس ظاہری پاکی سے بھی قلب کا پاک اور نورانی ہوجانا مقصود ہے۔ شاید تمکو یہہ شبہہ ہو کہ کپڑے کے دہونے سے قلب کس طرح پاک ہوسکتا ہے ہاں اسلیئے یاد رکہو کہ حق تعالیٰ نے ظاہر اور باطن مین ایک ایسا خاص تعلق رکہا ہے جسکی وجہ سے ظاہری طہارت کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پھونچتا ہے۔ چنانچہ دیکہلو کہ جب تم وضو کرکے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے قلب مین ایسی صفائی اور انشراح پاتے ہو کہ جو وضو سے پہلے نہ تھی اور یہ وضو ہی کی تاثیر ہے۔

دوم - نماز کے مجملہ ارکان سنتین اور مستحبات اور ذکر و تسبیح کو اپنے اپنے قاعدہ پر ادا کرو اور یاد رکہو کہ

جس طرح بدن کی ظاہری طہارت نے قلب کی باطنی طہارت مین اثر دکھایا تھا اسیطرح بلکہ اس سے بھی زیادہ نماز کے ارکان کا اثر قلب مین نورانیت پیدا کرتا ہے۔ اور جسطرح مریض آدمی کو دوا پینے سے ضرور نفع ہوتا ہے اگرچہ وہ دوا کے اجزا کی تاثیرون سے واقف نہو۔ اسیطرح تمکو نماز کے ارکان ادا کرنیسے ضرور نفع پہونچیگا۔ اگرچہ تمہین اسکے اسرار اور رموز سے واقفیت و آگاہی نہو۔

جاننا چاہئے کہ جاندار مخلوق کیطرح حق تعالی نے نماز کو بہی ایک صورت اور روح مرحمت فرمائی ہے۔ نماز کی روح تو نیت اور حضور قلب ہے۔ قیام و قعود نماز کا بدن ہے۔ رکوع و سجدہ نماز کا سر اور ہاتھ پاؤن ہین۔ اور جسقدر اذکار و تسبیحات ہین وہ نماز کے آنکھ کان وغیرہ ہین اور اذکار و تسبیحات کے معنی سمجھنے گویا آنکھ کی قوت بصارت اور کانون کی قوت سماعت ہے اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرنا نماز کا حسن صورت یعنی بدن کا سڈول اور رنگ و روغن کا درست ہونا ہے۔ اسیطرح نماز کی تمام حالتین حضور قلب کے ساتھ پوری کرنیسے ایک عمدہ اور پسندیدہ صورت پیدا ہوتی ہے۔ اور نماز مین جو تقرب نمازی کو حق تعالی سے حاصل ہوتا ہے اوسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی خادم کو بادشاہ کی خدمت مین کسی خوبصورت کنیز کے ہدیہ پیش کرتے وقت بادشاہ سے تقرب حاصل ہوتا ہے پس اگر تمہاری نماز مین خلوص نہین ہے تو گویا مردہ و ناکارہ کنیز بادشاہ کی نذر کر رہے ہو۔ اور یہہ گستاخی سمجھی جاتی ہے۔ ایسا گستاخ شخص اگر قتل کردیا جائے تو عجب نہین۔ اور اگر نماز مین رکوع و سجدہ نہین ہے تو گویا لنگڑی اپاہج لونڈی نذر کیجاتی ہے۔ اور اگر ذکر و تسبیح نہین تو گویا لونڈی کے آنکھ کان نہین۔ اور اگر سب کچھ ہے مگر نماز مین ذکر و تسبیح کے معنی نہین سمجھے نہ دل متوجہ ہوا تو ایسا ہے جیسے کنیز کے اعضا وسب موجود ہین لیکن حس و حرکت نہین۔ حلقۂ چشم ہے مگر بینائی نہین۔ کان موجود ہین مگر بہری ہے ہاتھ پاؤن ہین مگر شل اور بے حس ہین۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اندھی بہری کنیز شاہی نذرانہ مین قبول ہوسکتی ہے یا نہین؟ شاید تمہین یہہ شبہہ ہو کہ "جب نماز کے فرض اور واجب ادا کردئے جائین تو مولوی اوس نماز کے صحیح ہوجانے کا فتوے دیدیتے ہین خواہ معنی سمجھے ہون یا نہ سمجھے ہون۔ اور جب نماز صحیح ہوگئی تو جو مقصود تھا وہ حاصل ہوگیا اس سے معلوم ہوا کہ معنی کا سمجھنا نماز مین ضروری نہین ہے" اسلئے یہہ سمجھلو کہ مولوی کی مثال طبیب کی سی ہے اگر کوئی لونڈی اپاہج اور عیب دار ہے مگر اوسمین روح موجود ہے تو طبیب ضرور کہدیگا کہ یہہ زندہ ہے مری نہین۔ اسیطرح نماز کی روح اور اعضا ویسے موجود

نماز کی بھی روح اور صورت ہے

ہونیسے مولوی فتوی دیدینگے کہ نماز صحیح ہے فاسد نہین ہے۔ ایسی صورت مین طبیب اور مولوی نے اپنے منصب کے موافق جو کچہہ کہا درست کہا ہے مگر نماز توشاہی نذرانہ اور سلطانی تقرب حاصل ہونیکی حالت ہے۔ اور اتنا تم خود سمجہہ سکتے ہو کہ عیب دار کنیز اگرچہ زندہ ہے لیکن اگر سلطانی نذرانہ مین پیش کیجائے تو ضرور گستاخی سمجھی جائیگی۔ اور شاہی عتاب ہوگا۔ اسیطرح اگر ناقص نماز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہا جائے تو کچہہ عجب نہین کہ پھٹے پُرانے کپڑے کی طرح واپس کردیجائے اور مُنہ پر پھینک ماری جائے۔ الغرض نماز سے مقصود حق تعالیٰ کی تعظیم ہے سو نماز کے سُنن و مستحبات مین جسقدر بھی کمی ہوگی اُسیقدر احترام و تعظیم مین کوتاہی سمجھی جائیگی۔

سوم۔ نماز کی روح کا زیادہ لحاظ رکہو یعنی نماز مین شروع سے ختم تک خلاص اور حضور قلب پیدا کرو اور جو الفاظ زبان سے کہتے یا جو افعال اعضاء سے کرتے ہو اونکا اثر دل مین بہی پیدا کرو اس کا یہ مطلب ہے کہ جب رکوع مین بدن جُھکے تو دل بھی عاجزی کے ساتھ جُھک جائے اور جب زبان اَللّٰہُ اَکبر کہے تو دل مین بہی یہی ہو کہ بیشک اللہ سے بڑی کوئی چیز نہین ہے اور جب الحمدُ پڑہو تو قلب بہی اللہ کی نعمتون کے شکریہ سے لبریز ہو اور جسوقت زبان سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ نکلے تو دل بھی اپنے ذلیل و ضعیف اور محتاج بندہ ہونیسے آگاہ اور واقف ہو یعنی قلب مین بھی یہی ہو کہ بیشک بجز خدا کے کسی چیز کا نہ مجھے اختیار ہے نہ کسی دوسرے کو۔ غرض تمام اذکار و تسبیحات اور جملہ ارکان و حالات مین ظاہر و باطن یکسان اور ایک دوسرے کے موافق ہوجائے۔ اور سمجہلو کہ نامۂ اعمال مین نماز وہی لکہی جاتی ہے جو سمجھکر پڑھی گئی ہے اور جو حصّہ بغیر سمجھے ادا ہوا ہے وہ درج حساب نہ ہوگا۔ ہان یہ ضرور ہے کہ پُورا حضورِ قلب تمکو ابتدا‌ءً دشوار ضرور معلوم ہوگا لیکن اگر عادت ڈالوگے تو رفتہ رفتہ عادت ہوجائیگی اسلئے مناسب ہے کہ اِسکی طرف توجہ کرو اور اِس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑہاؤ۔ اگر تمچار فرض پڑہتے ہین تو دیکہو کہ حضور قلب کسقدر حاصل ہوا۔ فرض کرو کہ دو رکعت کی برابر تو دل کو توجہ رہی اور دو رکعت کی برابر غفلت رہی تو اِن دو رکعتون کو نماز مین شمار ہی نہ کرو اور اتنی نفلین پڑہو کہ جنمین دو رکعت کی برابر حضور قلب حاصل ہوجائے۔ غرض جتنی غفلت زیادہ ہو اوسیقدر نفلون مین زیادتی کرو۔ حتی کہ اگر دس رکعتون مین چار فرض رکعتون کا حضور قلب پورا ہوجائے تو اُمید کرو کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فرائض کے نقصان کی تلافی نوافل سے منظور فرمالیگا۔

دوسری اصل زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات کا بیان

اللہ پاک فرماتا ہے کہ "جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ مین خرچ کرتے ہین اونکی مثال اوس دانہ جیسی ہے جسمین سات بالین ہون ہر بال مین سنو دانے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جنھون نے اپنا مال دو ہتڑ بھر بھر کر راہ خدا مین لٹایا ہے وہی ہلاکت سے نجات پائینگے" چونکہ صدقات وخیرات مین مخلوق کی ضرورتین اور محتاجون کے فاقے رفع ہوتے ہین اسلیئے یہ بھی دین کا ایک ستون ہے۔ اور اسمین حکمت یہ ہے کہ چونکہ مخلوق کو اللہ سے محبت رکھنے کا حکم ہے اور مسلمان محبت کا دعوی بھی کرتے ہین۔ اسلیئے اللہ پاک نے مال خرچ کرنے کو اپنی محبت کا معیار اور آزمائش کی کسوٹی بنا دیا ہے۔ تاکہ مدعیان ایمان کے دعوی کا جھوٹ سچ کھل جائے۔ کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے ایسے پیارے معشوق کے نام پر جسکی محبت قلب مین زیادہ ہوتی ہے اپنی تمام مرغوب ومحبوب چیزین لٹا دیتا ہے۔ پس مال جیسی پیاری چیز کا حق تعالی کے نام پر خرچ کر ڈالنا خدا کے ساتھ محبت کے بڑھے ہوئے ہونیکی علامت ہے اور بخل کرنا خدا کی محبت نہونے کی دلیل۔

زکوٰۃ کی فرضیت کی حکمت

صدقات دینے والے مسلمان تین طرح کے ہین ایک تو وہ مقبولان خدا جنھون نے جو کچھ پایا سب راہ خدا مین دیدیا اور اوس دعوئے محبت کو جو خدا سے کیا تھا بالکل سچ کر دکھایا مثلاً حضرت صدیق عتیق رضی اللہ عنہ کہ جو کچھ بھی گھر مین تھا سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مین لا رکھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اپنے لیئے کیا رکھا؟ تو عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کا رسول۔ اسی موقعہ پر حضرت فاروق رض بھی بغرض خیرات مال لائے تھے انسے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی سوال کیا کہ اپنے لیئے کیا رکھا؟ تو جواب دیا کہ جسقدر لایا ہون اوسیقدر چھوڑ آیا ہون اوسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے مرتبون مین وہی فرق ہے جو تم دونون کے جواب مین فرق ہے۔

خیرات کا اعلی درجہ

دوسرے درجہ مین وہ متوسط لوگ ہین جو دفعۃً سارا مال نہین لٹاتے مگر اسکے ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی ضرورت سے زیادہ نہین خرچ کرتے۔ بلکہ اللہ کے محتاج بندون کی حاجتین ظاہر ہونیکے منتظر رہتے ہین اور جسوقت کوئی ضرورت خبر پاتے یا کسیکو محتاج دیکھتے ہین تو بیدریغ مال خرچ کر دیتے ہین۔ یہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ یعنی مقدار فرض ہی پر اکتفا نہین کرتے بلکہ مال پاس رکھنے سے ان کی غرض اسکو راہ خدا ہی مین خرچ کرنیکی ہے البتہ محل وموقع کا انتظار ہے۔

خیرات کا متوسط درجہ

تیسرے درجہ مین وہ کمزور مسلمان ہین جو زکوٰۃ واجب ہی کے ادا ہونیکو غنیمت سمجھتے ہین اگر اس سے

خیرات کا ادنی درجہ

زیادہ خیرات نہین کرتے تو مقدار واجب مین حبہ برابر کمی بھی نہین کرتے۔ اِن تینون گروہ کے مرتبون کا فرق اور محبت خداوندی کی مقدار انکے خرچ کی حالت سے خود ہی سمجھ لو۔ پس اگر تم پہلے اور دوسرے درجہ تک نہ پہونچ سکو تو کم سے کم ادنی یعنی تیسرے درجہ سے بڑھ کر متوسط لوگون کے ادنی طبقہ تک تو پہونچنے کی کوشش کرو۔ یعنی مقدار واجب کے علاوہ روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ کر دیا کرو اگرچہ روٹی کا ذرا سا ٹکڑا ہی کیون نہو اگر ایسا کروگے تو بخیلون کے طبقہ سے اوپر چڑھ جاؤگے۔ اور اگر تم مُفلس و تہیدست ہو تو یہ نہ سمجھو کہ صدقہ مال ہی مین منحصر ہے اور ہم اس سے معذور رہین۔ نہین بلکہ اپنی عزت و جاہ آرام و آسائش قول و فعل غرض جسپر بھی تمکو قدرت ہو اوسکو خرچ کرو مثلاً۔ بیمار کا پوچھنا۔ جنازہ کے ساتھ ساتھ ہو لینا اور حاجت کے وقت محتاج کی بدنی اعانت مثلاً کسی مزدور کا بوجھ بٹا لینا۔ سہارا لگا دینا۔ سعی و سفارش سے کسیکا کام نکلوا دینا اور نیک بات یعنی ہمت بندھانا۔ ڈہارس دلانا وغیرہ یہہ سب صدقہ مین لکھا جاتا ہے اور یہ ایسے صدقے ہین جسکے لئے متمول و مالدار ہونیکی ضرورت نہین ہے۔ زکوٰۃ و صدقات مین پانچ باتون کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔

اوّل۔ جو کچھ بھی دو اوسکو لوگون سے چھپا کر دو کیونکہ حدیث مین آیا ہے کہ چھپا کر خیرات دینا پروردگار کے غصہ کو بجھاتا ہے اور جو مسلمان اپنے داہنے ہاتھ سے اسطرح خیرات کرے کہ بائین کو بھی خبر نہو تو وہ اون سات بندون کے ساتھ محشور ہوگا جنپر حق تعالیٰ قیامت کے دن سایہ فرمائیگا جبکہ اوسکے سایہ کے سوا کہین سایہ کا نام و نشان بھی نہوگا۔ اِسمین حکمت یہہ ہے کہ خیرات کرنیسے مقصود بخل کی بدتر خصلت کا دُور کرنا ہے۔ مگر اس مین ریا کے مہلک مرض کا اندیشہ ہے اسلئے اخفا کے باعث ریا سے بھی نجات ملجائیگی۔ کیونکہ مسلمان جب قبر مین رکھدیا جاتا ہے تو ریا سانپ کی صورت اور بخل بچھو کی شکل بنکر اوسکو ایذا پہونچاتا ہے پس جسنے خیرات کرنیسے جی چرایا اور بخل اختیار کیا تو اوسنے اپنی قبر مین کاٹنے کیلئے بچھو بھیجدئے اور اگر کسی نے خیرات تو کی مگر دکھاوے اور نمود کی غرض سے کی ہے تو بچھو کو سانپ کی گویا غذا بنا دیا۔ اِس صورت مین بچھو سے تو نجات مل گئی مگر سانپ کی زہریلی قوت اور زیادہ ہوگی کیونکہ بخل کا منشاء پورا ہوگا تو بچھو مین قوت بڑہیگی اور ریا کا منشا پورا ہوگا تو سانپ کا زور زیادہ ہوجاوے گا۔

دوم۔ جسے خیرات دو اُسپر احسان نہ سمجھو اِس کی شناخت یہہ ہے کہ مثلاً تمنے کسی محتاج کو صدقہ دیا

اور اوس سے شکر گذاری کی توقع رکھی یا مثلاً وہ تمہارے ساتھ کچھ بدسلوکی سے پیش آیا یا تمھارے دشمن کے ساتھ محبت کرنے لگا تو تمکو اسقدر ناگوار گذرا کہ اگر صدقہ دینے سے پہلے بھی صورت پیش آتی تو یقیناً اتنی ناگواری نہوتی تو اس سے صاف سمجھ مین آگیا کہ تمنے اُس محتاج پر اپنا احسان سمجھا ہے جب تو اوسکی بدسلوکی پر اسقدر طیش آیا ہے پس اس کا علاج کرنا چاہئے۔ اور اوس کا علاج یہہ ہے کہ تم اوس محتاج ہی کو اپنا محسن سمجھو کہ جسنے تم سے صدقہ کا مال لیکر تمکو حق خداوندی سے سبکدوش کردیا اور تمھارے مرض بخل کا طبیب بن گیا کیونکہ تمھین معلوم ہوچکا ہی کہ زکوۃ و خیرات سے مقصود بخل کا دُور کرنا ہے تو زکوۃ گویا بُخل کا دھوون ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ و صدقہ کا مال اپنے خرچ مین نہ لاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہہ مال کا میل ہے تو جس مسلمان محتاج نے تمھارے بُخل کا دھوون اور مال کا میل لیکر تمھین اور تمھارے مال کو پاک و صاف بنادیا تو بھلا تمھین بتاؤ کہ اوس کا تم پر احسان ہوا یا تمھارا اوسپر؟ بھلا اگر کوئی جراح مُفت فصد کھولکر تمھارا وہ ناقص خون نکالدے جسکے نقصان کا حیاتِ دُنیا مین اندیشہ ہے تو کیا تم اوس کو مُحسن نہین سمجھتے اسیطرح جو شخص تمھارے قلب سے بُخل کے فاسد مادہ کو مُفت خارج کردے کہ جسکے ضرر کا حیاتِ اُخروی مین اندیشہ ہے تو اوسکو بدرجۂ اولی اپنا مُحسن و خیر خواہ سمجھنا چاہئے۔

تیسری بات یہہ ہے کہ عمدہ اور پاکیزہ مال خیرات کرو کیونکہ جو چیز تمھین ناپسند ہو اوس کا اللہ کے نام دینا کیسے مناسب ہوسکتا ہے۔ تم سُن ہی چکے ہو کہ اس سے مقصود دعوئی محبت خداوندی کا امتحان ہے پس جیسی بُری یا بھلی چیز اللہ پاک کے نام پر خیرات کروگے اوس سے خود معلوم ہوجائیگا کہ تمھین اللہ سے کس قدر محبت ہے؟

چوتھی بات یہ ہے کہ جو کچھ دینا ہو ہشاش بشاش اور خندہ رو ہوکر دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک درہم لاکھ درہم سے بڑھجاتا ہے اسکا یہی مطلب ہی کہ جو ایک درہم نیک نیتی اور خوشی کیساتھ دیا گیا ہے وہ اُن لاکھ درہموں سے بڑھا ہوا ہے جو ناگواری کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔

پانچوین بات یہ ہے کہ صدقہ کیلئے محل و مصرف عمدہ تلاش کیا کرو یعنی کسی پرہیزگار عالم کو دو تاکہ تمھارا

؎ لیکن اسکا مطلب یہ نہ سمجھو کہ جب تک ناگواری دل سے نہ نکلے خیرات نہ دی جاوے کیونکہ ابتدا مین ناگواری ضرور ہوتی ہے بعد مین اس ناگواری پر عمل نکرنا اور اللہ کی راہ مین اپنی طبیعت پر زور ڈالکر دینا یہ بھی اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ اور ہمت کا کام ہے اور مجاہدہ ہوتے ہوتے [illegible]

مال کھانیسے اوسکو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقوی پر قوت واعانت حاصل ہو یا کسی عیالدار نیکبخت مسلمان کو دو۔ اور اگر یہہ تمام اوصاف ایک شخص مین جمع نہون تو جسمین ایک وصف بھی پایا جاے وہ بھی تمھارا صدقہ پاک ہوجانیکے لئے کافی ہے البتہ نیکبختی کا لحاظ سب سے مقدم ہے کیونکہ دُنیا کا مال و متاع بندون کیلئے اسی واسطے مہیا کیا گیا ہے تاکہ ایام گذاری ہوسکے اور ان چند روزہ ایام مین آخرت کا توشہ حاصل ہوجائے تو جو لوگ درحقیقت سفر آخرت مین مشغول ہین اور اس عالم فانی کو رستہ کا پڑاؤ اور مسافرخانہ سمجھے ہوئے ہین وہی تمھارے پیسہ کے مصرف ہونے چاہئین۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "تم پرہیزگار ہی کا کھانا کھاؤ اور تمھارا کھانا بھی پرہیزگار ہی کھائے" نیز ارشاد فرماتے ہین کہ پرہیزگار بندون کو کھانا کھلایا کرو اور اپنا احسان ایماندارون ہی کو پہونچایا کرو"

تیسری اصل روزہ کا بیان

حدیث مین آیا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر نیکی کا دس گونہ سے سات سو گونہ تک نامۂ اعمال مین ثواب لکھا جاتا ہے مگر روزہ خاص میرا ہے مین خود ہی اس کا صلہ جو چاہون گا دونگا" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر شئے کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادت کا دروازہ روزہ ہے" روزہ پر اسقدر اجر و ثواب کا سبب دو باتین معلوم ہوتی ہین۔ اوّل یہہ کہ روزہ کھانے پینے اور مباشرت کے چھوڑنے کا نام ہے اور یہہ ایسا مخفی عمل ہے کہ جسپر حق تعالیٰ کے علاوہ کوئی مطلع نہین ہوسکتا اور اسکے علاوہ جتنی عبادتین ہین یعنی نماز زکوۃ حج۔ یہ سب ایسی عبادتین ہین کہ جنپر دوسرے لوگ دیکھنے والے بھی واقف ہوسکتے ہین۔ پس روزہ وہی نیک اور مخلص بندہ رکھے گا جسکو لوگون مین اپنے عابد زاہد مشہور ہونیکا شوق اور ریا و نمود کی محبت نہو۔ دوسری وجہ یہہ ہے کہ روزہ سے دشمن خدا یعنی شیطان مغلوب ہوتا ہے کیونکہ جسقدر نفسانی خواہشین ہین سب پیٹ بھرنے پر اپنا زور دکھاتی ہین اور شیطان انہین کے ذریعہ سے مسلمان کا شکار کرتا ہے اور جب روزہ کی وجہ سے مسلمان بھوکا رہا اور تمام خواہشین کمزور پڑگئین تو شیطان مجبور اور بے دست و پا ہوگیا اسیلئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ ماہ رمضان مین جنت کے دروازے کھولدئے جاتے ہین شیطان پا بزنجیر ہوجاتا ہے اور ہاتف غیبی پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طالب گاروآگے بڑھو اور اے بدکارو رُک جاؤ اور یہہ سمجھو کہ روزے کی تین قسمین تو اوسکی کیفیت کے اعتبار سے ہین اور تین ہی درجے مقدار کے اعتبار سے ہین۔ ادنیٰ درجہ

صوم داؤدی کی فضیلت اور روزانہ روزہ کی ممانعت

تو یہہ ہے کہ صرف رمضان کے فرض روزے ہر سال رکھ لیا کرے اور اعلیٰ درجہ یہہ ہے کہ جسطرح حضرت داؤد علیہ السلام روزہ رکھتے تھے ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن نہ رکھے پھر تیسرے دن رکھے اور چوتھے دن نہ رکھے۔ روزمرّہ روزہ رکھنے سے یہہ صورت بدرجہا بہتر ہے اور اسکی وجہ یہہ ہے کہ روزمرّہ روزہ رکھنے سے ویسی ہی عادت ہوجاتی ہے اور عادت ہوئے پیچھے شکستگی اور قلب مین صفائی اور خواہشات نفسانی مین ضعف وکمزوری محسوس نہوگی۔ حالانکہ روزہ سے یہی مقصود ہے دیکھو مریض جب دوا کا عادی ہوجاتا ہے تو پہر دوا کچھ بھی نفع نہین دیتی یہی سبب ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی بابت دریافت کیا تو آپنے یہی فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن کھاؤ پیو اونہون نے عرض کیا کہ میرا منشاء اس سے بھی اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کا ہے تو آپنے جواب دیا کہ اس سے اعلیٰ درجہ کوئی نہین ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی کہ فلان شخص روزمرّہ روزہ رکہتا ہے تو آپنے فرمایا کہ رکہنا نہ رکہنا دونون برابر۔

دوشنبہ و پنجشنبہ کے روزہ کا ثواب اور روزہ کی قسمیں

متوسط درجہ یہہ ہے کہ عمر کا تہائی حصّہ روزہ مین صرف ہوجائے اسلئے مناسب ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ ہر ہفتہ مین دوشنبہ اور پنجشنبہ کا روزہ رکھ لیا کرو۔ اس حساب سے سال بھر مین چار ماہ اور چار یوم کے روزہ ہوجائینگے مگر چونکہ عیدالفطر عیدالاضحیٰ اور ایّام تشریق مین روزہ رکہنا حرام ہے اسلئے شاید دونون عید دوشنبہ یا پنجشنبہ کو پڑین اور ایام تشریق مین سے ایک دن تو ضرور پیر یا جمعرات واقع ہوگا اسلئے بارہ مہینے کے تہائی یعنی چار مہینہ سے صرف ایک دن زیادہ رہے گا۔ یہہ تہائی عمر کا حساب ذرا غور کرنیسے بآسانی سمجھ مین آجائیگا۔ اس مقدار سے کم روزہ رکہنے مناسب نہین ہین کیونکہ اسمین آسانی بھی ہے اور ثواب بہت زیادہ ہے۔ اور روزہ کی کیفیت کے اعتبار سے تین قسمین ہین ایک تو عوام کا روزہ ہے کہ صرف مفسدات صوم یعنی کہانے پینے اور جماع سے بچتے ہین۔ اگرچہ بدن سے گناہ کئے جائین سو یہ تو نام ہی کا روزہ ہے۔ دوسرا درجہ یہہ ہے کہ کسی عضو سے بہی کوئی خلاف شرع کام نہو یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے اور آنکھ نامحرم کو بری نگاہ کے ساتھ دیکھنے سے بچی رہے اور تیسرا خاص روزہ خاص بندون کا ہے کہ اعضاء کے ساتھ قلب بہی فکر و وسواس سے محفوظ رہتا ہے اور سوائے ذکر الہیٰ کے کسی چیز کا دل مین گذر نہین ہونے پاتا۔ یہ کمال کا درجہ ہے اور چونکہ اس کا حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہین ہے اسلئے کم سے کم اس کا تو ضرور خیال رکھو کہ ایسے کھانے پر روزہ افطار

کیا کرو جو بلا شبہ حلال اور پاک ہو اور وہ بھی اتنا نہ کھاؤ کہ جس سے معدہ بھاری اور کسل پیدا ہو جائے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ تہجد کو بھی آنکھ نہ کھلے ایسا مناسب نہیں ہے کہ دن کے چھوٹے ہوئے کھانیکی بھی تلافی اس وقت ہونے لگے ایسا کرنے والوں کو روزہ کا اس قدر نفع نہیں ہوتا جسقدر کسل کے باعث نقصان ہو جاتا ہے۔

چوتھی اصل حج کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے "لوگوں پر اللہ واسطے حج بیت اللہ فرض ہے جو کوئی بھی وہاں تک پہونچ سکے" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مستطیع مسلمان بغیر حج کئے مرگیا اوسے اختیار ہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔

حج بھی دین کا ستون ہے۔ حج کے اعمال و ارکان ظاہری کا بیان احیاء العلوم میں ہو چکا ہے اس جگہ حج کے مخفی رموز اور آداب بیان کرنے مقصود ہیں۔ پس جاننا چاہئیے کہ آداب حج سات ہیں۔ **اوّل** یہ کہ سفر سے پہلے حلال زاد راہ اور کوئی نیکبخت ساتھی تلاش کرلو کیونکہ حلال توشہ سے قلب میں نور پیدا ہوگا۔ اور رفیق صالح تمکو گناہوں سے روکتا اور نیک کام یاد دلاتا رہیگا۔ **دوم**۔ اس سفر میں تجارت کا خیال بالکل نہ رکھو کیونکہ طبیعت کے تجارت کیجانب متوجہ ہو جانیسے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ ناخالص ہوئے بدون نہ رہے گا۔ **سوم**۔ راستہ میں کھانیکے اندر وسعت کرو رفقاء سفر اور نوکروں چاکروں کرایہ داروں کو خوش رکھو کسیکے ساتھ سختی سے بات نہ کرو بلکہ نہایت خلق و محبت اور نرم گفتاری سے سفر ختم کرو۔ **چہارم** فحش اور جھگڑے اور فضول بکواس اور دنیاوی معاملات کو بالکل چھوڑ دو ضروری حاجتوں سے فارغ ہونے کے بعد اپنی زبان کو تلاوت کلام اللہ اور ذکر الٰہی میں مشغول رکھو۔ **پنجم** مشغدف یا شہری یعنی شان کی سواری پر سوار نہ ہو۔ بلکہ بار برداری کے اونٹ پر بیٹھ جاؤ دربار حق تعالیٰ میں پراگندہ حال غبار آلودہ مسکینوں محتاجوں کی سی ذلیل و خستہ حالت سے حاضر ہو۔ بناؤ سنگار اور زیادہ آرام طلبی کا خیال بھی نہ لاؤ۔ **ششم** کبھی کبھی سواری سے اوتر کر پیدل بھی ہو لیا کرو۔ اس میں سواری کے مالک کا بھی دل خوش ہوگا اور سواری کو بھی آرام ملیگا۔ اور نیز تمہارے ہاتھ پاؤں بھی حرکت کرنیسے چست و چالاک رہینگے۔ **ہفتم** جو کچھ خرچ ہو جائے یا کسی قسم کا مالی نقصان یا تکلیف و مصیبت اوٹھائی

ف اور کوئی شخص یہ وسوسہ نہ لاوے کہ قرآن میں تو سفر میں تجارت کی اجازت دی ہے بات یہ ہے کہ اول تو امام غزالی تجارت کو ممنوع نہیں بتلاتے جو خلاف قرآن ہو دوسرے صحابہ میں اور ہم میں یہ فرق ہے کہ وہ حضرات تجارت بھی اعانت دین کیلئے کرتے تھے اور ہم حج کو بھی تجارت کیلئے کرلیں گے ۱۲ سلمہ مطلب یہ کہ شان دکھلانیکو ایسا مت کرو۔ رفع تکلیف کیلئے مضائقہ نہیں ۱۲ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

پڑنے تو اسپر خوشدل رہو اور اوسکو اپنے حج کے مقبول ہونے کی علامت سمجھو۔ اپنے پروردگار سے ثواب
کی اُمید رکھو۔ حج کی عبادت مین رموز و اسرار تو بہتیرے ہین مگر ہم صرف دو مضمون بیان کرتے ہین۔
اوّل یہ ہے کہ حج اوس رہبانیت کے عوض ہے جو پچھلی اُمتون مین رائج تھی۔ حدیث مین آیا ہے کہ
اُمت محمدیہ کی رہبانیت حق تعالیٰ نے حج کی عبادت کو بنا دیا ہے۔ سب سے پچھلے اس پُرانے بنے ہوئے
گھر کو شرف عنایت کیا اوسکو اپنی جانب منسوب فرما لیا اور بیت اللہ نام رکھدیا پھر اسکے گرد و نواح کو
حرم گردانا میدان عرفات کو حرم کا صحن بنایا اور اوس کا شرف و احترام اسطرح ظاہر فرمایا کہ نہ وہان
شکار کرنا جائز ہے نہ درخت کاٹنا حلال۔ یہہ تو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ مکان سے منزہ ہے۔ گھر کا محتاج
نہین۔ وہ سب کو محیط ہے اور اوسے کوئی جگہ اپنے احاطہ مین نہین لے سکتی۔ مگر خانہ کعبہ کو اپنی جانب
منسوب کرلنے اور اوسکے طواف کا لوگون کو حکم دینے مین یہہ حکمت ہے کہ بندون کی غلامی کا اظہار اور عبودیت
و بندگی کا امتحان ہو جائے۔ اور فرمانبردار غلام اپنے آقا کے دربار مین دور و دراز سے بالقصد
زیارت کرنیکو پریشان حال شاہی جلال کے باعث جھکے ہوئے ننگے سر ننگے پاؤن مسکین و محتاج بنے
ہوئے جوق جوق حاضر ہون اور اسی مصلحت سے اس عبادت مین جسقدر بھی اعمال و ارکان مقرر ہین
سب بعید از قیاس ہین تاکہ ایسے اعمال کا ادا کرنا محض باری تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سمجھکر ہو اور کوئی طبعی
خواہش یا عقلی حکمت کا اتباع اوسکا باعث نہ ہو۔ اسیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ
"بار الٰہا ہم اپنی عبودیت و غلامی کا اظہار کرنے کو عبادت حقہ یعنی حج مین حاضر ہین۔"
دوسرا مضمون یہ ہے کہ سفر حج کی وضع بالکل سفر آخرت کی سی ہے اور مقصود یہ ہے کہ حجاج کو اعمال
حج ادا کرتے مرنے کے وقت اور مرنیکے بعد پیش آنے والے واقعات یاد آجائین مثلاً شروع سفر مین
بال بچون سے رخصت ہوتے وقت سکرات موت کیوقت اہل و عیال سے رخصت ہونیکو یاد کرو اور
وطن سے باہر نکلتے وقت دنیا سے جدا ہونیکو اور سواری کے جانور پر سوار ہوتے وقت جنازہ کی چارپائی
پر سوار ہونیکو یاد کرو احرام کا سفید کپڑہ پہنتے وقت کفن مین لپٹنے کو اور پھر میقات حج تک پہونچنے
مین جنگل و بیابان قطع کرتے وقت اوس دشوار گذار گھاٹی کے قطع کرنے کو یاد کرو جو دنیا سے باہر
نکلکر میقات قیامت تک عالم برزخ یعنی قبر مین تمکو کاٹنی ہے۔ راستہ مین راہزنون کے ہول و ہراس
کیوقت منکر و نکیر کے سوالات اور اوس بیکسی مین ہول و اندیشہ کا خیال کرو جنگلی درندون سے قبر

کے سانپ بچھو کیڑوں مکوڑوں کو یاد کرو۔ اور میدان میں رشتہ داروں اور عزیز و اقارب سے علیحدہ تن تنہا رہجانیکے وقت قبر کی تنہائی اور وحشت کو یاد کرو اور جس وقت چیخ چیخ کر اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ پڑھ ہوتو زندہ ہوکے اور قبروں سے اوٹھتے وقت حق تعالیٰ کی ندا کے تعمیلی جواب کو یاد کرو۔ غرض اسیطرح ہر عمل میں ایک عبرت اور معاملہ آخرت کی یاد دہانی ہے جس سے ہر شخص جس قدر بھی اوسمین اپنے قلب کی صفائی اور دین کی ضروریات کے خیال رکھنے کی وجہ سے استعداد ہے آگہی حاصل کرسکتا ہے۔

پانچوین اصل تلاوت قرآن مجید کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ میری اُمت کیلئے سب سے بہتر عبادت کلام اللہ کی تلاوت ہے۔ حدیث قدسی مین آیا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ قرآن شریف کی تلاوت مین مشغول ہونیکے باعث دُعا نہین مانگ سکا مین اوسکو بے مانگے اِتنا دونگا کہ مانگنے والون کو نصیب نہوگا۔ تلاوت قرآن شریف کیلئے تین آداب ظاہری ہین۔

اوّل تلاوت کرتے وقت دلمین بھی کلام اللہ کا احترام ہونا چاہئے۔ اور چونکہ ظاہر کو باطن تک اثر پہونچانے مین بہت دخل ہے اسلئے ظاہری صورت احترام کی پیدا کرنی چاہیئے تاکہ قلب مین بھی احترام پیدا ہوجائے۔ اور اوس کا طریقہ یہہ ہے کہ باوضو نہایت سکون کے ساتھ گردن جھکا کر قبلہ رُخ دوزانو اس طرح مؤدبانہ بیٹھو جسطرح اُستاد کے سامنے بیٹھتے ہین۔ اور فن تجوید کیموافق حروف کو مخارج سے نکال کر ایک حرف کو دوسرے سے علیحدہ علیحدہ آہستہ آہستہ تلاوت کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ اگر مین سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَا اور اَلْقَارِعَۃ یعنی چھوٹی چھوٹی سورتین سوچ سوچکر پڑھ لون تو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہون کہ سورہ بقرہ اور آل عمران فر فر پڑھ جاؤن۔

دوم کبھی کبھی تلاوت کی فضیلت کے انتہائی درجہ کا بھی شوق کیا کرو کیونکہ تم آخرت کی تجارت کیلئے دنیا مین بھیجے گئے ہو۔ اسلئے جہان تک ممکن ہو زیادہ نفع کمانیکی کوشش کرو۔ یون تو تلاوت کلام اللہ جسطرح بھی ہو بیٹھے یا لیٹے باوضو یا بے وضو خلوت مین یا جلوت مین بہرحال نفع ہی نفع ہے مگر بڑا نفع یہہ ہے کہ شب کے وقت مسجد کے اندر نماز کی حالت مین کلام اللہ پڑھو حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین کہ جو شخص نماز مین کھڑے ہوکر قرآن شریف پڑھیگا اوسکو ہر حرف کے بدلے سو نیکیان ملینگی۔ اور نماز مین بیٹھکر قرآن شریف پڑھنے والے کو پچاس نیکیان۔ اور نماز کے علاوہ دوسری

حالت مین باوضو تلاوت کرنیوالے کو پچیس[۲] اور بلا وضو دس نیکیان ملینگی پھر بھلا سوداگر بن کر زیادہ نفع کی حرص کیون نہین کرتے؟

سوم تلاوت کی مقدار کا بھی لحاظ رکھو۔ ادنی درجہ تو یہہ ہے کہ مہینہ مین ایک مرتبہ ختم کرو اور اعلی درجہ یہہ ہے کہ تین دنمین ختم کرو۔ اور متوسط درجہ یہہ ہے کہ ہر ہفتہ پورا قرآن شریف ختم کرلیا کرو۔ تین دن سے کم مین کلام مجید ختم کرنا مکروہ ہے کیونکہ سمجھ نہین سکوگے۔ اور بلا سمجھے پڑہنا گستاخی ہے۔ یہ نسمجھو کہ جب تلاوت کلام اللہ نافع ہے توجسقدر بھی زیادہ ہوگی اوسیقدر نفع زیادہ ہوگا یہ تمھارا خیال غلط ہے خدائی بھید کا سمجھنا انبیأ علیہم السلام ہی کا کام ہے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہین کہ تین دن سے کم مین ختم مستحب نہین ہے تو تمکو اتباع لازم ہے اپنی رائے کو دخل دینا کم سمجھی اور جہالت ہے۔ دوا حالانکہ بیمار کو نفع دیتی ہے مگر طبیب کی بتلائی ہوئی مقدار سے زیادہ دوگے تو دیکھ لو مریض مریگا یا اچھا ہوگا؟ نماز حالانکہ اصل عبادت ہے مگر وہ بھی طلوع و غروب اور استواء آفتاب کے وقت ناجائز ہے صبح اور عصر کے فرضون کے بعد مکروہ ہے جب مرض کی دوا مین جسمانی طبیب کی بات بے چون وچرا مان لیجاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ روحانی علاج مین طبیب روحانی کی بتلائی ہوئی دوا کو اوس کی مقدار معینہ سے بڑہایا جاوے اور عقل کو دخل دیا جائے؟

تلاوت کلام اللہ کے باطنی آداب پانچ ہین اول جسطرح حق تعالی کی عظمت وجلال دلمین ہے اوسیطرح اوسکے کلام کی بھی عظمت قلب مین ہونی چاہئے۔ مثلاً جب اللہ پاک کی گوناگون مخلوق یعنی عرش وکرسی لوح وقلم آسمان وزمین حیوان وانسان جنات یا نباتات کا تصور کروگے تو ضرور خیال ہوگا کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا وحدہ لاشریک نہایت زبردست مدبر ہے۔ اوسکی قدرت کی کوئی انتہا نہین۔ تمام عالم کی بقا آپکے فضل وکرم پر موقوف ہے۔ ایسے شاہنشاہ عالیشان کے فرمان واجب الاذعان یعنی قرآن مجید کی کیا وقعت وعظمت ہونی چاہئے؟ یاد رکھو کہ جس طرح اسکے الفاظ کو مس کرنیکے لئے طہارت اور وضو کی ضرورت ہے اسیطرح اسکے معانی کے دل مین وارد ہونیکے لئے قلب کی طہارت اور تمام اخلاق رذیلہ سے پاکی لازمی ہے۔ جو قلب باطنی خباثتون اور نفسانی نجاستون مین آلودہ ہے وہ اس محترم شاہی فرمان کی حقائق کو کیونکر سمجھے گا؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب قرآن شریف کھولتے تھے تو اکثر بیہوش ہوجاتے اور فرمایا کرتے تھے

---

[۲] نفل وسنت پڑھنا مکروہ ہے۔ ۱۲ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ

کہ یہہ میرے پروردگار جلّ جلالہٗ کا کلام ہے۔ یہہ میرے پروردگار جلّ جلالہٗ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی
رحمت ہی کہ اسنے اپنی مقدس جلالت مآب کلام ازلی کی انوار و تجلّیات کو حروف کے لباس مین چھپا کر تمہارے
حوالہ کیا ہے۔ ورنہ اِس کی نورانی شعاعون کا کون بشر متحمل ہوسکتا تھا؟ دیکھلو کہ طور جیسا پہاڑ ہی تجلّیات
کلام الٰہی کا تحمل نہ کرسکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور اگر اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام کو نہ سنبھال لیتے تو انہین
بھی اوس کلام قدسی کے سُننے کا ہرگز تحمل نہ ہوتا جو حروف اور آواز کے لباس سے مجرّد اور منزّہ تھا۔
دوم۔ اگر قرآن شریف کے معنی سمجھ سکتے ہو تو کوئی آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو کیونکہ ترتیل جس کا
قرآن مین حکم ہے تدبّر یعنی غور و فکر اور سمجھنے سوچنے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
فرماتے ہین کہ اوس تلاوت سے کیا نفع جسمین فہم سے کام نہین لیا گیا؟ ختم قرآن کے عدد بڑہانے کا ہرگز
خیال مت کرو۔ اگر تم سوچ سوچکر ایک ہی آیت کو رات بھر پڑہے جاؤ تو یہہ پچاس قرآن ختم کرنیسے بہتر ہے
دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بیس مرتبہ دوہرایا ہے حضرت
ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ ایک شب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام رات ایک ہی آیت کو
بار بار پڑہا۔ اور وہ آیت یہہ تھی۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یا اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہین اور اگر بخشدے تو بیشک تو زبردست
اور حکمت والا ہے حضرت تمیم داری آیت اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ الخ ہی کو تمام شب
بار بار پڑہتے رہے اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے آیت وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ہی کو بار بار
پڑہنے مین تمام رات ختم کردی۔ ایک عارف شیخ فرماتے ہین کہ مین ہر جمعہ مین ایک ختم پڑہتا ہون اور ایک
ختم ہر مہینہ مین اور ایک سال بھر مین ختم کرتا ہون اور تین سال سے ایک ختم شروع کر رکھا ہے جو اب تک
پورا نہین ہوا۔ یہہ فرق فکر و فہم اور غور و تدبر ہی سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کا دل ہر وقت یکسان
نہین رہتا اور نہ ہمیشہ مساوی درجہ کے غور و تدبر کا عادی ہوتا ہے اسلئے اگر خصوصیت کے ساتھ
ایک ختم علیحدہ طور پر تم بھی ایسا شروع کرلو جسمین سوچ سوچکر تلاوت کیجائے اور صرف اوسیوقت پڑہا
جائے کہ جب قلب فکر و خوض کرسکے اور معنی اچھی طرح سمجھ سکے تو نہایت بہتر ہے کیونکہ اس صورت مین تلاوت
کے معمول مین فرق نہین آئیگا اور یہ فضیلت کا درجہ بھی حاصل ہوجائیگا۔
سوم۔ اس فہم و تدبر کی حالت مذکورہ مین معرفتِ الٰہی کی گوناگون شاخون سے پھل اور پھول بھی

چنتے رہو کیونکہ ہر پھل کے لئے جدا اشجار اور ہر جوہر کے لئے جدا معدن ہوتا ہے۔ جہان موتی پیدا ہوتے ہین
وہان تریاق کی تلاش فضول ہے اور جہان مُشک وعود ملتا ہے وہان موتیون کی جستجو بے فائدہ ہے
اسیطرح قرآن شریف کی آیتون مین جس قسم کا بیان ہو اوسی قسم کا عرفان حاصل کرنا چاہئے۔ مثلاً جہان
اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات وصفات یا افعال کا تذکرہ فرمایا ہے وہان سے حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کی
شناخت حاصل کرو اور جس جگہہ راہ مستقیم کی تعلیم ہو وہان رحمت وکرم اور فضل وحکمت کی معرفت حاصل
کرو اور جہان کافرون کے ہلاک کرنیکا بیان ہو اوس جگہہ سے حق تعالیٰ کی بے نیازی اور غلبہ وقہر کی صفت کا عرفان
حاصل کرو اور جن آیتون مین انبیاء علیہم السلام کے تذکرے ہون وہان سے اللہ پاک کے لطف واحسان کا علم حاصل کرو غرض جیسا

چہارم۔ قرآن کا مطلب سمجھنے سے جو امور مانع ہین جہان تک ممکن ہو انکو دُور کرو کیونکہ ضعیف الایمان
بندون کے لئے تو خواہشات نفسانی اور وساوس شیطانی حجاب بنجاتی ہین۔ انکے نفوس دُنیاوی
تعلقات سے وابستہ اور قلوب اشتباہ وشبہات مین ملوث وگرفتار ہوتے ہین اور یہی قلب کے وہ
پردے ہین جنکے باعث قرآن پاک کی باریکیان سمجھ مین نہین آسکتین ان کے رفع کرنے کی کوشش
ہونی چاہئے۔ اور جن لوگون کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ خدا کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور طاعت مین
لذت آنے لگتی ہے اونپر بھی قلبی وسواس اپنا اثر کرتے ہین۔ مثلاً نماز کی حالت مین اون کا دل اس
طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ ہماری نیت کیسی ہے؟ اور جو خلوص شروع نماز کے وقت تھا وہ اب بھی قایم
ہے یا نہین؟ یا مثلاً حروف کے مخارج سے ادا ہونے مین شبہ پڑتا ہے اور آیت کو اس نیت سے
بار بار دوہراتے ہین۔ حالانکہ درحقیقت یہہ بھی قلب کے لئے حجاب ہے کیونکہ حروف والفاظ کی درستی کے
پیچھے پڑجانا اور مخارج حروف یعنی دانتون ہونٹون تالو اور حلق کی جانب مشغول ہو جانا کہ یہہ
حرف کہان سے نکلا اور ٹھیک نکلا یا نہین؟ اون لوگون کا کام نہین ہے جنکو عالم علوی کی
سیر وسیاحت اور ملکوتی امور کا مشاہدہ کرنا منظور ہے۔

پنجم آیات کلام الٰہیؔ سے صرف تجلیات اور معرفت ہی کے حاصل کرنے پر اکتفا نہونی چاہئے بلکہ اسکے
ساتھ حالت واثر کا پیدا کرنا بھی ضرور ہے۔ مثلاً اگر ایسی آیت پڑھو جسمین رحمت کا ذکر اور مغفرت کا وعدہ
ہو تو جسم پر خوشی اور مسرت کی حالت پیدا ہو جاوے۔ اور غیظ وغضب وعذاب الٰہیؔ کا تذکرہ ہو تو
تمہارا بدن لرز اوٹھے۔ اور حق تعالیٰ کا نام یا عظمت وجلال مذکور ہو تو جھک جاؤ اور ذلیل بنجاؤ

ع۵ جنکو قصداً دلمین جگہہ دیجاتی ہے ۱۲ مولانا تھانوی مدظلہ

گویا جلال خداوندی کے مشاہدہ سے نسیت و نابود ہوئے جاتے ہو اور اگر کافرون کی اوس خرافات کا بیان ہو جو اونھون نے حق تعالی پر بہتان بندیان کی ہین مثلاً مخلوق مین سے کسیکو خدا کا بیٹا یا بیٹی یا بیوی بنایا ہے تو تلاوت مین اوس کی نقل سے بھی شرماؤ آواز بھی ذرا پست کردو۔ غرض جس آیت مین جیسا مضمون ہو اوسکے مطابق ایک خاص حالت اور وجد پیدا اور جسم پر اثر ظاہر ہوجانا چاہئے۔ خوف کیوقت آنکھون سے آنسو بہنے لگین اور شرم کیوقت پیشانی پر پسینہ آجائے اور ہیبت کے وقت رونگٹے کھڑے ہوجاوین کپکپی چھوٹے اور مژدہ و بشارت کے وقت آواز و زبان اور تمام اعضاء مین انبساط پیدا ہوجائے۔

چھٹی اصل ہر وقت ذکر الہی کا بیان

حق تعالی فرماتا ہے "اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ فلاح پاؤ" حدیث مین آیا ہے کہ "اللہ کا ذکر جہاد اور صدقات اور خیرات سے افضل ہے" اس سے بہتر کوئی عمل نہین ہے۔ ذکر الہی کیلئے ایک مغز اور تین پوست ہین۔ مغز مقصود بالذات ہے اور پوست اسلئے مقصود و محبوب ہین کہ مغز تک پہونچنے کے ذریعہ اور سبب ہین۔

پہلا پوست صرف زبان سے ذکر کرنا ہے اور **دوسرا پوست** قلب سے ذکر کرنا اور جبراً بتکلف اس کا خوگر ہونا ہے یاد رکھو قلب کو اپنی حالت پر چھوڑنا نہ چاہئے کیونکہ اسکو تفکرات و تخیلات مین پڑنے سے پریشانی ہوتی ہے اسلئے مناسب ہے کہ اوس کی مرغوب شئے یعنی ذکر الہی اوسکے حوالہ کردو تاکہ اوسکو اطمینان حاصل ہوجائے۔ **تیسرا پوست** یہ ہے کہ ذکر الہی قلب مین جگہ کرلے اور ایسا گڑ جائے کہ چھوڑانا دشوار ہوجائے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے درجہ مین جسطرح عادت ڈالنے مین دقت ہوئی تھی اس تیسرے درجہ مین اوس عادت کے چھوڑانے مین اس سے زیادہ دشواری ہوتی ہے چوتھا درجہ جو مغز اور مقصود بالذات ہے وہ یہ ہے کہ قلب مین ذکر کا نام و نشان بھی نہ رہے۔ بلکہ مذکور یعنے حق تعالی کی ذات ہی موجود ہو نہ قلب کی طرف توجہ ہو نہ ذکر کی جانب التفات نہ اپنی خبر ہو نہ غیر کی۔ غرض ذات بحت مین استغراق ہوجائے۔ اسی حالت کا نام فنا ہے اس حالت پر پہونچکر بندہ کو نہ اپنے ظاہری حس و حرکت کا علم ہوتا ہے اور نہ باطنی عوارض کا یہانتک کہ اپنے فنا ہوجانیکا بھی علم نہین رہتا کیونکہ فنا ہوجانا بھی تو خدا کے علاوہ دوسری ہی چیز ہے۔ اور غیر اللہ کا خیال میل اور کدورت ہے۔

پس فنا کا علم بھی اس درجہ مین پہونچکر کدورت اور لغو ہوا یہی وہ حالت ہے جسمین اپنے وجود کے فنا کے ساتھ خود فنا سے بھی فنائیت ہوتی ہے۔ ایسی محویت کا عالم سمجھ مین بھی مشکل سے آئیگا بلکہ بظاہر ایک لغو وناممکن اور دعوئ بلادلیل معلوم ہوگا لیکن اگر تمکو کسی حسین صورت پر عاشق ہونے یا کسی عاشق صادق کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا تو اس حالت کو کبھی دشوار نہ سمجھوگے کیا حسن پرست فریفتہ انسان اپنی دلربا معشوقہ کے فکر وصال وخیال جمال مین ایسے محو ومستغرق اور بے خبر ومدہوش نہین ہوجاتے کہ لبا اوقات زبان سے بات کرتے ہین اور خود بھی نہین سمجھتے پاؤن ڈالتے کہین ہین اور پڑتا کہین ہے اونکے سامنے سے آدمی گذرجاتا ہے حالانکہ ان کی آنکھین کھلی ہوئی ہین مگر اونکو نظر نہین آتا۔ دوسرا شخص سمجھا رہا ہے مگر یہہ سنتے ہی نہین۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیون بھائی کیا دیکھا اور کیا سنا تو درحقیقت کچھ بھی جواب نہین دیسکتے پس یہ ایسی محویت ہے کہ اپنی محویت کا بھی علم نہین رہا دیوانے بنگئے اور ایسے دیوانے بنے کہ اپنی دیوانگی کی بھی خبر نہین مجنون ہوگئے مگر اپنے جنون کی بھی اطلاع نہین۔ یہہ سب اوسی معشوقہ مطلوبہ محبوبہ کے خیال ہی مین مستغرق ہوجانے کا اثر ہے ۔ اسکو بھی جانے دیجئے اس سے بھی آسان طریقہ سے فنا کی فنائیت سمجھ مین آسکتی ہے۔ دیکھو تمکو اپنی آبرو اور مال محبوب ومرغوب ہے پس اگر خدانخواستہ کسی دشمن کی طرف سے اسپر حملہ ہو تو غصہ اور طیش کے باعث جو کچھ تمہاری حالت ہوگی اوس پر غور کرو کہ وہ کیسی بے خودی کی حالت ہے یہ بالکل سچ ہے کہ غیظ وغضب مین نہ تمکو اپنی خبر رہتی ہے نہ دوسرے کی پھر بھلا اگر کوئی بندہ اپنے پیارے مولا کے خیال مین ایسا محو ہوجائے کہ خود فنا سے فنا اور بے خبر ہو تو کیا تعجب ہے؟

ساتوین اصل طلب حلال کا بیان

جس موقع پر عبادت کرنے کا حکم صادر ہوا ہے اسکے ساتھ ہی اکل حلال کا حکم ہے چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے "پاک چیز کھایا کرو اور نیک کام کیا کرو" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "ایمان لانے اور نماز پڑھنے کی فرضیت کے بعد رزق حلال کی تلاش فرض ہے"۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین "اگر تم نماز ین پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ اور روزہ رکھتے رکھتے تانت کیطرح دبلے بھی ہوجاؤ تو بغیر تقوی اختیار کئے اور مال حرام سے بچے کچھ بھی تو قبول نہوگا" رزق حرام کھاکر عبادت کرنا ایسا بیکار ہے جیسے گوبر پر مکان کا تعمیر کرنا بے فائدہ ہے۔ رزق حلال کو قلب کی نورانیت

مین بڑا اثر ہے اِسلئے مال حرام سے بچنا اور تقوی اختیار کرنا نہایت ضروری ہے یاد رکہو کہ تقوی کے چار درجے ہین
پھلا درجہ جن چیزون یا جس مال کی حرمت پر علمائے دین اور فقہائے شریعت کا فتوی ہے انکا استعمال نکرو کیونکہ اونکے استعمال سے آدمی فاسق بنجاتا ہے۔ اور ثقاہت جاتی رہتی ہے یہ عام مومنین کا تقوی کہلاتا ہے
دوسرا درجہ۔ صلحاء کا تقوی ہے یعنی مشتبہ سے بھی پرہیز کرنا۔ کیونکہ گو علماء شریعت نے ظاہری حالت دیکھکر اوس مشتبہ شئے کو حلال کہدیا ہے مگر چونکہ اسمین حرمت کا احتمال ہے اور اسیوجہ سے وہ شئے مشتبہ کھلاتی ہے۔ اِسلئے صلحاء اوسکو استعمال نہین کرسکتے۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "مشتبہ چھوڑکر بے شبہ چیز اختیار کرو"
تیسرا درجہ۔ اتقیا کا تقوی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "مسلمان جبتک خطرہ والی چیزون مین مبتلا ہو جانیکے اندیشہ سے بے خطرہ چیزون کو بھی ترک نہ کردیگا اوس وقت تک اتقیا کے درجہ کو ہرگز نہ پھونچے گا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ "حرام کے مرتکب ہو جانیکے اندیشہ سے ہم حلال کے بھی دس حصون مین سے نو حصہ ترک کر دیتے ہین" اسی بنا پر اللہ کے پرہیزگار بندے جب سَو روپیہ کے مستحق ہوتے ہین تو ایک کم سَو لیتے ہین۔ اور جسوقت دوسرے کا حق دیتے ہین تو ایک حبہ زیادہ دیتے ہین۔ اور جب اپنا حق لیتے ہین تو ایک حبہ کم لیتے ہین۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ بیت المال کا مشک اِن کے پاس آتا تھا تو ناک بند کرلیتے اور فرماتے تھے کہ اس کا استعمال تو اسکی خوشبو کا سونگھنا ہی ہے۔ پھر بھلا بیت المال کے مشک کی خوشبو میری ناک مین کیون آئے ؟
اور یہی وجہ ہے مزہ دار حلال چیزون کے کھانے اور جائز زینت و آراستگی سے بھی پرہیز کرنیکی کیونکہ ذائقہ لگا برا ہوتا ہے۔ آج حلال کا مزا پڑا ہے کل کو حرام کی لذت حاصل کرنے کا بھی شوق ہو جائیگا۔
قرآن شریف مین کافرون کی کثرت مال و متاع اور دنیا دارون کے جاہ و حشم کی جانب نظر کرنے کی اسی لئے ممانعت آئی ہے کہ یہہ چمک دمک ایمان کی شیرینی کم کردیتی ہے۔ اِسلئے کہ دنیا کے مال و متاع کی رغبت اور محبت سے قلب مین ایمان کی محبت نہین رہتی۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جس کا کپڑا پتلا اوس کا ایمان بھی پتلا۔ غرض اتقیا کے نزدیک وہی مال حلال اور قابل استعمال ہے جس مین نہ بالفعل کسی قسم کا شبہ ہے اور نہ کسی آنے والی آفت کا خطرہ۔
چوتھا درجہ۔ صدیقین کا تقوی ہے یعنی جس چیز کے کھانے سے عبادت و طاعت پر قوت حاصل نہو اوس سے

پرہیز کرنا۔ مثلاً ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ اونہون نے دوا پی۔ انکی بیوی نے کہا کہ چند قدم ٹہل لیجیے
اونہون نے جواب دیا کہ فضول وعبث حرکات جائز نہین ہین مین اپنے نفس سے تمام حرکات وسکنات
کا محاسبہ کیا کرتا ہون بھلا اس چہل قدمی کو کس حساب مین شمار کرون گا؟ اسیطرح جس شئے کے اپنے
نفس تک پہونچنے کے وسائل مین سے کسی ایک سبب کے اندر بھی کچھ معصیت خداوندی کو دخل ہو اوس سے
بھی پرہیز کرنا اس درجہ مین ضروری ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ ایک مرتبہ جیلخانہ مین مقید تھے کسی
نیکبخت عورت نے ان کو بھوکا پاکر اپنی حلال معاش مین سے کچھ کھانا پکایا اور داروغہ جیل کے ہاتھ
ان تک پہونچایا شیخ نے واپس کردیا اور یہہ عذر کیا کہ کھانا گو حلال ہے لیکن جس طباق مین رکھا ہوا
آیا وہ طباق حرام اور ناپاک ہے۔ طباق سے داروغہ جیلخانہ کا ہاتھ مراد تھا۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ
شہرون کی ان نہرون کا پانی تک نہ پیتے تھے جو ظالم بادشاہون نے کھدوائی تہین۔ ایک بزرگ کا
غلام کسی ظالم شخص کے گھر سے چراغ روشن کرلایا تو اونہون نے بجھادیا اور فرمایا کہ حق تعالی کے نافرمان
بندے کے چراغ سے روشن کئے ہوئے چراغ کی روشنی کیونکر انتفاع کے قابل ہوسکتی ہے؟ غرض قُلِ
اللّٰہ ثُمَّ ذَرْھُمْ کے پورے عامل یہی لوگ تھے۔ اونہون نے کبھی کسی ایسی چیز کا استعمال نہین کیا جو اللہ واسطے
نہ تھی۔ یہ درجہ آسان نہین ہے اسلئے صرف ثقہ مسلمانون کا تقوی توضرور حاصل کرلو یعنی اون چیزون
کے پاس نہ پھٹکو جن کی حرمت پر علمائے دین کا فتوے ہوچکا ہے۔ البتہ اسکے ساتھہ دو باتون کا ضرور
خیال رکھو۔ پہلی بات یہہ ہے کہ بعض فقہا نے مسائل شرعیہ کے متعلق جو حیلے بیان کئے ہین اونکی جانب
التفات نہ کرو مثلاً یہ حیلہ کہ سال ختم ہونیسے پہلے اپنا تمام مال اپنی بیوی کے نام اور بیوی کا سارا مال
اپنے نام منتقل کرلیا تو چونکہ مملوکہ مال سال بھر اپنی ملک مین نہین رہا اسلئے زکوۃ واجب نہین ہوئی ایسا
ہرگز ہرگز نہ کرنا۔ بات یہ ہے کہ فقہاء شریعت کا کام چونکہ سیاست دنیاوی کا سنبھالنا ہے۔ اس لئے
ان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا منتظم اور حاکم وقت سلطان اوسی مسلمان سے زکواۃ کا مطالبہ کریگا جسکا
مال پورے سال بھر اوسکے قبضہ مالکانہ مین دیکھ لیگا۔ اور اس حیلہ کرنیوالے متمول مسلمان کے پاس
سلطانی محصل تحصیل زکوۃ کے لئے نہین آئینگے کیونکہ بندون کے دیکھنے کے متعلق جو حالت تھی یعنی
مالکانہ قبضہ وہ سال گذرنیسے پہلے پہلے مال کے بیوی کے نام منتقل ہونیکے باعث مفقود ہوگیا۔
مگر تمکو چونکہ معاملہ اپنے پروردگار سے رکھنا ہے اور وہ دلون کے حالات سے خوب واقف ہے اسلئے

علمائے شریعت کا منصب اور حیلون کا مطلب

یہ مکر و فریب آخرت مین کام نہ آئیگا۔ تمہین معلوم ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ سے مقصود بخل کی مذموم خصلت کا دور کرنا ہے اور جب زکوٰۃ تک سے بچنے کے حیلے کرنے لگو گے تو بخل کہان دور ہوا بلکہ بخل کو تو اور سر چڑھا لیا یعنی امام اور پیشوا بنا لیا کیونکہ اوس کا یہان تک کہنا مانا گیا کہ اس بخل کو نجات دہندہ اور خدا کے سامنے سرخرو کر دینے والا سمجھ بیٹھے۔ تو اس صورت مین زکوٰۃ کا مقصود بالکل حاصل نہین ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو مصلحت رکھی تھی اُس کی جانب توجہ نہین کی گئی اور برعکس معاملہ کیا یعنی بخل کو بڑھا لیا۔ اسیطرح بعض مسلمانون کی حالت یہہ ہے کہ اپنی بیوی کو تکلیف مین رکھتے ہین تا کہ وہ بیچاری تنگ آکر دین مہر معاف کردے اور پھر اوسکو حلال سمجھتے ہین۔ بھلا ایسا مال شوہر کو کیونکر حلال ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ مین خود فرما دیا ہے کہ "ہان وہ مہر جو عورتین بخوشی خاطر اور برضائے نفس معاف کردین بیشک حلال ہے"۔ پھر بھلا جس مہر کی معافی بُرے برتاؤ اور بدسلوکی اور ایذا رسانی سے ہوئی ہے کیا وہ بخوشی خاطر سمجھی جائیگی؟ یاد رکھو کہ رضائے قلب دوسری شے ہے اور رضائے نفس اور چیز ہے۔ مثلاً پچھنے لگوانے تلخ دوا پینی۔ فصد کھلوانی۔ پھوڑے پھنسی مین شگاف لگوانا۔ یہ سب آیندہ کی مصلحت کے باعث قلب پسند کرتا ہے مگر نفس ہرگز نہین چاہتا۔ نفس تو اوسمین راضی ہے جسمین اِس وقت لذت حاصل ہو۔ نفس کا یہہ کام نہین ہے کہ عقل کے ذریعہ سے آنے والی راحت کو حاصل کرنے کے خیال سے تکلیف گوارا کرے۔ اِسیطرح اگر بیوی نے تکلیف سے تنگ آکر ایذا سے گھبرا کر اپنی آیندہ مصلحت اور باقیماندہ عمر کی آسائش و آرام کے خیال سے دوائے تلخ کی طرح دین مہر کی معافی گوارا کرلی تو اوس کا نام رضائے قلب ہے۔ رضائے نفس اور خوشی خاطر ہرگز نہین اور دین مہر کے حلال ہونے مین معتبر رضائے نفس ہے جیسا اوپر کی آیت سے معلوم ہوا۔ پس اگر اس رضا کے حیلہ سے حکومت و سلطنت دنیاوی مین کوئی شخص تقاضا کرنے والا نہین رہا تو کیا خدا کے سامنے بھی سرخرو ہو جاؤ گے؟ بتلاؤ احکم الحاکمین کو کیا جواب دو گے جبکہ رضائے قلب اور رضائے نفس کی بحث پیش ہو؟

رضائے قلب اور رضائے نفس کا لطیف فرق

اِسیطرح کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کیونکہ بھیک مانگنا بُری بات ہے اور اگر سخت ضرورت کے وقت سوال کرنے کی نوبت پہونچے تو اس کا ضرور ہی خیال رکھو کہ مجمع مین سوال نہ کرو کیونکہ اکثر ایسی حالت مین دینے والا جو کچھ بھی تم کو دے گا وہ مجمع مین ذلت و رسوائی اور نیم چشمون مین

مجمع مین سوال کی برائی

سُبکی کے اندیشہ سے دیگا" اور اسکو بخوشی خاطر دینا نہین کہتے۔ پس ایسا دیا ہوا مال استعمال کے
قابل نہین کیونکہ کسیکے بدن پر چابک مار کر لینا یا کسی کے دل پر شرم و دباؤ کا کوڑا مار کر روپیہ حاصل
کرنا دونون برابر ہین۔ نیز اپنے دین کو ذریعۂ کسب نہ بناؤ۔ مثلاً اس غرض سے دیندارانہ او صوفیانہ
صورت بنالو کہ لوگ مقبول بندہ سمجھکر تمکو کچھہ دین گے حالانکہ تم بالکل کورے ہوا ور قالب نجاست
مین آلودہ ہے۔ خوب یاد رکھو کہ دوسرے کا دیا ہوا مال تمہین اسوقت حلال ہے جبکہ تمھاری کوئی
ایسی حالت مخفی نہو جس سے اگر دینے والا آگاہ ہوجاوے تو ہرگز نہ دے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر تمنے
صورت دیندارانہ شیخ کی سی بنا رکھی ہے مگر دل مین خواہشات نفسانی کا ہجوم ہے اور ظاہر ہے کہ
دینے والے نے جو کچھ تمکو دیا ہے وہ صرف ظاہری صورت دیکھکر دیا ہے اوس کو تمہاری باطنی
معصیت کی بالکل بھی خبر نہین ہے تو گو یہہ علماء شریعت جو ظاہری انتظام کے متکفّل ہین حلال
بتلا دینگے مگر صاحب بصیرت ضرور حرام کہے گا۔

دوسری بات جس کا خیال ضروری ہے یہہ ہے کہ مولویون کے فتوے پر اکتفا نہ کیا کرو بلکہ اپنے
دل سے بھی پوچھا کرو کہ اس معاملہ مین دل کیا کہتا ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہین کہ "اگرچہ لوگ تمہین فتوے دیچکین مگر تم اپنے دلون سے بھی فتوی لیا کرو" بات یہہ ہے
کہ گناہ مسلمان کے دل مین ضرور چبھتا ہے کیونکہ ضرر پہونچانی والی شئے ضرور دل مین کھٹکتی ہے
پس جو شئے حقیقت مین حرام ہوگی یا جو کام فی الواقع گناہ ہوگا اوسکو بے کھٹکے ہرگز تمہارا دل
قبول نہ کرے گا۔

فصل ۔ نفس پر زیادہ تشدد بھی نہ کرو مثلاً کہنے لگو کہ ایسا مال کہان ہے جو ہر طرح حلال ہو شبہہ
بھی نہوا ور کسی ظالم یا فاسق کے ہاتھہ مین بھی ہو کر نہ آیا ہو؟ اور جب ایسا مال نہین مل سکتا تو یا تو
انسان جوگی بنکر گھاس پات کھانے پر قناعت کرے اور یا بیباک ہوکر جو چاہے کھائے پیئے
ایسا خیال گمراہی ہے۔ بات یہہ ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔ اور ان کے بین بین
متشابہ امور ہین۔ مگر تمکو صرف اتنی تکلیف دی گئی ہے کہ جو مال شرعاً حلال ہے اور اوسکے حرام ہونے
کا کوئی ظاہری سبب تمکو معلوم نہین ہے اوس کو حلال سمجھو اور کھاؤ پیو دیکھو رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مشرک آدمی کے مشکیزہ سے اور حضرت فاروق رضہ نے عیسائی عورت

کے گھڑے سے وضو کیا ہے۔ اور اگر پیاس ہوتی تو پی بھی لیتے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ خواہ مخواہ وہم
کو دخل دینا جائز نہین ہے جب پانی کے نجس ہونے کا کوئی ظاہری سبب معلوم نہین ہے تو اسکو
پاک ہی سمجھنا چاہئے اسیطرح جو حلال شئے کسی ایسے آدمی کے ہاتھ مین پاؤ جس کا حال تمکو معلوم
نہو تو اوسکو پاک سمجھو اور مسلمانون کے ساتھ حُسنِ ظن رکھو۔ اور یہ سمجھکر کہ مسلمانون کے پاس
جو کچھ مال ہے حلال اور پاک کمائی کا ہے اوس کی دعوت قبول کر لیا کرو خصوصاً جبکہ مسلمان
صالح اور دیندار ہو۔ ہان البتہ ظالم بادشاہ یا سود خوار یا شراب بیچنے والے کا مال جب تک
یہہ نہ پوچھلو کہ کس حلال ذریعہ سے کمایا ہے؟ حلال نہ سمجھو پس اگر تفتیش اور سوال کے بعد معلوم
ہوجائے کہ سود یا ظلم کی کمائی اور شراب کی قیمت نہین ہے تو اوس کا لے لینا بھی حرام نہین ہے
اور اگر کسی کے پاس غالب حصہ حلال آمدنی کا ہے اور کم حصہ حرام تو اوس کا کھانا بھی حلال ہے
البتہ اگر نہ کھاوے تو تقویٰ ہے۔ حضرت شیخ ابن المبارکؒ کے بصرہ مین مقرر کئے ہوئے کارندہ نے
اِن سے بذریعہ خط دریافت کیا تھا کہ جو شخص ظالم بادشاہ سے معاملہ داد و ستد رکھتا ہے
مجھے اوس سے لین دین کا معاملہ جایز ہے یا نہین؟ تو شیخ نے لکھ بھیجا تھا کہ اگر اوس شخص کا اسکے
علاوہ اور بھی کوئی ذریعہ کسب ہو تو معاملہ جایز ہے ورنہ ناجایز۔ غرض دنیا مین چھ قسم کے آدمی
ہین اور ہر ایک کے ساتھ معاملہ کا جُدا حکم ہے جسکو ہم تفصیل وار بیان کرتے ہین۔

پہلی قسم۔ وہ آدمی جنکا حال کچھ بھی معلوم نہین۔ اِن کا مال حلال ہے اور اوس سے پرہیز کرنا
ضروری نہین۔ البتہ اگر نہ کھایا جائے تو تقویٰ ہے۔

دوسری قسم۔ وہ صلحا جن کی دینداری ظاہر ہے اُنکے مال مین شُبہ کرنا وسوسۂ شیطانی ہے
بلکہ اگر انکو اس کے پرہیز سے رنج ہو تو ایسا تقویٰ بھی حرام و معصیت ہے۔

تیسری قسم۔ وہ لوگ جن کا تمام یا اکثر مال ظلماً یا سود یا شراب کی بیع و شرا سے حاصل ہوا ہے
یہہ یقیناً حرام ہے۔ اِس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

چوتھی قسم۔ وہ لوگ جن کا نصف سے کم مال حرام ذریعہ سے کمایا ہوا ہے اور تمہین معلوم بھی ہے
کہ زیادہ کسب حلال ہے مثلاً دو ذریعہ حلال کے ہین ایک تو تجارت کرتا ہے۔ دوسرے ترکہ مین
کچھ جائداد پائے ہوئے ہے جسکی آمدنی اسکو ملتی ہے اور ایک ذریعہ حرام ہے۔ مثلاً کسی ظالم بادشاہ

کا ملازم ہے اور اس ایک ذریعہ کی نسبت اُن دو ذریعون کی آمدنی زیادہ ہے تو چونکہ زیادہ مال حلال ہے اسلئے کثرت کا اعتبار کیا جائیگا اور اس کا مال حلال سمجھا جائیگا۔ البتہ پرہیز کرنا تقویٰ مین شمار ہوگا۔

پانچوین قسم۔ وہ لوگ ہین جنکے کسب کا ذریعہ معلوم نہین مگر ظلم و تعدی کی علامتین اونپر نمایان ہین مثلاً جابر حکام کی سی شکل وہیئت وغیرہ تو چونکہ اس ظاہری حالت کا مقتضا یہہ ہے کہ ان کا مال بھی ظلماً کمایا ہوا ہوگا۔ اسلئے تفتیش کئے بغیر ہرگز حلال نہ سمجھو۔

چھٹی قسم۔ وہ لوگ ہین جنپر علامت ظلم تو کوئی نمودار نہین ہے البتہ فسق و فجور کے آثار نمایان ہین مثلاً داڑھی منڈی ہے یا مونچھین بڑھی ہوئی ہین مخنث بنک رہا یا گالیان دے رہا ہے۔ اجنبی عورت کی جانب دیکھ رہا یا باتین کر رہا ہے تو اس کا مال محض اس فسق کی وجہ سے حرام نہین سمجھا جائیگا۔ اگر تم کو یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کا مال کسی حلال ذریعہ سے کمایا ہوا ہے تو اوسکے مال کو حلال سمجھو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے پانی کو نجس نہین سمجھا پس جب مجوسیت اور نصرانیت سے پاک پانی متنبہ یا ناپاک نہین ہوا تو مسلمان کا مقبوضہ مملوکہ مال محض اوس کے فسق و فجور کی وجہ سے کیسے ناپاک ہو سکتا ہے البتہ اگر اوسکے مال کا حلال ذریعہ کسب بھی تمکو معلوم نہ ہو تو ایسی صورت مین اس مال کے حلال ہونے مین تامل ہے۔

اس تشریح کے بعد پھر ہم یہی کہتے ہین کہ اپنے دل سے بھی فتویٰ لیلو اور جس مال سے دل کھٹکے اوس کا ہرگز استعمال نہ کرو البتہ یہ ضرور دیکھ لو کہ دل کے فتویٰ پر عمل کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے سے اس شخص کو رنج تو نہ ہوگا۔ اگر رنج کا اندیشہ ہو تو ایسا تقویٰ کرنا بھی ناجائز ہے۔ مثلاً کسی نامعلوم شخص نے کوئی چیز ہدیۃً تمہین دی یا دعوت کی اور تمنے تقویٰ کی بنا پر اوسکے مال کی تفتیش شروع کردی تو ظاہر ہے کہ یا تو خود اوسی سے پوچھوگے یا اوس سے خفیہ دوسرون سے تحقیق کروگے اور ظاہر ہے کہ اگر اوس سے پوچھا تو اوس کو سخت صدمہ ہوگا اور اگر دوسرون سے پوچھا اور اوسکو خبر ہوئی تو رنج کے علاوہ مسلمان کی جانب بدگمانی اور بعض وقت غیبت و تہمت کا بھی اندیشہ ہے اور یہہ سب حرام ہے۔ اور تقویٰ کا چھوڑنا حرام نہین ہے پس ایسے موقع پر اوس مسلمان کا دل خوش کرنا واجب ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا وہ کھانا جو کسی مسلمان نے ان کو صدقہ دیا تھا بے تامل کھالیا اور صدقہ

مسلمان پر بدگمانی حرام ہے اور بعض وقت تقویٰ بھی ناجائز ہے

دینے والے کے مال اور حال کا تجسس نہین فرمایا البتہ جب آپ مدینہ مین تشریف لائے تو شروع شروع جو چیز آپ کی نذر کی گئی آپ نے یہ تو پوچھ لیا کہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اور یہ صرف اس وجہ سے کہ صدقہ کا مال آپ کو جائز نہ تھا اور اس سوال مین اوسکو رنج یا ایذا بھی نہین ہوتی تھی۔ کیونکہ صدقہ اور ہدیہ دونون کی صورت ایک ہی ہے صرف دینے والے کی نیت اور محل و مصرف کا فرق ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مسلمان ضیافت کرتا تھا آپ بلا تامل قبول فرما لیتے تھے۔ ذریعہ کسب کا سوال آپ سے کہین منقول نہین ہے۔ البتہ کہین کہین شاذ و نادر کسی غالب شبہہ کے موقع پر تحقیق حال فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سفر مین بازار سے تمام ضرورت کی چیزین خرید لتے اور کھاتے تھے۔ حالانکہ یہ بھی جانتے تھے کہ سود اور لوٹ اور مال غنیمت مین خیانت کیئے ہوئے مال بھی بازارون مین فروخت ہوتے ہین مگر ان شبہات کا کچھ خیال نہین کیا بلکہ غالب اور کثرت کی بنا پر بلا تفتیش و تحقیق حلال سمجھا۔ اسیطرح تم بھی بازار کی چیزون کو حرام نہ سمجھو البتہ اگر حرام و ناجائز طریقے سے حاصل کی ہوئی چیزین بکثرت فروخت ہونے لگین تو اوس وقت بلا تفتیش خرید نا جائز نہین ہے۔

آٹھوین اصل مسلمانونکے حقوق کی حفاظت اور اونکے ساتھ نیک برتاؤ

تمام مخلوق عمر کی کشتی پر سوار دنیا کا سفر ختم کر رہی ہے اور دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ اسلئے آخرت کے مسافرون کو اپنی سرائے کے ہمجنس مسافرون کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا بھی دین کا ایک رکن ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی تین حالتین ہوتی ہین۔ کیونکہ یا تو مجرد اور تن تنہا ہوتا ہے اور یا متعلقین یعنی اہل وعیال و دوست و احباب وغیرہ کے تعلقات سے وابستہ ہوتا ہے اور یا بین بین حالت ہوتی ہے یعنی تعلق تو ہوتا ہے مگر صرف اقربا اور رشتہ دارون یا پاس پڑوسیون سے ہوتا ہے عام مخلوق سے واسطہ نہین رکھتا۔ پس تینون حالتون کے حقوق اور حسن سلوک سے تمکو واقف ہونا چاہیئے۔

پہلی حالت مین چونکہ آدمی کو صرف اپنی ذات سے تعلق ہے اس لئے اپنے نفس کی اصلاح اور اس غذائی لشکر کے حقوق ادا کرنے ضروری ہین جو اس عالم اصغر یعنی انسان مین حق تعالیٰ نے پیدا کیئے

ہین۔ اور چونکہ اس جگہ ہمین اختصار مقصود ہے اسلیئے جسم انسان مین خدای لشکر کے صرف سردارون
کا ذکر کرتے ہین۔ اور متنبہ کئے دیتے ہین کہ ہر مجرد بے تعلق مسلمان کو بھی ان کی حفاظت ضروری ہے
یاد رکھو کہ تمھارے اندر ایک خواہش پیدا کی گئی ہے جس کی وجہ سے تم ہر مفید اور پسندیدہ شئے
کو حاصل کرنیکی سعی کرتے ہو۔ اور ایک غصہ پیدا کیا گیا ہے جسکے ذریعہ سے تم ہر مضر اور مکروہ چیز
کو دفع کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ اور تیسری عقل پیدا کی گئی ہے جس سے تم اپنے تمام معاملات
کا انجام سوچتے اور اپنی رغبت کی حفاظت کرتے ہو۔ پس غصہ کو کتا سمجھو اور خواہش کو گھوڑا
اور عقل کو بادشاہ خیال کرو اور پھر یہہ سمجھو کہ یہہ تینون تمھارے ماتحت بنائے گئے ہین۔ آئین
انصاف قایم رکھنا اور اس قدرتی سپاہ سے مدد لیکر ابدی سعادت کا حاصل کرنا تمہارا فرض
منصبی ہے۔ پس اگر تم کتے کو مہذب اور گھوڑے کو شائستہ کرکے بادشاہ عقل کا مطیع و فرمانبردار
بنائے رکھوگے تو ضرور مقصود تک پھونچ جاؤگے اور اگر محکوم کو حاکم کی مسند پر بٹھادوگے اور
حاکم بادشاہ کو تابعدار غلام بنادوگے تو ظالم کہلاؤگے کیونکہ کسی شئے کا بے محل رکھنا صریح ظلم ہے
اسلیئے ضروری بات ہے کہ جب خواہش نفسانی کوئی چیز حاصل کرنی چاہے یا غصہ کسی شئے کو
دفع کرنا چاہے تو عقل سے سوچا کرو کہ اس کا انجام کیا ہے؟ اگر انجام اچھا ہو تو عقل کو چاہئے
کہ اوس کام کے کرنے کی اجازت دیدے اور اگر انجام برا دیکھے تو ہرگز اجازت نہ دے بلکہ اپنے
ماتحت غلامون سے اوسکو پکڑوائے۔ مثلاً نفس بیجا خواہش کرتا ہے تو غصہ کو اوسپر حملہ
کرنے کا حکم دے تاکہ وہ اس بدخواہ نادان خادم کو پابزنجیر کردے اور اگر غصہ بھڑکنا اور بے راہ
چلنا چاہتا ہے تو شہوت کا اوسپر حملہ کرائے کہ وہ اسکو ٹھنڈا کردے اور خیال پورا ہونے
دے اور اگر تمنے اپنی عقل سے دریافت ہی نہین کیا یا دریافت تو کیا مگر اوسکے حکم کی سماعت
و اطاعت نہ کی بلکہ اوسکو خادم اور تابعدار غلام بنالیا کہ شہوت و غصہ جو کچھ کرنا چاہین
عقل اون کی ضرور تعمیل کرے اور ان دونون کا منشا پورا کرنے مین حیلے اور تدبیرین سوچے
تو گویا تمنے قدرتی سپاہ مین تغیر و تبدل کردیا اور جنہین عدل و انصاف کا حق تعالی نے
حکم فرمایا تھا اونپر سخت ظالمانہ کارروائی کی۔ پس قیامت کے دن جب اجسام اعراض بصورت
اجسام حاضر کئے جائینگے اور شہوت نفسانی کو کتے کی اور غصہ کو گھوڑے کی صورت مرحمت ہوگی

بیان جسم کے حقوق کی حفاظت اور تہذیب نفس

اور عقل شاہانہ لباس پائیگی تو اوس وقت یہ راز اچھی طرح کہل جائیگا اور تم کہو گے کہ ہائے افسوس ہمنے کیسا ظلم کیا کہ بادشاہ کو گتے اور گھوڑیکے سامنے سر بسجود رکہا۔ کاش شکاری مرد کیطرح اِس گتے اور گھوڑے کو وقت پر کام مین لانے بلا ضرورت نہ بھگاتے اور اونکو عقل کا ایسا تابعدار بنا دیتے کہ جہان وہ چاہتی استعمال کرتی ورنہ بیکار پڑے رہتے۔

دوسری حالت مین جبکہ تمہین عام مخلوق سے تعلق ہو تو اتنا ضرور لحاظ رکہو کہ اُنہین کسی قسم کی ایذا نہ پہونچے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "مُسلمان وہی ہے جسکے ہاتھ اور زبان سے اللہ کی مخلوق ایذا نہ پائے" اور اِس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مخلوق کو نفع پہونچاؤ اور اِس سے بھی بڑھکر صدیقین کا درجہ ہے کہ جیسے خود ایذا اوٹھاؤ اونکے ساتھ سلوک واحسان کرو کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اے علی رضؓ اگر صدیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہو تو جو تم سے قطع تعلق کرے تم اِس سے تعلق رکہو اور جو تم پر ظلم کرے تم اسکے ساتھ سلوک کرو۔ مخلوق کے حقوق قایم رکہنے مین ہشت باتون کا ضرور لحاظ رکہو۔

اوّل جو کچھ اپنے لئے اچھا سمجھو وہی دوسرون کے لئے اچھا سمجھو کیونکہ حدیث مین ایسے شخص کے لئے بشرطیکہ خاتمہ بالخیر ہو جائے جہنم سے محفوظ رہنے کی بشارت آئی ہے۔

دوم۔ ہر کسی کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ کیونکہ حق تعالیٰ مغرور اور متکبر سے محبت نہین فرماتا پس اگر کوئی دوسرا شخص تکبّر سے پیش آئے تو برداشت کر جاؤ۔ دیکھو حق تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے "عفو کی خصلت اختیار کرو بھلائی کی ترغیب دو اور جاہلون سے پہلو تہی کر جاؤ"

سوم۔ بڑون کی تعظیم کرو اور چھوٹون پر شفقت کی نظر رکہو۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جو جوان کسی بوڑھے کی تعظیم بڑہاپے کی وجہ سے کریگا تو اس کے بڑہاپے کیوقت اللہ تعالیٰ اس کی تعظیم کرنے والا شخص پیدا فرماویگا۔ اِس حدیث مین اشارۃً درازی عمر کی بھی بشارت موجود ہے۔

چہارم۔ ہر شخص کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آؤ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو دوزخ سے بچنے اور اللہ کے محبوب ہونیکی بشارت دیتے ہین۔

پنجم۔ دو مسلمانون مین رنجش ہو جائے تو صلح کرا دو۔ شریعت مین ایسے موقع پر تالیف قلوب کیوجہ سے بضرورت جھوٹ بولنے تک کی اجازت ہے اور شرعًا اِس کا درجہ نماز و روزہ سے افضل ہے۔

عام مخلوق سے واسطہ پڑنیکی حالت کے حقوق

ششم۔ جو لوگ ایک کی دوسرے سے چغلی کھاتے یا ادہر کی اودہر لگاکر باہم رنجش پیدا کرتے ہین انکی ہرگز نہ سنو۔ کیونکہ وہ اپنا دین برباد کرتے اور جہنم مین جانیکا سامان کر رہے ہین۔

ہفتم۔ تمھاری کسی سے رنجش ہو تو تین دن سے زیادہ علیحدگی مت رکھو۔ کیونکہ اگر تم مسلمان کی خطا سے درگذر کروگے تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن تمہارے قصور سے درگذر فرماویگا۔

ہشتم۔ سلوک واحسان کرتے وقت اہل وناہل مت دیکھا کرو کیونکہ اگر کوئی نااہل بھی ہے تو تم اسکے ساتھ کیون نااہل بنتے ہو سلوک کرنیکے لئے تمھارا اہل ہونا بھی کافی ہے۔

نہم۔ لوگون سے اونکی حالت کے موافق برتاؤ کیا کرو یعنی جاہل ہین اوس کمال اور تقویٰ کا ڈہونڈنا فضول ہے جو علماء مین ہوا کرتا ہے۔ دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ الہیٰ وہ طریق بتلائے جس سے مخلوق بھی مجھ سے محبت کرے اور آپ بھی راضی رہین تو حکم ہوا تھا کہ ای داؤدؑ دُنیا دارون سے اُن کی حالت کے موافق برتاؤ رکہا کرو اور دین دارون سے اونکے حال کے مطابق

دہم۔ برتاؤ کے وقت لوگون کے مرتبون کا بھی لحاظ رکہو یعنی اگر کوئی دُنیا دار با عزت آدمی تمہارے پاس آجائے تو اوس کی بھی عظمت کرو۔ دیکھو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض وقت دُنیا دار ذی عزت شخص کے لئے بھی چادر مبارک بچھا دی ہے اور فرمایا ہے کہ ”جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص تمھارے پاس آئے تو اوس کی عزت کیا کرو“

یازدہم۔ مسلمانون کے عیوب ہرگز ظاہر نہ کرو۔ کیونکہ پردہ پوشی کرنے والے جنت مین جائینگے اور غیبت بھی نہ کرو۔ اور کسی کے عیب کی ٹوہ مین بھی نہ رہو۔ یاد رکھو کہ اگر آج تم کسی مسلمان کی عیب جوئی کروگے تو کل حق تعالیٰ تمہارا عیب ظاہر فرماکر رُسوا کریگا۔ اور جسکو وہ رُسوا کرے پھر اوسکو نجات کہان؟

دوازدہم۔ تہمت کے موقعہ سے بھی بچو ورنہ لوگ بدگمان ہونگے اور تمہاری غیبت کرینگے۔ تو اُنکے اِس گناہ کے سبب تم بنوگے اور گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنی بی بی سے کچھ باتین کر رہے تھے کہ کسی شخص کا اس جانب گذر ہوا تو چونکہ موقع تہمت تہا اسلئے حضرت نے قصداً آواز دیکر اوس شخص سے فرمایا کہ ”اے شخص جس عورت سے مین باتین کر رہا ہون یہ میری بی بی صفیہ ہے“ اوس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ توبہ ہے

کہیں آپ کی جانب بھی بدگمانی ہوسکتی ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ تعجب کی کیا بات ہے شیطان تو بنی آدم کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے یعنی شاید تمھارے دل میں وسوسہ پیدا کرتا۔

سیزدہم۔ مسلمانوں کی حاجت روائی میں کوشش کیا کرو حدیث میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اکثر کسیکو کچھ دینے دلانے میں تاخیر فرماتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف اسوجہ سے جلدی حکم نہیں دیتا کہ تمکو سفارش کرنے کا موقع مل جائے اور تم زبان سے کلمۂ الخیر نکالکر ثواب حاصل کرلو۔ مسلمان کی حاجت روائی میں سعی کرنا بہرحال نافع ہے خواہ تمھاری کوشش کا نتیجہ نکلے اور اوس کی حاجت پوری ہو یا نہو۔ حدیث میں اس سعی کا اجر و ثواب سال بھر کے اعتکاف سے زیادہ آیا ہے۔

چہاردہم۔ ہر مسلمان سے سلام و مصافحہ میں پیش قدمی کیا کرو حدیث میں آیا ہے کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو رحمت خداوندی کے ستر حصوں میں انہتر اوسکو ملتے ہیں جسنے مصافحہ میں ابتدا کی ہے۔

پانزدہم۔ مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں بھی اوس کی مدد کرو یعنی اس کی آبرو یا مال پر دھبہ یا نقصان آے تو اوسکو مٹاؤ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جہاں کسی مسلمان کی آبرو ریزی ہو رہی ہو تو جو مسلمان ایسے وقت اس کی مدد کریگا حق تعالی اس کی ضرورت کیوقت اس کی مدد فرمائیگا اور جو مسلمان اس کی کچھ پرواہ نکریگا۔ حق تعالی بھی اوس کی اعانت کے موقع پر اوس کی کچھ پرواہ نہ فرماویگا۔

شانزدہم۔ شریر لوگوں سے بھی اس نیت سے مدارات کرلیا کرو کہ ان کے شر سے محفوظ رہو گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپنے فرمایا اچھا آنے دو برا شخص ہے" اور جب وہ اندر آگیا تو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اوس سے باتیں کیں کہ میرا گمان تو یہ ہوا کہ حضور کے نزدیک با قدر شخص ہے۔ غرض جب وہ چلا گیا تو میں نے رسول مقبول صلعم سے اس کی وجہ دریافت کی تب آپنے فرمایا کہ بدتر شخص قیامت کے دن وہ ہوگا جس کی بدخوئی سے بچنے کی غرض سے لوگ اوسکو چھوڑ دیں۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ جس

طریقہ سے بھی انسان اپنی آبرو بچائے وہ صدقہ وخیرات مین شمار ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے کہ لوگون سے اونکے اعمال کے موافق میل جول رکھو البتہ بدکارون کو دل مین جگہ نہ دو۔
ہفتم ہم۔ زیادہ تر مسکینون کے پاس اوٹھو بیٹھو اور اُمرا کی صحبت سے پرہیز کرو دیکھو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ یا الٰہا میری موت وحیات مسکنت ہی کی حالت مین رکھیو اور مسکینون ہی کی جماعت مین حشر فرمائیو حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود اس جاہ واقتدار کے جب کبھی مسجد مین کسی مسکین کو بیٹھا دیکھتے تو اوس کے پاس بیٹھ جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ بندہ مسکین اپنے ہم جنس مسکین کے پاس بیٹھ گیا حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا اللہ مین آپ کو کہان ڈھونڈون؟ تو حکم ہوا کہ شکستہ دل لوگونکے پاس۔
ہشتم ہم۔ حتی الامکان اُنہین کے پاس بیٹھو جنکو کچھ دینی فائدہ پہونچا سکو یا جن سے دین کا کچھ نفع حاصل کر سکو اور غفلت شعار لوگون سے علیحدہ رہو کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "بُرے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے نیکبخت ہم نشین بہتر ہے" یہہ خیال کرو کہ اگر تم ایسے شخص کے پاس آتے جاتے رہو جو ہر دفعہ تمہارے کپڑے کا ایک تار یا ڈاڑھی کا ایک بال نوچ لے تو ضرور تمکو اندیشہ ہوگا کہ اس طرح پر تو عنقریب کپڑا ختم اور داڑھی ندارد ہو جائیگی۔ اور تم اسکے پاس آمد ورفت کو یک لخت بند کر دوگے۔ پس اسیطرح جسکی صحبت مین حبہ برابر دین کی کمی ہو تو اوس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ آہستہ آہستہ تمام دین ہی برباد ہو جائیگا۔
نہم ہم۔ مسلمان بھائی اگر بیمار ہو جائین تو عیادت کیا کرو اور انتقال کر جائین تو جنازے کے ساتھ جایا کرو۔ اور پھر کبھی کبھی گورستان مین اُن کی قبرون پر بھی ہو آیا کرو اور پیٹھ پیچھے بھی اُنکے لئے دُعا مانگا کرو۔
بستم۔ اگر اونکو چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہا کرو اور اگر وہ نیک صلاح چاہین تو نیک صلاح دیا کرو۔ المختصر جو اہتمام اپنے نفس کو نفع پہونچانے اور ضرر سے بچانے کا کر سکتے ہو۔ وہی عام مسلمانون کے لئے ملحوظ رکھو۔

تیسری حالت خاص متعلقین سے برتاؤ نسبی اور صہری رشتہ دار یعنی بیوی بچے ماں باپ اور ہمسایہ وغلام نوکر چاکر سب متعلقین مین داخل ہین۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہین کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن کا مقدمہ پیش ہوگا وہ دو ہمسایہ ہونگے۔ اسلیئے پڑوس کے حقوق کا زیادہ خیال رکھو کیونکہ ہمسایہ کے پلے ہوئے کتّے کے ڈھیلا بھی مارو گے تو ہمسایہ کے ایذا دہندہ شمار ہوؤگے۔

ایک عورت نہایت پارسا عابدہ و زاہدہ تھی مگر اوس کے پڑوسی اوس سے تنگ و نالان رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسکو دوزخی فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ ہمسایہ کے کس قدر حق ہین؟ اگر ہمسایہ مدد چاہے تو مدد کرو قرض مانگے تو قرض دو۔ تنگدست ہوجائے تو سلوک کرو۔ بیمار پڑے تو عیادت کرو۔ انتقال کرجائے تو جنازہ کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ اگر اوسکو خوشی حاصل ہو تو مبارک باد دیا کرو۔ اور رنج پہونچے تو تسلی دو۔ اوس کی بلا اجازت اپنا مکان اتنا بلند نہ بناؤ کہ اوسکو خاطر خواہ ہوا نہ پھونچ سکے۔ اگر میوہ خرید کر لاؤ تو اسمین سے جتنا مناسب سمجھو ہدیۃً اوسکو بھی دو۔ اور اگر نہ دے سکو تو چھپکے سے گھر مین لیجاؤ۔ یعنی اوسکو دکھا کر حرص مت دلاؤ پھر مناسب ہے کہ تمھارا بچہ بھی اسکو لیکر باہر نہ نکلے کیونکہ ہمسایہ کے بچّہ کو حرص ہوگی تو اوسکو رنج پہونچیگا۔ اسیطرح اگر ہانڈی چڑھے تو ایک چمچہ پڑوسی کو بھی پہونچاؤ۔ جانتے ہو پڑوسی کا حق کس درجہ ہے پس یہ سمجھ لو کہ پڑوس کے حقوق وہی پورے کرسکتا ہے جسپر حق تعالی کا فضل ہو۔ قرابت داری کے حقوق کا بھی لحاظ رکھو کیونکہ رحم جسکے معنی قرابت کے ہین رحمٰن سے مناسبت رکھتا ہے۔ حق تعالی فرماتا ہے کہ جو شخص رحم سے میل رکھیگا مین اوس سے میل رکھونگا۔ اور جو اس تعلق کو قطع کردیگا مین اوس کا تعلق قطع کردونگا۔ صلۂ رحمی کرنیوالے کی عمر مین برکت ہوتی ہے۔ جنّت کی خوشبو جو پانچ سو برس کی مسافت سے آتی ہے وہ نا خلف اور قاطع رحم کو ہرگز نہ آئیگی۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ ماں باپ کی خدمت کرنا نماز روزے حج و عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ تک سے افضل ہے اور ماں کا حق باپ کی نسبت دوچند ہے۔ حدیث مین حکم ہے کہ جو کچھ دینا ہو ساری اولاد کو مساوی دیا کرو۔ غلامون کے بارہ مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انکے بارے مین خدا کا خوف رکھو یعنی جو کچھ خود کھاؤ وہی اونکو بھی کھلاؤ اور جو تم پہنو وہی اونہین پہناؤ۔ طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لو۔ اور یہ سمجھو کہ اللہ نے اونکو تمھارا محکوم غلام بنا دیا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تمکو ان کا غلام بنا دیتا۔ جب غلام کھانا لاکر رکھے

حقوقِ ہمسایہ

حقوقِ قرابت

تو چونکہ آگ کی تپش اور دھوئین کی کلونس سب کچھ اوسی نے برداشت کی ہے۔ اور تمکو ان تکلیفون سے بچایا ہے اسلیے اوسکی اسطرح دلدہی کردیا کرو کہ اپنے پاس بٹھاکر ساتھ کھلالو یا کم سے کم ایک لقمہ اوسکے ہاتھ پر رکھدو اور کہو کہ کھالو۔ ایسا کروگے تو اوس کا دل خوش ہوجائیگا۔ اور تمھاری عزت مین فرق نہ آئیگا۔ اور اگر وہ خطا کر بیٹھے تو درگذر کیا کرو اوسکو غرور اور حقارت کی نظر سے ہرگز نہ دیکھو۔

بی بی کے حقوق غلام سے کئی حصہ زیادہ ہین۔ بی بی کی تمام ضرورتون کو پورا کرو اور نیز حسنِ معاشرت و خوش کلامی کے ساتھ برتاؤ رکھو۔ کیونکہ بیبیون کے ساتھ نیک برتاؤ رکھنے والون کے بڑے درجے ہین دیکھو مقتدائے اُمت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اُمّہات المومنین کے ساتھ کبھی خوش طبعی و دلجوئی اور محبت و نرمی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ حدیثون مین حسنِ معاشرت کی بڑی تاکید آئی ہے۔

بی بی کے حقوق اور حسنِ معاشرت

فصل۔ ان ہی اصول مین سے ایک یہہ بھی ہے کہ اپنے لئے کچھ دینی دوست بھی تجویز کرلو جن سے محض اللہ ہی کے واسطہ محبت ہو۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ آواز دیگا کہ کہان ہین وہ خاص میرے واسطے باہم محبت رکھتے تھے؟ آج جبکہ میرے سایہ کے سوا کہین سایہ کا نام نہین ہے مین اونکو اپنے سایہ مین لے لونگا۔ حدیث مین آیا ہے کہ عرش کے گرد نور کے ممبر ہین جنپر ایک جماعت بیٹھیگی۔ جنکے لباس اور چہرے سرتاپا نور کے ہونگے اور وہ لوگ نہ نبی ہین نہ شہید مگر انبیا و شہدا اونکی حالت پر رشک[1] کرینگے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ وہ کون لوگ ہونگے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے مخلص بندے جو باہم اللہ کے واسطے محبت کرتے اور اللہ واسطے ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے او ٹھنے آتے جاتے تھے۔ یاد رکھو کہ ایمان کے بعد اللہ واسطے محبت ہی کا مرتبہ ہے اور اسمین بھی دو درجے ہین۔

پہلا درجہ۔ یہہ ہے کہ تمکو کسی شخص سے اس بنا پر محبت ہو کہ دنیا مین تمکو اوسکے ذریعہ سے ایسی چیز حاصل ہوتی ہے جو آخرت مین مفید ہے مثلاً شاگرد کو اپنے اوستاد کے ساتھ علم دین حاصل کرنیکے باعث محبت ہو اور مرید کو اپنے مرشد سے راہِ طریقت معلوم کرنیکی وجہ سے محبت ہو بلکہ اوستاد کو اپنے شاگرد سے بھی محبت اسی غرض سے ہے کہ سلسلۂ علم اسکی وجہ سے جاری رہے گا اور آخرت مین صدقۂ جاریہ کا اجر ملیگا۔ اسیطرح اپنے خادم اور محسن دونون کے ساتھ بھی اسی نیت سے

دینی دوست کی تلاش اور اسکی فضیلت

[1] رشک کبھی بڑے کو چھوٹے پر بھی ہوتا ہے جیسے حاکم اعلیٰ کے معاینۂ تحصیل کے وقت چپراسی کی بیفکری اور اپنی ذمہ داری دیکھکر تحصیلدار کو اوسپر رشک ہوسکتا ہے۔ اسیطرح حضرات انبیا علیہم السلام اپنی اپنی اُمتونکے فکر مین مشغول ہونگے اور یہ لوگ ان فکرون سے بوجہ چھوٹے درجہ ہونیکے آزاد ہونگے ۱۲ مولانا تھانوی مدظلہ

حب فی اللہ کا اعلیٰ درجہ اور اسکا اثر

محبت ہوتی ہے کہ اِن کی خدمت اور سلوک و احسان کے باعث فراغ اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور اطمینان و فراغت سے عبادت و طاعت الٰہی کا وقت نصیب ہوتا ہے۔ پس یہ سب اللہ ہی کیواسطے کی محبت ہے کیونکہ کوئی دُنیاوی غرض مقصود نہین ہے۔ مگر پھر بھی چونکہ خالص اللہ کی ذات مطلوب نہین ہے اسلئے اعلیٰ درجہ یہہ ہے کہ کسی اللہ کے پیارے اور نیکوکار بندے سے کوئی دینی غرض بھی مقصود نہو بلکہ صرف اِسوجہ سے محبت ہو کہ یہہ شخص اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کا محبوب بندہ ہے۔ کیونکہ معشوق کے کوچہ کا کُتا بھی دوسرے کُتوّن سے ممتاز ہوتا ہے پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ تمہین حق تعالیٰ سے محبت ہو اور اوسکے پیارے بندون سے محبت نہو؟ یاد رکھنا چاہیئے کہ رفتہ رفتہ یہ تعلق یہان تک قوی ہو جاتا ہے کہ اللہ کے محبوب بندون کے ساتھ اپنے نفس کا سا برتاؤ ہونے لگتا ہے بلکہ اپنے نفس پر بھی ترجیح ہو جاتی ہے پس جتنا بھی یہ علاقہ مضبوط ہوگا اوسیقدر کمال مین ترقی ہوگی۔

بغض فی اللہ اور اسکا اثر

ایسا ہی بغض کا حال ہے کہ پیارے معبود کے نافرمان غلامون سے عداوت ہونی چاہیئے۔ جن نیک بندون کو یہہ درجہ نصیب ہوتا ہے اُنکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ پاک کے نافرمان سرکشون کے پاس بیٹھنا اور بات کرنا تک چھوڑ دیتے ہین۔ اگر اونکی صورت نظر آتی ہے تو آنکھین بند کر لیتے ہین۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی ہے کہ خداوندا کسی فاسق بندہ کا مجھپر احسان نہ کرائیو۔ کیونکہ ایسا ہوا تو مجھے اندیشہ ہے کہ احسان کے باعث دلمین اوس کی محبت آجائیگی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ اِسی کا نام ہے اور جس مسلمان کو اپنے مولا سے اِتنی بھی محبت نہین جس کا یہہ اثر ظاہر ہو کہ اللہ کے محبوب بندے اسکے محبوب بن جائین اور خدا کے دشمنون کو اپنا دشمن سمجھے تو سمجھنا چاہیئے کہ اِس شخص کے ایمان مین ضعف ہے۔

نوین اصل امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی وعظ و نصیحت کا بیان

اللہ پاک فرماتا ہے کہ "تم مین کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئین جو نیکی کی جانب بلائین اور اچھے کامون کا حکم کرین بُرائیون سے منع کرین۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہین" حدیث مین آیا ہے کہ جب لوگ معصیت مین مبتلا ہو جائین اور اِن مین ایسے نیکوکار بھی موجود ہون جو اون کو معصیت سے روک سکتے ہین مگر یہ لوگ کاہلی کرین اور اونکو بدکاری سے منع نہ کرین تو حق تعالیٰ جلد اونپر عذاب

نازل فرمائیگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہین کہ ایک ایسے قصبہ پر عذاب نازل ہوچکا ہے جسمین اٹھارہ ہزار مسلمان آباد تھے اور اونکے اعمال انبیاء علیہم السلام جیسے تھے۔ البتہ یہ نقص تھا کہ اللہ کی نافرمانیان دیکھکر اونکو غصہ نآتا تھا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑے ہوئے تھے اس سبب سے ہلاک ہوئے۔

خوب یاد رکھو کوئی ناجائز کام ہوتے دیکھو اور خاموش بیٹھے رہوگے تو اوس گناہ مین تم بھی شریک سمجھے جاؤگے کیونکہ غیبت کرنیوالے اور سُننے والے دونون برابر ہین۔ اسیطرح ریشمی لباس یا سونیکی انگوٹھی پہننے والے جسقدر گنہگار ہین اوسیقدر اوس شخص کے وہ یار دوست یعنی اسکے پاس بیٹھنے والے بھی گنہگار ہین جو اپنے ساتھی کو ریشمی لباس اور طلائی انگشتری پہنے دیکھتے ہین مگر منع نہین کرتے۔ اسیطرح ایسے مکانون مین بیٹھنا جس کی دیوارون پر تصویرین ہون یا ایسی مجلس مین شریک ہونا جہان کوئی بدعت ہورہی ہو یا کسی مباحثہ اور مناظرہ کے ایسے جلسہ مین جانا جہان سب وشتم اور تمسخر ولغوگوئی ہورہی ہو سب گناہ ہے پس خوب سمجھ لو کہ ان گناہون کے موقعون سے صرف بچنا ہی نہین بلکہ جب تک بے زبان نصیحت نہ کروگے اور گناہ سے روک نہ دوگے اوسوقت تک ہرگز عہدہ برا نہین ہوسکتے۔ یہی سبب ہے کہ خلوت وتنہائی بہتر سمجھی گئی ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ کثرت اختلاط سے ضرور معصیت ہوتی ہے کیونکہ مسلمان کیسا ہی متقی کیون نہو جب تک ملامت کرنیوالون کی ملامت کا خوف دل سے نہ نکالدے اور جو گناہ ہوتا دیکھے اوسکو روک نہ دے خود بھی گناہ سے ہرگز نہ بچے گا۔ غرض مداہنت حرام ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے البتہ دو حالت مین اس کا وجوب قایم نہین رہتا پہلی حالت یہ ہے کہ اسکو معلوم ہو کہ مین اس گناہ سے منع کرونگا تو مجکو نظر حقارت سے دیکھا جائیگا اور میری بات کی نہ یہہ لوگ پروا کرینگے اور نہ اس گناہ کو چھوڑینگے تو ایسی صورت مین نصیحت واجب نہین رہیگی۔ اور یہ حالت اکثر اون مکروہات مین ہوتی ہے جنکے مرتکب فقہاء اور ایسے لوگ ہوتے ہین جو اپنے آپ کو دیندار اور متقی سمجھے ہوئے ہین کیونکہ اُن کو کسی شخص کا نصیحت کرنا نہایت ناگوار گذرتا ہے اور وہ گناہ چھوٹتا نہین جسکو اونہون نے اختیار کیا ہے۔ ایسے موقع پر بیشک سکوت جایز ہے البتہ زبان سے پہر بھی نصیحت کردینا مستحب ہے۔ اسکے ساتھ اس کا بھی خیال رکھو کہ ایسی جگہہ سے

اوٹھ آنا ضرور واجب ہے جہان کوئی ناجائز کام ہورہا ہو۔ کیونکہ بیٹھا رہنا اپنا اختیاری فعل ہے۔ اور
باختیار کسی معصیت کا دیکہنا بہی معصیت ہے۔ بس جہان دَور شراب جاری ہو یا غیبت ہورہی ہو
یا ڈاڑھی منڈے بددین غیر متشرع فاسق فاجر بیٹھے ہون وہان ہرگز ہرگز نہ بیٹھو۔ دوسری حالت
یہ ہے کہ ناجائز فعل سے باز رکھنے پر قدرت تو ہو مگر یہ خیال ہو کہ اگر مین نے دست اندازی
کی تو ضرور مارا پیٹا جاؤن گا۔ مثلاً کسی جگہ شراب کا شیشہ یا ستار وغیرہ یا جاگا جایا اور کوئی
سامان لہو ولعب رکہا دیکہو تو ممکن ہے کہ آگے بڑہکر اوسکو توڑ پھوڑ دو مگر ایسا کرنیسے اس کا یقین
ہو کہ ان کے مالک تکلیف تمکو پہونچائے بغیر باز نہ آئینگے۔ تو اس صورت مین بھی سکوت جائز ہے
البتہ ہمت کرنا پھر بھی مستحب ہے کیونکہ ایسے امر خیر مین جو کچھ ایذا پہونچے گی اوسکے بھی بڑے اجر ہین۔
ایسی حالت مین سکوت کا جائز ہونا اس شرط پر ہے کہ بدنی تکلیف یعنی مار پیٹ یا مالی نقصان یا
شکست اور آبروریزی یا ایذا رسانی کا یقین یا غالب گمان ہو کیونکہ محض اس خیال سے کہ میری نصیحت
کرنیسے انکو میری محبت نہ رہیگی یا ان کو ناگوار گذریگا اور مجکو زبان سے کچھ برا بھلا کہنے لگینگے یا
مجکو اپنا دشمن سمجھنے لگینگے اور آیندہ کوئی تکلیف پہونچانیکی فکر کرینگے یا جو کچھہ دیتے ہین وہ بند
کرلینگے یا آیندہ کی کوئی دینی مصلحت وبہبودی کی توقع ہے اور نصیحت کرنیسے وہ مصلحت ہاتھ
سے جاتی رہیگی تو ایسی موہوم باتون کی شریعت مین کچھ وقعت نہین ہے اور نہ ان خیالات سے
خلاف شرع امر پر سکوت جائز ہے۔

(**فصل**) اوّل تو واعظ کو حلیم الطبع نرم مزاج ہونا نہایت ضروری بات ہی کیونکہ اپنی نیکبختی جتانے
اور دوسرون پر اعتراض کرنے کی نیت سے وعظ کہنے کا نتیجہ اچھا نہین نکلتا بلکہ اس سے
لوگون کو صدمہ اور برافروختگی ہوتی ہے اور معصیت پر ضد اور اصرار کرنے لگتے ہین اور جب
ضد بندھگئی تو پھر نصیحت کرنا اللہ واسطے نہ رہا بلکہ اپنے دل کی جلن نکالنے اور پھپھولے پھوڑنے
کی غرض سے ہوگیا۔ اسلئے نہایت نرمی سے نصیحت کیا کرو اور یہہ چاہو کہ کاش حق تعالیٰ کی
یہ معصیت چھوٹ جائے اور کوئی دوسرا ہی واعظ اسکو چھوڑا دے تو بہت بہتر ہے کیونکہ خود معترض
اور ناصح بننے کی عزت کا خواستگار ہونا خلوص کے بالکل خلاف ہے۔ ایک مرتبہ خلیفہ مامون رشید کو
ایک واعظ نے کسی بات کی نہایت سختی کے ساتھ نصیحت کی تو مامون نے جواب دیا کہ بھائی نرمی سے

نصیحت کیا کرو۔ دیکھو تم سے بہتر ناصح حضرت موسیٰ کلیم اللہ پیغمبر مجھ سے بدتر بندہ یعنی فرعون مصر کی جانب بھیجے گئے اور اونکو اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہوا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا یعنی اے موسیٰ اور اے ہارون فرعون سے نرمی کے ساتھ باتین کرنا حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہین کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان شخص رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیدیجئے۔ اِس شخص کا یہ کلمہ سُنکر لوگ اوسکو ڈانٹنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوڑ دو اور اوس شخص کی جانب متوجہ ہوکر فرمایا کہ آؤ بھائی یہان آؤ جب وہ شخص پاس آبیٹھا تو آپ نے پوچھا کہ مین تم سے ایک بات دریافت کرتا ہون بھلا اگر تمھاری مان سے کوئی شخص زنا کرے تو کیا تمکو ناگوار نہین گذریگا؟ اوسنے عرض کیا کہ کیون نہین؟ ضرور ناگوار گذریگا۔ اِسپر آپ نے فرمایا کہ پھر بھلا دوسرے لوگ اپنی ماؤن کے ساتھ ایسا ہونا کیونکر گوارا سمجھینگے پھر آپنے فرمایا کہ اچھا اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا فعل ہونا پسند ہے؟ اوسنے جواب دیا کہ نہین۔ آپنے فرمایا پھر دوسرے اپنی بیٹیون کے ساتھ کیون پسند کرنے لگے۔ یہان تک کہ آپنے بھن اور پھوپھی اور خالہ سب ہی کا نام لے کر دریافت کیا اور یہی فرمایا کہ پھر دوسرے کیون پسند کرنے لگے۔ آخر یہہ عورت جس سے زنا کیا جائیگا کسی کی مان یا بیٹی یا پھوپھی یا خالہ ضرور ہوگی اور جب تمہین اپنے ان رشتہ دارون مین کسی عزیزہ کے ساتھ کسی کا زنا کرنا پسند نہین تو دوسرے مسلمان بھائیون کو اون کے کسی رشتہ دار سے تمہارا زنا کرنا کیونکر گوارا ہونے لگا ہے۔ اِسکے بعد دستِ مبارک اوسکے سینہ پر رکھا اور دعا کی کہ خداوندا اِس کا قلب پاک بنا دیجئے اور گناہ بخشدیجئے اور اندام نہانی کی حفاظت فرماسیئے۔ اِسکے بعد ہمنے دیکھا کہ زنا سے زیادہ کوئی شئے اوسکو ناپسند نہ تھی۔

ایک مرتبہ مجمع مین حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی گئی کہ حضرت سفیانؒ بن عیینہ نے شاہی تحفہ قبول کرلیا ہے شیخ نے یہ سُنکر مجمع مین تو صرف یہہ کہکر بات کو ٹالدیا کہ نہیں جی سفیانؒ نے اپنا حق لیا ہوگا اور وہ بھی ناتمام مگر خلوت مین سفیانؒ کو پاس بٹھا کر نہایت نرمی سے نصیحت کی اور فرمایا کہ اے ابوعلی ہم تم اگر بزرگ نہین ہین تو بزرگون کے محب اور دوست رہنے والے تو ضرور ہین مطلب یہ کہ ہم لوگ چونکہ اِس زمرہ مین شمار ہوتے ہین اسلئے تم کو ایسی حرکتون سے پرہیز لازم ہے جسکے باعث بزرگون کے نام پر دھبہ آئے۔ **دوم** واعظ کو اوّل اپنی اصلاح

نصیحت کا بہترین طریقہ نرمی اور وعظ کا طرز نصیحت

کرنی چاہیئے کیونکہ نصیحت کا اثر اسیوقت ہوتا ہے جبکہ ناصح خود بھی عامل ہو ورنہ لوگ ہنستے اور مذاق اوڑایا کرتے ہین۔ ہان البتہ یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ نصیحت کرنیکا جواز یا وجوب عامل ہونے پر موقوف نہین ہے۔ اگر کوئی عالم خود عامل نہ بھی ہو تب بھی اوسکو نصیحت اور وعظ کا چھوڑ دینا اور گناہون کو ہوتے ہوے دیکھکر سکوت اختیار کرنا جایز نہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ یہہ بھی ایک شیطانی وسوسہ ہے کہ جب تک خود پورے عامل نہ بنجائین اوس وقت تک دوسرون کو کیا نصیحت کرین اگر ایسا خیال معتبر سمجھا جائے تو وعظ اور نصیحت کا سلسلہ مفقود اور دروازہ مسدود ہو جائیگا یاد رکھو کہ امر بالمعروف واجب و ضروری ہے اور عاصی اور گنہگار شخص کو بھی وعظ کہنا جایز ہے البتہ نصیحت کرنیوالون پر واجب ہے کہ اوسپر خود بھی کاربند ہون۔

دسوین اصل اتباع سُنّت کا بیان

اصل سعادت یہہ ہے کہ تمام حرکات و سکنات مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے اسلیے یاد رکھو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال دو قسم کے ہین۔ یعنی عبادت جیسے نماز روزہ حج جہاد وغیرہ اور یا بمقتضاے عادت و طبیعت مثلاً کھانا پینا سونا اوٹھنا بیٹھنا وغیرہ اور مسلمانون کو دونون قسم کے افعال مین اقتدا کرنا ضروری ہے کیونکہ حق تعالی نے مسلمانون کو جس جگہہ حضرت صلعم کے اتباع کا حکم فرمایا ہے وہان کوئی قید نہین لگائی بلکہ یون ارشاد کیا ہے کہ "پیغمبر جو کچھ بھی تمکو دین اوسکو لیلو۔ اور جس سے منع کرین اوس سے رک جاؤ" شیخ محمد بن اسلم نے تمام عمر صرف اس خیال سے کبھی تربوز نہین کہایا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے تربوز کہانیکا انداز اونکو معلوم نہین ہوا تھا۔ ایک بزرگ نے ایک مرتبہ موزہ سہواً اول بائین پاؤن مین پہنا لیا تھا تو اوسکے کفارہ مین ایک گون گیہون کی خیرات کی جب اطمینان ہوا۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ کامل اتباع اور پوری سعادتمندی یہی ہے کہ عادتون مین بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کیا جائے کیونکہ اس مین بیشمار فائدے ہین اور ذرا سے تساہل مین ایسی نعمت عظمی کا کھو بیٹھنا بے وقوفی ہے۔ اب ہم اس کا سبب اور یہ بات کہ اتباع کامل کیون مفید ہے بیان کرتے ہین۔ سنو تین وجہ ہین۔

اوّل ۔ تمہین معلوم ہے کہ قلب کو اعضاء سے خاص تعلق ہے اور اعضاء کے افعال کا اثر دل

مین ضرور پہونچتا ہے اِس لئے جب تک اعضاء کی حرکات وسکنات حدا عتدال پر نہونگی اوسوقت تک
قلب کبھی صلاحیت اور نور حاصل نہ کریگا کیونکہ انسان کا قلب آئینہ کی مثال ہے اور آئینہ آفتاب
کی روشنی سے اوسیوقت روشن ہوسکتا ہے جب اوسکو صیقل کیا جائے اور اوس کا جرم صاف
شفاف ہوا ور نیز اوس مین کجی بالکل نہو۔ اسیطرح جب خواہشات نفسانی کے ترک کر دینے سے قلب
کی صیقل ہوجائیگی اور ذکر الہی سے اوسمین صفائی پیدا ہوگی اور افعال اعضاء کو اعتدال پر رکھنے
سے اوس مین کجی نہ آنے پاویگی تو اوس وقت اوسمین تجلیات باری تعالی کا اچھی طرح انعکاس
ہوگا۔ اور اعتدال کے یہہ معنی ہین کہ ہر چیز کو اوسکے موقع پر رکھو۔ مثلاً چار جھتون مین سے ایک سمت
یعنی جانب قبلہ کو اللہ تعالی نے عزت مرحمت فرمائی ہے اسلیئے تمام نیک کامون یعنی ذکر الہی تلاوت
قرآن اور وضو وغیرہ مین اوس کی جانب منہ کرنا اور اور مکروہ حرکات مثلاً قضاء حاجت یعنی
بول و براز اور ستر کے کھولتے وقت اِس جانب سے منحرف ہوجانا گویا جانب قبلہ کی عزت کا خیال
رکہنا ہے اور یہی اعتدال ہے یا مثلاً حق تعالی نے دہنی جانب کو بائین پر شرف مرحمت فرمایا ہے
اِسلیئے تم بھی اِس شرف کا ہر وقت خیال رکھو۔ اگر اچھے کام کرنے ہون مثلاً کلام مجید اوٹھانا یا روٹی
کھانی ہو تو داہنا ہاتھ بڑہاؤ۔ اور میلے کام مثلاً استنجا کرنا ناک سنکنا یا بضرورت کسی ناپاک
چیز کو ہاتھ لگانا ہو تو بائین ہاتھ سے کرو۔ کپڑا پہنو تو اول داہنی طرف اور جوتہ پہنو تو اول داہنے
پاؤن مین پہنو مسجد مین جاؤ تو اول داہنا پاؤن رکہو اور جب باہر نکلو تو اول بایان پاؤن نکالو
ہر شے کے مرتبہ کا خیال رکھنا عدل وانصاف کہلاتا ہے اور اِس ظاہری اعتدال سے قلب بھی
معتدل اور مستوی ہو جائیگا۔ اگر یہہ رمز تمھاری سمجھ مین نہین آیا ہے تو تم تجربہ کر دیکھو اور اسکا
تمکو بھی یقین ہوگا کہ جو لوگ سچ بولنے کے خوگر ہوتے ہین اونکے خواب بھی اکثر سچے ہوتے
ہین اور جھوٹ بولنے والون کی خوابین بھی زیادہ تر جھوٹی ہوتی ہین کیونکہ راست گوئی سے
قلب مین اعتدال واستقامت آتی ہے اور دروغگوئی سے کجی پیدا ہوجاتی ہے۔ دیکھو چونکہ
شعرا اکثر جھوٹے اور لغو تخیلات کے عادی ہوجاتے ہین اِسوجہ سے اونکے قلوب مین کجی
پیدا ہوجاتی ہے اِس لئے جہان تک ممکن ہو جھوٹے خیالات کو بھی دل مین جگہ ندو۔ ورنہ دل
کا اعتدال ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

علاوہ اسکے ہمین اتباع سنت کی فضیلت کا علم ہوجاتا ہے ۱۲ منہ

دوسرا رمز یہ ہے کہ دوائین دو قسم کی ہوتی ہین۔ بعض کے تو اثر و تاثیر مین کچھ مناسبت ہے مثلاً شہد گرم ہے اسلئے گرم مزاج والے کو نقصان دیتا ہے اور سرد مزاج والون کو نفع پہونچاتا ہے۔ ایسی دوائین بہت کم ہین کیونکہ اکثر دوائین دوسری قسم مین داخل ہین یعنی ایسی ادویات جنکی تاثیر کسی ظاہری مناسبت سے معلوم نہین ہوتی اس کا نام **خاصیت** ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شے کی خاصیت یا تو الہام سے معلوم ہوتی ہے یا وحی سے یا تجربہ سے مثلاً سقمونیا دست آور ہے اور رگون سے صفرا کو کھینچ لیتا ہے۔ یا مقناطیس کی یہ خاصیت ہے کہ لوہے کو اپنی جانب کھینچتا ہے اسیطرح اعمال و افعال کی تاثیرین بھی دو ہی طرح کی ہین۔ یعنی بعض اعمال اور انکی تاثیرون مین مناسبت ظاہر اور معلوم ہے مثلاً نفس کی خواہشون کا پورا کرنا لذّاتِ دُنیاوی کے پیچھے پڑ جانا مُضر ہے۔ کیونکہ جب مرتے وقت دُنیا سے چلنے لگے گا اور یہہ ایک دن ضرور ہونا ہی ہے تو ان فانی لذتون کو چھوڑتے ہوئے افسوس کریگا اور جبراً قہراً حسرت بھری نظرون سے دیکھتا ہوا رُخصت ہوگا یا مثلاً ذکر الٰہی مفید ہے کیونکہ ذکر کے باعث حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اور معرفت کی بدولت محبت پیدا ہوگی اور دائمی نعمتون مین لذت حاصل ہوگی اس لئے دُنیا سے انتقال کرتے وقت کچھ حسرت نہ ہوگی بلکہ اپنے محبوب سے ملنے کے شوق مین ہنسی خوشی روانہ ہوگا۔ البتہ دوسری قسم کے اعمال کی تاثیر مین کچھ مناسبت معلوم نہین ہوتی اور یہ وہی خاصیت ہے جو وحی اور نورِ نبوت کے علاوہ کسی طریقہ سے معلوم نہین ہوسکتی اور اکثر اعمال شریعت اور اسلامی احکام اسی قسم کے ہین۔ اِسلئے جب تم دیکھو کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے دو مباح کامون مین سے باوجود دونون پر قُدرت ہونیکے ایک کو ترجیح دی ہے مثلاً استنجا داہنے ہاتھ سے بھی کرسکتے تھے مگر پھر بائین ہاتھ کو اس کام مین لگایا اور سیدہے ہاتھ کو علیحدہ رکھا ہے تو یہہ اسکی دلیل ہے کہ آپنے اس کی خاصیت معلوم کرکے ایسا کیا ہے اور ضرور اسمین کوئی نفع ہے۔ بھلا تعجب کی بات ہے کہ محمد بن ذکریا طبیب پتھرون اور دواؤن کی جو خاصیتین بتائے وہ تو بلاچون وچرا اور بے سمجھے صحیح مان لی جائین اور سید البشر محمد بن عبد اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نور نبوت اور وحی ربانی سے اعمال وافعال کی جو خاصیتین بیان فرمائی ہین اون کو نمانا جائے اور خلافِ عقل بنایا جائے

مسلمانو! یقین جانو طبیبِ روحانی جو کچھ بھی کرے گا ضرور اوسمین نفع ہوگا۔ اگرچہ اوس کی مصلحت تمھاری عقل وقیاس مین نہ آسکے۔

تیسرا رمز۔ یہہ ہے کہ انسان حیوانات کی طرح آزادا ور بیکار نہین پیدا کیا گیا۔ اسکو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے۔ اسلئے تمکو مناسب ہے کہ جو کام کرو سُنّت کے موافق کرو تاکہ نفس محکوم اور مطیع بنا رہے اور فرشتہ خصلت بنجاؤ اور یون سمجھو کہ بندگی بیچارگی کا نام ہے۔ اسلئے بندہ کو چاہئے کہ جو حرکت بھی کرے اتباع رسول کی نیت اور اقتدائے پیغمبر کے حکم سے کرے تاکہ آثار عبودیت ہر وقت ظاہر ہوتے رہین اور ہر دم ریاضت اور اطاعت کا اجر ملتا رہے۔ یاد رکھو کہ پابندی وہ چیز ہے کہ اگر فرضاً کوئی شخص اپنا تمام اختیار کسی حیوان لایعقل کے ہاتھ مین دیدے تب بھی یہ شخص اوس سے اچھی حالت مین ہوگا جو سراپا اپنی خواہش پر چلتا ہے اور یہہ فائدہ اخیرہ حکم شرعی کی ہر وضع سے حاصل ہوسکتا ہے خواہ کسیطرح حکم مقرر ہو جاوے کیونکہ اس کا جو مقصود اصلی ہے کہ ایک خاص طرز کی پابندی ہو یہہ ہر طور پر حاصل ہے تو شرائع مختلفہ کے احکام بدل جانے پر بھی یہ فائدہ خاصہ برابر درجہ مین محفوظ ہے بخلاف اوّل ودو دوسرے فائدون کے کہ حکمت اور خاصیت ایک معین چیز ہے اختلاف شرائع سے وہ بدل نہین سکتی تم اگر تینون رمزون پر آگہی حاصل کرلوگے تو تمام حرکات وسکنات مین اتباع سُنّت کی ضرورت تمکو واضح ہوجاویگی۔

حرکات وسکنات مین اتباع سنت کا فائدہ پابندی حکم شرعی کی وجہ

فصل۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اُمور عادیہ مین اتباع سُنّت کی ترغیب کے لئے بیان کیا ہے اور جن اعمال کو عبادت سے تعلّق ہے اور اونپر اجر وثواب بیان کیا گیا ہے اونمین بلا عذر اتباع نہ کرینگی تو سوائے کفر خفی یا حماقت جلی کے اور کوئی وجہ ہی سمجھ مین نہین آتی مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے مین تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس درجہ فضیلت ہے پھر اگر کوئی مسلمان بلا وجہ جماعت ترک کردے تو اس کا سبب یا تو اس کی حماقت ہی کہ اگر کوئی شخص دو پیسہ چھوڑکر ایک پیسہ لے تو اوسکو احمق بتاوین اور خود ستائیس فضیلتین چھوڑکر ایک پر اکتفا کرین تو بے وقوف نہون اور یا نعوذ باللہ یہ خیال ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محض انتظامی مصلحت کی بنا پر ہے تاکہ اِس رغبت سے لوگ ایک جگہ جمع ہو جایا کرین کیونکہ ستائیس کے عدد اور جماعت سے نماز پڑھنے مین بظاہر کوئی مناسبت نہین

عبادات مین اتباع سنت کا وجوب

معلوم ہوتی اگر خدانخواستہ ایسا خیال ہے تو بے شک کفر ہے اور تعجب پر تعجب ہی کہ اس کفر کی اپنے آپ کو بھی اطلاع نہین۔ لوگون کا ایسا حال ہوگیا ہے کہ اگر کوئی طبیب یا رمّال یا نجومی کوئی بات بتائے تو وجہ سمجھ مین آئے یا نہ آئے مگر فوراً تسلیم کر لینگے لیکن نبی کے قول مین مناسبت ٹٹولتے ہین بھلا اگر کوئی نجومی کہے کہ ستائیس دن گذرنے پر تمکو ایک مصیبت کا سامنا ہوگا کیونکہ تمھارے طالع اور زحل مین ستائیس درجہ کا بُعد ہے اور ہر روز ایک درجہ کم ہوگا اس لئے اگر اپنا بھلا چاہو تو باہر نہ چلو پھرو گھر مین بیٹھے رہو۔ یہ سنتے ہی تم بے شک گھر کے پیوند ہو جاؤ گے اور سب کاروبار و مشاغل چھوڑ بیٹھو گے۔ اور اگر کوئی سمجھائے بھی کہ ارے میان ایک درجہ کو اور ایک دن کو کیا مناسبت ہے؟ اور مصیبت اور زحل مین کیا تعلق ہے نیز باہر نہ نکلنے اور مصیبت کے ٹل جانے مین کیا علاقہ ہی؟ یہ سب واہیات باتین اور نجومی پنڈتون کے ڈھکوسلے ہین اس کا خیال ہی مت کرو تو تم اوس کا کہنا کبھی نہ مانوگے اور اوسکو احمق و بے وقوف اور علم نجوم کا منکر سمجھوگے پھر نہایت افسوس کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے اعمال مین تمام مناسبتون کا سمجھنا چاہتے ہو اور اگر نہ سمجھ مین آئین تو منکر و بد اعتقاد بنے جاتے ہو کیا یہ کفر نہین ہے؟ حالانکہ ان عبادات کا مؤثر ہونا تجربہ سے بھی معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی ضروری نہین ہے کہ نبی کی دی ہوئی خبرون کی مناسبتین اور مصلحتین سب ہی کو معلوم ہو جایا کرین بھلا مین تم سے پوچھتا ہون کہ اگر طبیب کوئی دوا بتلائے اور خاصیت نہ بیان کرے یا نجومی کوئی آیندہ واقعہ پر حکم لگائے اور مناسبت نہ بتائے تو کیا اوس کی بات منظور نہ کروگے؟ ضرور منظور کروگے مگر نبی کوئی روحانی علاج فرمائین اور مناسبت اور خاصیت نہ بتلائین تو منظور نہین کرتے۔ اس کا سبب سوائے اسکے اور کیا ہے کہ نجومی اور طبیب چونکہ موجودہ زندگی کے متعلق علاج بتا رہے ہین اسلئے آنے والی مصیبت یا مرض کے فکر مین وجہ اور مناسبت تک پوچھنے کا ہوش نہین رہتا بلکہ دس برس بعد آنیوالی مصیبت کا حالانکہ محض موہوم ہے آج ہی سے فکر و انتظام شروع ہو جاتا ہے۔ اور نبی طبیب روحانی ہین قلبی امراض کا علاج اور دائمی صحت کی تدبیر بتلاتے ہین مگر چونکہ اوس کی تمھین مطلق پروا نہین فکر نہین اندیشہ نہین اسلئے مناسبتین پوچھتے ہو۔ اللہ تعالی ایسی غفلت سے بچائے جسکے باعث عبادات مین بھی اتباع رسول نہو سکے مسلمانون کی یہ شان ہے کہ جس امر مین بھی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو اوسمین

بے چون وچرا اقتدا کرلیا کرین۔ مثلاً رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شنبہ یا پنجشنبہ کے دن پچھنے لگوانے سے برص کا اندیشہ ہے کسی محدث نے اِس حدیث کو ضعیف کہکر قصداً شنبہ کے دن پچھنے لگوائے تھے جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ برص مین مبتلا ہوگئے۔ چند روز بعد ایک شب مین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مرض کی شکایت کرنے لگے تو حضرت نے فرمایا جیسا کیا ویسا بھگتو۔ شنبہ کے دن کیون پچھنے لگوائے تھے؟ اونھون نے عرض کیا کہ حضرت اِس حدیث کا راوی ضعیف تھا آپ نے فرمایا کہ حدیث تو میری ہی نقل کرتا تھا عرض کیا یارسول اللہ خطا ہوئی مین توبہ کرتا ہون رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ غرض صبح کو آنکھ کھلی تو مرض کا نشان بھی نہ پایا اِسیطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عصر کے بعد سو جانے سے عقل کے جاتے رہنے کا خوف ہے۔ اور ایک حدیث مین آیا ہے کہ جس شخص کے ایک جوتہ کا تسمہ ٹوٹ جائے تو جب تک اوسکو درست نہ کرالے اوس وقت تک صرف ایک جوتہ پھنکر ہرگز نہ چلے اور دوسری حدیث مین وارد ہوا ہے کہ زچہ کی اوّل خوراک تر کھجور ہونی چاہئے اور اگر یہ نہو تو خشک چھوارا ہی سہی کیونکہ اگر اس سے بہتر کوئی غذا ہوتی تو حق تعالی عیسی روح اللہ کے پیدا ہوتے ہی بی بی مریم علیہا السلام کو وہی کھلاتے۔ نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جب کوئی تمھارے پاس مٹھائی لائے تو کچھ اوس مین سے ضرور کھا لیا کرو اور خوشبو پاس آئے تو لگا لیا کروؔ۔ غرض اسیطرح جو کچھ بھی طبیب روحانی فرماوین اوسمین سنا سبتین نہ ٹٹولو۔ بے چون وچرا مان لو کیونکہ اُن اُمور مین بےشمار اسرار ورموز مخفی ہین۔ جن کی خاصیتین ہر شخص کی سمجھ مین نہین آسکتین۔

خاتمہ اوراد مذکورہ کی ترتیب

مذکورہ عبادتون مین بعض عبادات تو دوسری عبادت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے جیسے نماز اور روزہ اور تلاوت کلام اللہ تینون ایک وقت مین پائی جاسکتی ہین مثلاً روزہ دار شخص نماز مین قرآن شریف پڑھے تو دیکھو ایک ہی وقت مین تینون نیکیان حاصل ہورہی ہین اور بعض عبادات

؎ یعنی میری طرف منسوب کرنا درجۂ موضوعیت مین نہ تھا اور بیان تھا خاصیت عمل کا نہ کہ حلال وحرام کا پھر عمل کرنا ہی احتیاط کی بات تھی۔ مولانا تھانوی مدظلہ العالی۔

دوسری عبادت کے ساتھ جمع نہین ہوسکتی۔ مثلاً یہہ نہین ہوسکتا کہ ذکر الٰہی بھی ہو اور تلاوت کلام اللہ بھی ہو۔ یا نماز بھی ہو اور مسلمانون کے حقوق کی خبر گیری بھی ہو۔ اسلیئے مناسب ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹون پر ان مختلف عبادتون کو تقسیم کرلو کیونکہ اوقات کا انضباط ہونیسے سہولت بھی ہوجائیگی اور جو عبادت کا مقصود ہے وہ بھی حاصل ہوجائیگا یعنی ذکر الٰہی سے اُنس اور جہان فانی سے بیزاری و نفرت پیدا ہوجائیگی۔ یاد رکھو کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس عالم فانی کے پیدا کرنیسے مقصود یہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ سے محبت کرے تاکہ آخرت کی بھلائی حاصل ہو۔ اور چونکہ محبت بغیر معرفت کے ہو نہین سکتی اسلیئے معرفت الٰہی مقدم اور ضروری ہے اور معرفت حاصل ہونے کا بھی طریقہ ہے کہ ہر وقت حق تعالیٰ کے فکر و ذکر مین مشغول رہو خوب سمجھ لو کہ جس قدر بھی عبادتین ہین سب فکر و ذکر ہی کی غرض سے ہین اور انکو مختلف اقسام کا اسی لیئے بنایا گیا ہے تاکہ ہر وقت ایک طرز کی عبادت مین مشغول رہنے سے دل گھبرا جائے اور نیز اگر ہر وقت ایک ہی عبادت کیجائیگی تو عادی و خوگر ہوجانے کے باعث قلبی اثر بھی جاتا رہے گا۔ البتہ جو لوگ فنا فی اللہ اور مستغرق ہوجایئن اونکو ترتیب و تقسیم کی ضرورت نہین ہے کیونکہ اس مرتبہ مین ایک ہی عبادت رہجاتی ہے اور ہر وقت ذکر مین مشغولی ہی مشغولی ہوتی ہے مگر یہہ بلند درجہ ایسا نہین ہے کہ ہر شخص حاصل کرسکے۔ اسلیئے تمہین اوقات منضبط کرنیکی نہایت ضرورت ہے کہ فلان وقت سے فلان وقت تک فلان عبادت اور اس گھنٹہ سے اوس گھنٹہ تک یہہ عبادت اور دن کو یہہ اور رات کو یہہ البتہ اگر علم دین پڑھتے پڑھاتے ہو یا کسی جگہ کے حاکم ہو اور رعایا کی حفاظت مین مشغول ہو تو دن بھر اس کام مین مشغول رہنا بدنی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ علم دین ہی کی بدولت حکم الٰہی کی تعظیم حاصل ہوتی ہے اور جو نفع اس تعلیم و تعلم یا مخلوق کی حفاظت و سیاست سے لوگون کو پہونچتا ہے وہی اصل دین ہے اسی طرح عیالدار آدمی کو محنت مزدوری کرنا اور حلال معاش سے بال بچون اور متعلقین کا پیٹ بھرنا بھی بدنی عبادت سے افضل ہے۔ مگر ان حالتون مین بھی ذکر الٰہی سے علیحدگی مت اختیار کرو بلکہ جسطرح کسی حسینہ معشوقہ کا عاشق اپنے معشوق کے سوا جس کام مین بھی مشغول ہوتا ہے بحالت مجبوری صرف ہاتھ پاؤن سے مشغول ہوجاتا ہے اور دل ہر وقت معشوقہ ہی مین پڑا رہتا ہے۔ اسیطرح تم بھی جس کام مین مشغول ہوجاؤ بضرورت اوسکو انجام دو مگر دل حق تعالیٰ

ہی کے خیال مین مصروف رکھو۔ حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ سے کسب کرتے اور محنت سے معاش حلال حاصل کیا کرتے تھے اور یون فرمایا کرتے تھے کہ ہمین تین چیزین مرحمت ہوئی ہین یعنی ہاتھ اور زبان اور قلب انمین سے ہاتھ تو کسب معاش کیلئے ہے اور زبان مخلوق کے واسطے تاکہ پڑھائین اور سمجھائین اور باتین کرین اور قلب دُنیا مین کسی کا نہین ہے صرف اللہ جل جلالہٗ کے لئے ہی کہ ہر وقت اُسکے حضور مین حاضر رہے۔"

اعمال ظاہری کا بیان ختم ہوا عمل کرنے والون کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ یہی کافی ہے۔ حق تعالیٰ توفیق مرحمت فرماوے۔ آمین بحرمتہ خاتم النبیین۔

دوسری قسم مین قلب کے مذموم اخلاق سے پاک کرنیکی ضرورت کا بیان اور اونکی تفصیل و طریقہ کا ذکر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسنے اپنا قلب پاک بنالیا وہی فلاح کو پہونچے گا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ طہارت نصف ایمان ہے کیونکہ ایمان کے دو جزو ہین یعنی قلب کا اون بُری ستون سے پاک کرنا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہین اور ان خوبیون سے آراستہ کرنا جو اللہ پاک کو پسند اور محبوب ہین گویا نجاست سے طہارت حاصل کرنا ایمان کا ایک قطعہ ہے اور زیور طاعت سے زینت و آراستگی اُسکا دوسرا ٹکڑا ہے۔ لہذا اوّل وہ بد اخلاق معلوم ہونے چاہئین جنسے قلب کو پاک رکھنا ضروری ہے ان کے بھی اصول درج ہین۔

پہلی اصل کثرت اکل و حرص طعام کا بیان

زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنے کی ہوس بیسیون گناہون کی جڑ ہے۔ کیونکہ اس سے جماع کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور جب شہوت بڑھجاتی ہے تو مال کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ یہہ دونون شہوتین مال کے بغیر پوری نہین ہوسکتین۔ اور پھر طلب جاہ کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ جاہ کے بغیر مال کا حاصل ہونا دشوار ہے اور حب مال و جاہ کی خواہش پیدا ہوگی تو تکبر۔ ریا۔ حسد۔ کینہ۔ عداوت غرض بہت ہی آفتین

جمع ہو جائینگی اور دین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہو جائیگا۔ اسی لئے حدیث مین بھوک کی زیادہ فضیلت آئی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "آدمی کو بھرنیکے لئے پیٹ سے زیادہ کوئی برا برتن نہین ہے۔ انسان کو بس چند لقمے کافی ہین جنسے زندگی قایم اور کمر مضبوط رہے اور اگر زیادہ کھانا ہی ضرور ہے تو پیٹ کے تین حصے کر لینے چاہئین یعنی تھائی کھانیکے لئے اور تھائی پانی کے لئے۔ اور تھائی حصہ سانس لینے کے لئے خالی چھوڑ دینا چاہئے۔" بھوک مین بیشمار نفع ہین چند بڑے فائدون کا ہم ذکر کرتے ہین جنکو اصول سمجھنا چاہئے۔ اور درحقیقت آخرت کی سعادت کا حاصل ہونا انہین پر موقوف ہے

اوّل۔ قلب مین صفائی اور نور بصیرت حاصل ہوتا ہے کیونکہ پیٹ بھر لینے سے بلادت پیدا ہوتی ہے اور قلب کی آنکھین اندھی ہو جاتی ہین اور جب کاوت قلبی جاتی رہی تو معرفت الٰہی ہرگز حاصل نہین ہو سکتی

دوم۔ قلب رقیق بنجاتا ہے اور مناجات مین لذت حاصل ہونے لگتی ہے کیونکہ جب یہ تو برہ خالی ہوگا تو اپنے مالک کے سامنے سوال و التجا اور دعا کرنے مین مزہ آئیگا اور خوف و خشیہ و انکسار پیدا ہوگا جو معرفت کے حاصل ہونے کی کنجیان ہین۔

سوم۔ نفس سرکش ذلیل و خوار اور مغلوب و پست ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب دشمن خدا کو شکست ہوئی اور غفلت کا دروازہ بند ہو گیا تو حق تعالیٰ کی جانب توجہ حاصل ہوگی اور سعادت کا دروازہ کھلجائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا پیش کی گئی تو آپ نے منظور نہین فرمائی اور یون عرض کیا کہ "بار الٰہا مین تو یہ چاہتا ہون کہ ایک دن پیٹ بھرے تاکہ شکر ادا کرون اور ایک دن فاقہ ہو تاکہ بھوک پر صبر کرون"

چہارم۔ آخرت کی مصیبتون اور عذاب کی تکلیفون کا دنیا مین بھی کچھ مزہ چکھنا چاہئے تاکہ اونکی اذیت سے نفس خبردار ہو کر خوف کرے اور یہ ظاہر بات ہے کہ بھوک سے زیادہ انسان اپنے نفس کو کوئی عذاب نہین پہونچا سکتا کیونکہ اسمین کسی قسم کے تکلف اور سامان فراہم کرنے کی حاجت نہین ہے اور جب بھوک کی وجہ سے عذاب الٰہی کا ہر وقت مشاہدہ رہیگا تو حق تعالیٰ کی معصیت کی جانب توجہ بھی نہوگی اور نافرمانی و گناہ کی جراءت ہرگز نہ ہو سکے گی۔

پنجم۔ تمام شہوتین کمزور پڑ جاتی ہین اور کسی خواہش کے پورا ہونے کی آرزو نہین رہتی۔ اور دنیا کی محبت دل سے جاتی رہتی ہے دیکھو حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین کہ جب کبھی

ع؎ مراد وہ مقدار ہے جس سے ضعف جسم اور تشویش خاطر پیدا ہو ورنہ یہ دونون خود مضر ہین ۱۲

مین نے پیٹ بھر کر کھایا ہے توضرور کوئی گناہ کیا ہے یا کم سے کم قصد گناہ تو ہو ہی گیا ہے"۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہین کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلی بدعت جو ایجاد ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا اور شکم سیری ہے پھر جب مسلمانون کے پیٹ بھرنے لگے تو اونکے نفس اونکو دنیا کی جانب کھینچ لیگئے

ششم - زیادہ نیند نہین آتی اور عبادت گران نہین گذرتی - اسلئے کہ پیٹ بھر کر کھانیسے نیند کا ضرور غلبہ ہوتا ہے اور نیند سے عمر بھی کم ہوتی ہے کیونکہ عبادت نہین کرنے دیتی۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رح فرماتے ہین کہ جنھون نے سیر ہوکر کھالیا اونمین چھ خصلتین پیدا ہوگئین یعنی عبادت کی حلاوت جاتی رہی حکمت وفراست اور ذکاوت ولو معرفت کا حاصل ہونا دشوار پڑگیا - مخلوق خدا پر شفقت و ترحم سے محروم رہگیا کیونکہ سبکو اپنا ہی جیسا پیٹ بہرا سمجھنے لگا معدہ بھاری ہوگیا خواہشات نفسانی زیادہ ہوگئین مسلمان مسجدون مین آرہے ہونگے اور یہہ بیت الخلا جا رہا ہوگا - اللہ کے بندے بیت اللہ مین پھرینگے اور یہہ کوڑیون کا چکر لگا رہا ہوگا -

ہفتم - دنیاوی تفکرات کم ہوجائینگے - فکر معاش کا بار ہلکا ہوجائیگا کیونکہ جب بھوک کی عادت ہوگی تو تھوڑی سی دُنیا پر قناعت کریگے کا پیٹ کی خواہش پورا کرنیکو دوسرون سے قرض نہ لیگا بلکہ اپنے ہی نفس سے قرض مانگ لیگا۔ یعنی اوسکو خالی رکھیگا شیخ ابراہیم بن ادہم رح سے جب کہا جاتا تھا کہ فلان چیز گران ہوگئی تو یون فرمایا کرتے تھے کہ ترک کردو اور اوس کی خواہش چھوڑکر ارزان بنالو اُس سے زیادہ سستی کون چیز ہوسکتی ہے کہ خریدی ہی نہ جائے۔

فصل - چونکہ شکم سیری اور زیادہ کہانے کی لوگون کو عادت پڑی ہوئی ہے اس لئے یک لخت چھوٹنی دشوار ہے بتدریج اپنی خوراک مقررہ مین روزانہ ایک لقمہ کم کردیا کرو تو مہینہ بھر مین ایک روٹی کم ہوجاویگی اور کچھ گران بھی نہ گذریگا اور جب اوس کی عادت ہوجاے تو مقدار اور وقت اور جنس کا بھی خیال کرو۔ اس طرح رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ پر پہونچ جاؤگے - یاد رکھو کہ مقدار کے تین درجے ہین۔ اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے یعنی بس اتنا کھانا چاہیئے جس سے کمی کرنے مین زندگی جاتی رہے یا عقل مین فتور آجائے۔ اس سے زیادہ کھانا اس مرتبہ مین گویا پیٹ بھر کر کھانا ہے جو اس درجہ کے خلاف ہی حضرت سہل تستری رح کے نزدیک یہی مختار ہے اونکی رائے یہہ تھی کہ بھوک کے ضعف کے باعث جھککر نماز پڑھنا شکم سیری کی قوت کے باعث کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے بہتر و افضل ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ روزانہ نصف مد یعنی دو تہائی رطل پر اکتفا کرو۔ حضرت عمر فاروق رض اور اکثر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عادت یہی تھی کہ ہفتہ بھر مین ایک صاع جو سے زیادہ نکھاتے تھے۔ اور ادنیٰ درجہ یہہ ہے کہ روزانہ ایک مد کی مقدار خوراک رکھو۔ بس اگر اس سے زیادہ کھاؤ گے تو پیٹ کے بندے سمجھے جاؤ گے اور چونکہ مقدار خوراک کے بارہ مین لوگون کی طبعتین اور حالات مختلف ہوتے ہین اس لئے سب کے لئے ایک مقدار معین نہین ہوسکتی۔ چنانچہ دیکہا جاتا ہے کہ بعض لوگ سیر بھر اناج کھاسکتے ہین اور بعض آدمیون سے پاؤ بھر بھی نہین کہایا جاتا اسلئے قاعدہ کلیہ یاد رکھو کہ جب اشتہاء صادق ہو تو کھانے کی جانب ہاتھ بڑہاؤ اور یہ اشتہا پوری نہونے پائے کہ ہاتھ روک لو اور صادق اشتہاء کی علامت یہ ہے کہ جیسی بھی روٹی ہو حتیٰ کہ بلا ترکاری بھی کھانے کی خواہش ہو کیونکہ جب بلا سالن کے روٹی کھانی گران گذرتی ہے تو معلوم ہوا کہ بھوک کی سچی خواہش نہین ہے بلکہ لذت اور ذائقہ کی جانب اس قسم کا میلان طبعیت ہے جیسا شکم سیر ہونے کے بعد پھل یا میوہ کی خواہش ہوا کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا نام بھوک کی خواہش نہین ہے۔ کھانیکے وقت مین بھی کئی درجے ہین۔ اعلیٰ درجہ تو یہہ ہے کہ کم سے کم تین تین دن بھوکے رہکر چوتھے دن کھاؤ۔ دیکھو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پے درپے چھ چھ دن بھوکے رہتے تھے اور حضرت ابراہیم بن ادہم رح اور حضرت سفیان ثوری رح سات دن بھوکے رہنے کے عادی تھے اور بعض بزرگون کی چالیس ۴۰ دن تک نوبت پہونچی ہے اور خوب یاد رکھو کہ جو شخص چالیس دن بھوکا رہیگا اوسپر ملکوتی عجائبات واسرار مین سے کوئی رمز ضرور منکشف ہوجائیگا۔ اور چونکہ یہ بھی بتدریج ہی ممکن ہے بیکلخت نہایت دشوار ہے اسلئے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالو۔ متوسط درجہ یہ ہے کہ دو دن بھوکے رہو اور تیسرے دن کھایا کرو۔ اور ادنیٰ درجہ یہہ ہے کہ روزانہ صرف ایک دفعہ کھاؤ کیونکہ دونون وقت کھانیسے تو بھوک کی کبھی حاجت ہی نہوگی بس جو شخص دو وقتہ کہانیکا عادی ہے اوسکو تو بھوک کا مزہ ہی معلوم نہین ہوسکتا کہ کیسا ہوتا ہے؟

جنس مین اعلیٰ درجہ گیہون کی روٹی کا ترکاری کے ساتھ کھانا ہے اور ادنیٰ درجہ جَو کی روٹی کو بلا ترکاری کہانا۔ یاد رکھو کہ ترکاری کی عادت اور مداومت بہت بُری ہے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ صاحبزادے کبھی گوشت روٹی کھاؤ اور کبھی روٹی اور گھی

اور کبھی دودھ روٹی اور کبھی سرکہ اور روٹی کبھی زیتون کے ساتھ روٹی کھاؤ اور کبھی نمک کے ساتھ اور کبھی بالکل روکھی روٹی پر قناعت کیا کرو۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا یہہ ارشاد بھی اون لوگون کی تعلیم کے لئے ہے جنکو ترکاری کی ہمیشہ عادت ہے اور جو مسلمان صوفی منش سالک ہین اونکو تو ترکاری کیا یعنی ساری ہی مزہ دار چیزون اور خواہشون کے پورا کرنیسے منع کیا جاتا ہے۔ دیکھو بعض بزرگون نے ایک ایک چیز کی خواہش کو دس دس اور بیس بیس برس روکے رکھا ہے اور پورا نہین ہونے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ "میری اُمت کے بدتر وہ لوگ ہین جنکے اجسام نے عمدہ غذاؤن اور نفیس ولذیذ طعام سے پرورش پائی ہے" ایسے لوگون کی ہمتین بس طرح طرح کے کھانون اور قسم قسم کے لباس ہی کی جانب متوجہ ہین صرف مُنہ پھاڑ پھاڑ کر باتین بنا لیتے ہین اور کام کچھ بھی نہین کرتے ہے۔

دوسری اصل کثرت کلام کی ہوس اور فضول گوئی کا بیان

اِس کا قطع کرنا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ یون تو اعضا کے تمام کامون کا اثر قلب پر پڑتا ہے مگر زبان چونکہ قلب کی سفیر ہے اور جو نقشہ قلب مین کھنچتا اور جس چیز کا تصور جمتا ہے اوس کا اظہار زبان ہی کرتی ہے اسلئے اِس کی تاثیر قلب پر زیادہ نمایان ہوتی ہے۔ یاد رکھو کہ جب زبان جھوٹی ہوجاتی ہے تو دل مین بھی صورت کاذبہ کی تصویر کھنچتی اور کجی آجاتی ہی۔ خصوصاً جبکہ جھوٹ کیساتھ فضول و لغوگوئی بھی شامل ہو تو اوس وقت قلب بالکل ہی سیاہ اور تاریک ہوجاتا ہے یہانتک کہ کثرت کلام سے قلب مرجاتا ہے اور معرفت الٰہی حاصل کرنیکی قابلیت ہی اوسمین نہین رہتی۔ اِسیوجہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ "جو شخص اپنی زبان اور اندامِ نہانی کی حفاظت کا کفیل ہوگیا مین اوسکے لئے جنت کا کفیل ہون" حدیث مین آیا ہے کہ زبان ہی کے کرتوت اکثر لوگون کو اوندھے مُنہ جہنم مین دھکیلینگے اِسلئے اسکی حفاظت بہت ضروری ہے مُسلمان کو چاہئے کہ زبان ہلائے تو نیک بات اور کلمۃ الخیر بولے ورنہ چُپ رہی کیونکہ جب زبان زیادہ چلنے لگتی ہے تو لغوگوئی بڑھ جاتی ہی اور جب لغوگوئی بڑھگئی تو پھر کہان ٹھکانا رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صرف اسی بنا پر اپنے مُنہ مین ایک پتھری رکھ لیتے تھے تاکہ نفس کو تنبہ رہے اور زبان ضرورت سے زیادہ کلام نکرے۔

فصل زبان کے متعلق گناہون سے بچنے کیلئے اس آیت پر عمل کرنا کافی ہے لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن

نَجْوَاهُمْ - یعنی "فضول و بے فائدہ کلام نہ کرو ضروری بات کے اظہار و بیان پر اکتفا کرو اسی مین نجات ہے۔"
حضرت انس رضؓ فرماتے ہین کہ کسی غزوہ مین ایک نوجوان شخص شہید ہوگیا۔ لڑائی سے فراغت کے بعد شہیدون کی لاشون مین بھوک کی وجہ سے ایک پتھر اوس شخص کے پیٹ پر بندھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسکی مان آئی اور بھوک کے جان دینے والے شہید بیٹے کے پاس بیٹھکر منہ سے مٹی پونچھی اور کہا کہ بیٹے تمہین جنت مبارک ہو یہ سنکر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا خبر ہے شاید بے فائدہ کلام کرنیکا عادی ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ فضول گفتگو کی عادت جنت مین جانیسے کسی درجہ مین مانع اور حجاب ہے۔
مسلمان کو وہی بات زبان سے نکالنی چاہئے جس مین ثواب حاصل ہو یا کوئی نقصان رفع ہو۔ اور جس بات کے زبان سے نہ نکالنے مین نہ کوئی ثواب جاتا ہو نہ کچھ نقصان ہوتا ہے تو یہ سب لغو سی عبث و فضول کلام مین داخل ہے جس سے بچنا ضروری ہے دیکھو جتنی دیر فضول گوئی مین مشغول رہتے ہو اگر یہ وقت ذکر الہی مین خرچ ہو تو نیکیون کا کتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے پھر بھلا خزانہ کو چھوڑنا اور پتھر ڈھیلے جمع کرنے کون سی عقلمندی ہے؟ اور اگر فضول گوئی سے بڑھکر دروغ گوئی تک نوبت پہونچی اور زبان سے غیبت اور گالیان اور فحش یعنی ایسی باتین نکلنے لگین جن مین دین کا ضرر اور نقصان ہے تب تو ایسی مثال ہوگی کہ بھرپور خزانہ چھوڑکر آگ کے الاؤ مین جا گھسے اللہ پناہ مین رکھے اس حالت سے۔
خوب یاد رکھو کہ تمام قصے۔ کہانیان۔ سفرنامے ممالک مختلفہ کی تواریخ اور باشندون کے لباس خوراک و طرز معاشرت و تمدن کے تذکرے اور تجارتون حرفتون صنعتون کے واقعات و حالات سب اوسی فضول و عبث مین داخل ہین جنمین مشغول ہونا مسلمان کے مقصود اور آیت مذکورہ کی منشا کے بالکل خلاف ہے

فصل زبان کے متعلق بیس آفتین ہین اور چونکہ ہر ایک کی جدا جدا تشریح کا یہ موقعہ نہین ہے اسلئے مختصر طور پر یہان صرف اون پانچ گناہون کا بیان کئے دیتے ہین جن مین لوگ کثرت سے مبتلا ہین اور جن سے زبان نجاستون کی گویا عادی و خوگر ہوگئی ہے۔ **پہلی** آفت جھوٹ بولنا ہے حدیث مین آیا ہے کہ "آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہان تک کہ اس کا عادی ہوجاتا ہے اور خدا کے یہان جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے" حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "جھوٹ بولنا مسلمان کی شان ہرگز نہین ایمان اور جھوٹ ایک جگہ جمع نہین ہوسکتے" یاد رکھو کہ جھوٹ بولنے سے قلب مین کجی آجاتی ہے اور خواب بھی سچے نظر نہین آسکتے۔ اس لئے مذاق مین بھی دوسرون کے ہنسانیکو ہرگز

ہنسی مذاق کا جھوٹ

جھوٹ نہ بولو اور ہمیشہ جھوٹے خیالات اور خطرات سے بھی قلب کو بچائے رکھو ورنہ قلب میں کجی پیدا ہوجائیگی اور تجربہ اِس کا شاہد ہے کہ ایسے آدمیوں کو خواب بھی سچّی نظر نہیں آتی۔ ایک مرتبہ کسی عورت نے اپنے صغیرسن بچّے کو بلایا اور یوں کہا کہ یہاں آؤ ہم تمہیں ایک چیز دینگے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اوس عورت سے دریافت فرمایا کہ اگر تمہارے بلانے سے بچّہ آجائے تو کیا چیز دینے کا خیال ہے؟ عورت نے عرض کیا کہ چھوارہ دیدونگی آپ نے فرمایا اگر کچھ دینے کا ارادہ نہوتا اور یوں ہی صرف بہلانیکے لئے یہ لفظ زبان سے نکلتا تو یہہ بھی جھوٹ شمار ہوتا۔ البتہ ضرورت کے موقع پر جھوٹ بولنا جائز بھی ہے بشرطیکہ سچ بولنے سے کسی ایسے گناہ یا نقصان کا اندیشہ ہو جو جھوٹ کے گناہ و نقصان سے زیادہ ہے مثلاً دو مسلمانوں میں صلح کرادینے یا جہاد میں دشمن کو دہوکہ دینے[ف] یا بی بی کو رضامند اور خوش کرنیکے لئے جھوٹ بولدینے کی حدیث میں اجازت آئی ہے اوسکی وجہ یہہ ہے کہ مسلمانوں میں عداوت اور رنج رہنے سے جو نتیجہ بد پیدا ہوگا وہ جھوٹ کے نقصان سے بڑھا ہوا ہوگا اِسیطرح جنگ کے اسرار کا اخفا نہایت ضروری ہے اگر دشمن کو اطلاع ہووے تو ہزاروں پاک جانیں تلف ہوجائینگی اس لئے اصل بات کا ظاہر نکرنا اور جھوٹی بات بنا دینا انسب و اولی ہوا۔ اسیطرح خاوند کے بعض اسرار بی بی سے مخفی رہنے کے قابل ہیں۔ پس اگر راستگوئی کے باعث کوئی خیال و سِرّ ظاہر ہوا تو زوجین کی نااتفاقی سے جو بُرا اثر پیدا ہوگا اوس میں جھوٹ بولنے کی بہ نسبت زیادہ گناہ ہے۔ پس ایسی صورت میں جھوٹ بولنے کی اجازت ایسی ہی جیسے عقلمند انسان دو بلاؤں میں مبتلا ہوتا ہے تو آسان اور ہلکی مصیبت کو ترجیح دیکر اختیار کرلیتا ہے اِس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شخص کو بھوک کا مرجانے کا اندیشہ ہو تو اوسکے لئے مُردار بھی حلال ہے اسیطرح اپنا یا اپنے مسلمان بھائی کا مال ظالم کے ہاتھ سے بچانیکو یا کسیکی خفیہ رکھے ہوئی امانت کو محفوظ رکھنے کیلئے دوسروں کے سامنے انکار کردینا اور جھوٹ بولدینا جائز ہے اور اپنی معصیت و گناہ کا انکار کردینا بھی اسیوجہ سے جائز ہے کہ فسق و فجور کا اعلان حرام ہے۔ یا اپنی بی بی سے

سوکن

یہ کہدینا کہ میری دوسری بی بی یعنی تمہاری سوکن مجھے تم سے زیادہ پیاری نہیں ہے۔ یہ سب باتیں صرف اِس بنا پر جائز ہیں کہ اِس جھوٹ سے ایک نقصان رفع اور ضرر دفع کیا گیا ہے البتہ

[ف] اِس سے بدعہدی مراد نہیں کہ وہ تو حرام ہے بلکہ دہوکہ یہ ہے کہ حالت عدم صلح میں ایسی کارروائی کی کہ غنیم تو کچھ اور سمجھا اور اپنے فکر ہوگیا اور اسنے اپنا کام نکال لیا ۱۲ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ

مال بڑہانے یا عزت وجاہ حاصل کرنیکی غرض سے جھوٹ بولنا ہرگز حلال نہین ہوسکتا کیونکہ اگر مال وجاہ نہ بڑھے تو کوئی نقصان نہین ہوتا زیادہ سے زیادہ یہہ ہے کہ سچ سے نفع اور فائدہ حاصل نہین ہوتا اور منفعت کا حاصل نہ ہونا نقصان نہین کہلاتا ہے اس باریکی کو لوگ سمجھتے نہین اور اکثر اس غرض کیلیے جھوٹ بولا کرتے ہین حالانکہ یہ سراسر قطعی ہے اور درحقیقت اونکے دین کی تباہی کا یہی سامان ہے کیونکہ ضرورت اور بلے ضرورت مین تمیز نہین کرتے سخت افسوس کی بات ہے جاہلون نے خیالی اور فرضی ضرورتون کو بھی ضرورت سمجھ لیا ہے حالانکہ شرعی اور واقعی ضرورت جس کا نام ہے وہ ہم اوپر بیان کر چکے کہ جبتک حالتِ اضطرار اور کسی بڑے نقصان کا غالب گمان نہ ہو اوس وقت تک جیسے مردار کا کھانا حلال نہین ہے ایسے ہی جھوٹ بولنا جو شرعًا حرام ہے وہ بھی جائز نہین ہوسکتا اور اس شدید ضرورت کے موقع پر بھی حتی الامکان تعریض وتوریہ ہی کرنا چاہیے تاکہ نفس کو جھوٹ بولنے کی عادت نہ ہوجائے شیخ ابراہیم رحمہ اللہ گہر کے اندر کسی ضروری کام مین مشغول ہوتے اور کوئی باہر بلاتا تھا تو خادمہ سے کہتے تھے کہ یون کہدے کہ "مسجد مین ڈہونڈو" اور حضرت شعبیؒ اونگلی سے ایک دائرہ کھینچکر خادمہ سے فرماتے تھے کہ اس گھیرے کے اندر اونگلی رکھکر کہدے کہ "یہان نہین ہین" اس تعریض سے اپنا مقصد بھی حاصل ہوجاتا تھا اور درحقیقت جھوٹ بھی نہ ہوتا تھا البتہ صورت جھوٹ کیسی تھی اور یہی تعریض وتوریہ کہلاتا ہے۔ اس قسم کی تعریضین معمولی غرض کیلیے بھی جائز ہین جبکہ کسی کا حق ضائع نہو۔ جیسے ایک بوڑھیا عورت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مزاح کے طور پر یون فرمادیا تھا کہ "بوڑھیا ہرگز جنت مین نہ جائیگی" یہ کلمہ سنکر بوڑھیا رونے لگی کیونکہ جو مطلب ظاہر تھا وہ یہی تھا کہ بوڑھیا عورت کو جنت مین جانے سے مایوسی ہے۔ حالانکہ مطلب یہ تھا کہ بوڑھاپے کی حالت سے جنت مین نہ جائیگی بلکہ جوان بنکر داخل ہوگی۔ یا مثلاً ایک شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لئے اونٹ کا سوال کیا تو آپنے فرمایا کہ اچھا ٹہیرو ہم تمہین اونٹ کا بچہ دینگے یہ سنکر سائل نے عرض کیا کہ بچہ سے میرا کام نہ چلے گا۔ اوس وقت آپنے تعریض کا مطلب سمجھادیا اور یون فرمایا کہ "بھائی بڑا اونٹ بھی تو کسی سے پیدا ہی ہوا ہے جس سے پیدا ہوا ہے اوس کا وہ بھی تو بچہ ہی ہے"۔ یا مثلاً ایک شخص سے آپنے فرمایا کہ "تمہاری آنکھ مین سفیدی ہے" حالانکہ درحقیقت سبکی آنکھون مین سفیدی ہوتی ہے مگر چونکہ بظاہر یہ مطلب سمجھ مین آتا ہے کہ پتلی مین عیب ومرض پیدا ہوگیا اسلئے سننے والے کو فکر اور تشویش ہوگئی اور اچھا خاصہ مزاح ہوگیا۔

اس قسم کی تعریضین بی بی بچّون کے خوش کرنے کو مزاحاً کہدینی جایز ہین۔ مثلاً کوئی شخص کھانا کھانے کی صلاح کرے اور تمہین کھانا منظور نہو تو یہ ہرگز نہ کھو کہ مجھے بھوک نہین ہے کیونکہ جھوٹ ہوگا بلکہ تعریض کرلو مثلاً یون کہدو کہ مین اس وقت نہ کہاؤن گا آپ نوش فرمائیے" وغیر ذالک۔

دوسری آفت غیبت کرنا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے" کیا تم مین کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اور غیبت کرنا متوفی مسلمان کا گوشت ہی کھانا ہے پس اس سے پرہیز کرو" حدیث مین آیا ہی کہ غیبت زنا سے بھی سخت اور بدتر ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ شب معراج مین میرا گذر ایسی جماعت پر ہوا کہ جو اپنے مُنہ اپنے ناخنون سے نوچ رہے تھے۔ یہ لوگ غیبت کیا کرتے تھے کسی مسلمان کے پیٹھ پیچھے کوئی ایسی بات کہنی کہ اگر وہ سُنے تو اوسکو ناگوار گذرے غیبت کہلاتی ہی۔ اگرچہ بات واقعی ہو مثلاً کسیکو بیوقوف یا کم عقل کہنا یا کسیکے حسب و نسب مین نقص بیان کرنا یا کسی شخص کی کسی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس غرض جس شے سے بھی اوسکو تعلق ہو اوس مین کسی ایسی بات کا ظاہر کرنا جسکا سُننا اوسے ناگوار گذرے خواہ زبان سے ظاہر کیجائے یا رمز و کنایہ سے یا ہاتھ آنکھ کے اشارہ سے یا نقل اوتاری جائے یا تعریض کیجائے یہ سب غیبت مین داخل ہے۔ دیکھیے حضرت عائیشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقعہ پر ایک عورت کا ٹھنگنا ہونا ہاتھ کے اشارہ سے ظاہر کیا اور یون کہا تھا کہ یا رسول اللہ وہ عورت جو اتنی سی ہے" یعنی پستہ قد ہی اسپر آپ نے فرمایا کہ تم نے اس اشارہ سے اوسکی غیبت کی ہے۔ اور سب مین بدتر وہ غیبت ہی جس کا رواج مُقتدا اور دیندار پیشوا لوگون مین ہورہا ہے کیونکہ وہ لوگ غیبتین کرتے ہین اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہین۔ اِن کی غیبتین نرالے انداز کی ہوتی ہین مثلاً مجمع مین کہنے لگے کہ" اللہ کا شکر ہے اوسنے ہمکو امیرون کے دروازون پر جانیسے بچا رکھا ہے۔ ایسی بیحیائی سے خدا پناہ مین رکھے"۔ ایسے کلمہ سے جو کچھ اِن لوگون کا مقصود ہوتا ہی وہ ظاہر ہے کہ اُمراء کے پاس خاص خاص جانیوالے لوگون کی غیبت اور اونکو بے حیا کہنا منظور ہے اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت و تقویٰ کا بھی اظہار اور ریاکاری کا بھی گناہ ہی۔ اسیطرح مثلاً کہنے لگے کہ" فلان شخص کی اچھی حالت ہی اگر اوس مین شائبہ حرص دُنیا کا نہوتا جس مین ہم سب مبتلا ہوجاتے ہین"۔ اس فقرے سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تامل مین سمجھ مین آسکتا ہے کیونکہ اس شخص کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہین اور پھر اپنی طرف بھی عیب کی نسبت کرتے ہین کہ سُننے والا آپکو متواضع سمجھے۔ اور یہی

غیبت ہے اور ساتھ ہی ریا بھی۔ زیادہ تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ یہہ حضرات غیبت کرتے ہین اور پھر
اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہین۔ یا مثلاً بول اوٹھے سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے"
اتنے کہنے پر لوگون نے وہ تعجب کی بات سُننے کے شوق مین اونکی جانب کان لگائے تو کہنے لگے "کچھ نہین
فلان شخص کا خیال آگیا تھا۔ حق تعالی ہمارے اور اوسکے حال پر رحم فرماوے اور توبہ کی توفیق دے"
اس فقرے کا بھی جو کچھ منشا ہے وہ عقلمند آدمی پر مخفی نہین ہے کیونکہ اون کا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دعا
کی نیت سے نہین ہوتا جیسا کہ ظاہری الفاظ سے وہم پڑتا ہے اسلئے کہ اگر دُعا کرنی مقصود ہوتی تو
دل مین کیون نہ کرلیتے۔ زبان سے تعجب کے طور پر سبحان اللہ کہکر لوگون کو اپنی جانب متوجہ کرنا اور معصیت
کا اشارہ ظاہر کرنا ہی کیا ضرور تھا؟ بھلا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی
بات ہے؟ اسیطرح بعض لوگون کا یہہ حال ہے کہ غیبت سے منع کرتے اور نصیحت کرتے ہین کہ بھائی غیبت
نہ کیا کرو۔ مگر دل و انکا غیبت کو مکروہ نہین سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنیسے محض اپنی دینداری اور تقوی
کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ایسے ہی کسی مجمع مین غیبت ہوتی ہے تو لوگون کا حال دیکہا گیا ہے کہ ناصح
اور پارسا بنکر کہنے لگتے ہین کہ "بھائی غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم سُننے والے بھی گنہگار ہوتے ہین"
یہ لوگ کہنے کو تو کہہ جاتے ہین مگر دل مین یہی شوق ہوتا ہے کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے
جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور بات پوری کردے تاکہ ہم باقیماندہ قصہ سن لین۔ بھلا کوئی اُن سے پوچھے
کہ غیبت سننے کا انتظار بھی ہے اور پھر سمجھتے ہو کہ ہم اس ممانعت کے باعث گناہ سے سبکدوش ہوگئے؟
خوب یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سُننے کو دل سے برا نہ سمجھوگے اوس وقت تک غیبت کے
گناہ سے ہرگز نہ بچوگے کیونکہ غیبت کرنے والا اور سُننے والا دونون برابر ہین اور جس طرح زبان سے
غیبت کرنا حرام ہے اسیطرح دل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ چند صورتون مین خاص لوگونکی
غیبت کردینا جایز ہے جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہین **اول** مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسر
اعلی تک پہونچادے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اوس کے مظالم حاکم کے سامنے
بیان کردے تو گناہ نہین ہے البتہ ظالم شخص کے عیوب اور مظالم کا ایسے لوگون سے بیان کرنا جنہین
اوسکو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہین ہو وہ بدستور غیبت مین داخل ہے
اور حرام ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس مین حجاج بن یوسف کا ذکر آگیا تھا تو بزرگ نے یون فرمایا کہ

حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلومون کا بدلہ حجاج سے لینگے اور حجاج کا بدلہ غیبت کرنیوالون سے لینگے۔
اسلئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیون کے سامنے بیان کرتے ہین جنکو حجاج کے کئے ہوئے
ظلم کے رفع کرنیکی طاقت نہین ہی تو ان لوگون کے سامنے حجاج کی غیبت کسطرح جایز ہوسکتی ہے ؟۔
دوم۔ کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف شرع امر کے رفع کرنے مین مدد لینی ہو یا کسیکو اوسکے فتنہ سے
بچانا ہو تو اوس سے بھی اُن بدعتی لوگون کا تذکرہ کرنا جو درحقیقت غیبت ہی مین داخل ہے جائز ہے۔
سوم۔ مفتی سے فتویٰ لینے کیلئے استفتا مین امر واقعی کا اظہار بھی جایز ہے اگرچہ کسیکی غیبت ہوتی ہو
دیکھو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا
خاوند ابو سفیان بخیل آدمی ہے بقدر کفایت مجکو خرچ نہین دیتا اور ظاہر ہے کہ یہہ ابو سفیان کی
شکایت اور غیبت ہی مگر چونکہ مفتی شریعت سے استفتا کیا جارہا ہے یعنی یہہ پوچھنا مقصود ہے کہ ایسی
صورت مین میرے لئے شریعت کا کیا حکم ہے ؟ اسلئے اس غیبت مین کچھ حرج نہین ہے مگر یہہ یاد رکھنا
چاہیئے کہ اس صورت مین بھی غیبت اُسیوقت جایز ہے جبکہ اوسمین کوئی فائدہ ہو۔
چہارم۔ اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا کوئی خرید و فروخت کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اور تم جانتے ہو کہ
اس معاملہ مین اسکو نقصان پہونچے گا تو اس مسلمان کو نقصان سے بچانیکے لئے اوس کا حال بیان
کردینا بھی جایز ہے۔ اسیطرح قاضی کی عدالت مین کسی گواہ کی حالت اسغرض سے ظاہر کردینی کہ صاحب حق
کو اس مقدمہ مین میرے خاموش رہنے سے نقصان پہونچے گا جایز ہے البتہ صرف اوس شخص سے ذکر کرنا
جائز ہے جسکے نقصان کا اندیشہ ہو یا جسپر فیصلہ اور حکم کا دار و مدار ہو۔
پنجم۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے نام سے مشہور ہے جسمین عیب کا اظہار ہوتا ہے جیسے اعمش (چُندھا) اعرج
(لنگڑا) تو اس نام سے اوس کا پتہ بتلانا غیبت نہین ہے۔ پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلاکر سمجھا دو تو بہتر
ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہو۔
ششم۔ اگر کسی شخص مین کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اوس کا یہہ عیب ظاہر کرتے
ہین تو اوسے ناگوار بھی نہین گذرتا مثلاً مخنث یا ہیجڑے کی حالت بیان کیجاے تو اونکو اس کا خیال
بھی نہو تو انکی اس حالت کا ذکر کرنا بھی غیبت سے خارج ہے البتہ اگر ناگوار گذرے تو حرام و معصیت
ہے کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اوسکو ناگوار گذرے بلاعذر جایز نہین ہے۔

فصل) نفس کو غیبت سے روکنے کا علاج یہہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان مین غور کرنا چاہئے حدیث مین آیا ہے کہ آگ جو اثر گھاس مین کرتی ہے غیبت اوس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیون مین کرتی ہے یعنی غیبت کرنیسے نیک اعمال حبط اور ضائع ہو جاتے ہین۔ اب ذرا سوچو اور غور کرو کہ جب ایک نیکو کار شخص قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال کو رے دیکھے گا اور معلوم کریگا کہ غیبت کے باعث میری نیکیان اوس شخص کے نامۂ اعمال مین لکھی گئین جسکی غیبت کیا کرتا تھا تو تمہین بتاؤ کہ کس قدر حسرت و افسوس کریگا؟ مسلمان کو سوچنے کیلئے اپنے ہی نفس کے عیوب بہتیرے ہین اسلئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اوسکے رفع کرنے مین مصروف ہو جاؤ دوسرون کے عیوب دیکھنے اور سوچنے کا موقعہ ہی نہ آنے دو اور یون سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تمکو نقصان پہونچائیگا دوسرے کا بڑا عیب بھی تمکو اسقدر نقصان نہین پہونچا سکتا اور اگر تمہین اپنا عیب نظر نہ آئے تو اس عیب کے برابر کوئی عیب نہین ہے کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہین ہو سکتا پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھا تو بڑا سخت عیب ہے اسلئے اول اس کا علاج کرو اور اسکے بعد جو عیب نظر آتے جائین اُن کی تدبیر کرنے مین مصروف ہو جاؤ۔ اور اگر اتفاقاً اسپر بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ سے توبہ کرو اور بہت جلد اوس شخص کے پاس جاکر غیبت کی خطا معاف کراؤ اور اگر اوس سے نہ مل سکو تو اوسکے لئے دعائین مانگو صدقات دو اور اوسکی روح کو ایصال ثواب کرو۔ غرض چونکہ تمنے غیبت کرکے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اسلئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی تلافی کرو۔

تیسری آفت۔ لایعنی جھگڑا کرنا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "جو مسلمان باوجود حق پر ہونیکے جھگڑے سے دست بردار ہوگیا تو اوسکے لئے اعلیٰ جنت مین محل طیار ہوگا" درحقیقت حق پر ہو کر خاموش ہو بیٹھنا بہت دشوار ہے اور اسی لئے حق پر ہو کر نہ جھگڑنا اور علیحدہ ہو جانا کمال ایمان شمار کیا گیا ہے۔ خوب سمجھ لو دوسرے کے کلام پر اعتراض کرنے اور اوسکے لفظ یا معنی مین غلطی اور نقص نکالنے کا نام جھگڑا ہے اور یہہ اکثر دو وجہ سے ہوتا ہے یعنی یا تو تکبر اور اپنی بڑائی مقصود ہوتی ہے مثلاً گستاخی و تیز زبانی کا اظہار کرنا ہوتا ہے اور یا دوسرے شخص کو چپ کر دینے اور عاجز بنا دینے کا شوق ہوتا ہے اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ جو بات واقعی

اور حق سُنے اوسکو تسلیم کرلے اور جو خلاف واقع یا غلط سُنے تو اوسپر سکوت اختیار کرے البتہ اگر ظاہر کرنے مین کوئی دینی فائدہ ہو تو اوس وقت سکوت جائز نہین ہے مگر پھر بھی اِس کا ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ جو کچھ بیان کیا جائے نہایت نرمی اور سہولت سے بیان کیا جائے تکبر اور سختی کے ساتھ نہ کہے۔

چوتھی آفت۔ مذاق و دل لگی کرنا اور زیادہ ہنسنا ہنسانا ہے اِس سے قلب مُردہ ہو جاتا ہے اور رُعب و وقار جاتا رہتا ہے لوگون کی نظرون سے گر جاتا ہے اور اکثر کینہ و عداوت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ نورِ معرفت مین تاریکی آجاتی ہے اور تحت الثریٰ مین پھینک دیا جاتا ہے البتہ تھوڑے مزاح مین کچھ مضائقہ نہین ہے خصوصاً بی بی بچون کا دل خوش کرنیکو ہو تو سُنت ہے کیونکہ ایسا مزاح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے مگر وہ مزاح درحقیقت واقعی بات کا اظہار ہوتا تھا جھوٹ نہ تھا مثلاً ایک بڑھیا سے آپ نے فرمایا کہ "جنت مین بوڑھی عورت کوئی نہ جائیگی" اِس کا مطلب یہ تھا کہ جنت مین جو عورت بھی جائیگی وہ جوان ہو کر جائیگی۔ یا مثلاً حضرت صہیب لڑکے تھے اور لال پال رکھا تھا اتفاق سے لال مرگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہو جی ابو عمیر تُمھارا لال کیا ہوا" اِسیطرح ایک دفعہ حضرت صہیب چھوارا کھا رہے تھے اور ایک آنکھ دُکھتی تھی تو آپ نے فرمایا کیون صاحب آنکھ تو دُکھتی ہے اور چھوارا کھا رہے ہو اُنھون نے مزاحاً جواب دیا کہ دوسری طرف سے کھا رہا ہون یعنی جسطرف کی آنکھ دُکھتی ہے اُس جانب سے نہین کھاتا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ محض دلجوئی اور مفاکہت کے طور پر دوڑے ہین غرض ایسے مزاح مین کچھ حرج نہین البتہ اُس کی عادت ڈالنی ٹھیک نہین ہے۔

پانچوین آفت تعریف و مدح کرنا ہے۔ تمنے دیکھا ہوگا اکثر واعظون اور دُنیادار مسلمانون کی عادت ہے کہ باحشمت و متموّل لوگون کی تعریفین کرتے مدحیہ قصیدے سُناتے اور نذرانہ کے طور پر پیش کرتے ہین حالانکہ اسمین چار خرابیان ثناخوان کے حق مین ہین اور دو بُرائیان ممدوح کے حق مین ہین مدح خوان کی خرابیان تو یہ ہین۔

اوّل۔ اکثر ایسی باتین بیان کیجاتی ہین جو واقع کے خلاف ہوتی ہین اور ایسے اوصاف بیان کئے جاتے ہین جن کا ممدوح مین نشان بھی نہین ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ صریح جھوٹ اور کبیرہ گناہ ہے

دوم - خود محبت کا اظہار کرتے ہین حالانکہ دلمین خاک بھی محبت نہین ہوتی اسیکا نام ریا اور نفاق ہے اور یہہ بھی گناہ کبیرہ وحرام ہے۔

سوم - اُنکے ہنر جتلائے جاتے ہین اور جو بات یقینی طور پر معلوم نہین محض تخمین وگمان کی بنا پر اُنکو واقعی ظاہر کیا جاتا ہی مثلاً یہ کہ آپ بڑے متقی ہین نہایت منصف ہین حالانکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ کسیکو مدح ہی کرنی ہو تو یون کہا کرے کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ ایسے ہین ظنی باتون کو واقعی بتانا جائز نہین ہے۔

چہارم - اکثر ظالم اور فاسق کی مدح کیجاتی ہی اور وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے تو فاسق کو خوش کرنیوالا مداح بھی عاصی ونافرمان ہوا۔ حدیث مین آیا ہی کہ فاسق کی تعریف سے حق تعالی کا عرش کانپ اُٹھتا ہے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین کہ فاسق کی بقاء عمر کا دُعاگو بھی فاسق ہی کیونکہ وہ چاہتا ہی کہ فسق وفجور قایم وباقی رہے ظالم وفاسق کی تو مذمت کرنی چاہیئے تاکہ گھبراکر ظلم ومعصیت چھوڑ دے نہ کہ تعریف ۔ ممدوح کو جو نقصان پہونچتا ہے وہ دو ہین۔

اوّل یہ کہ ممدوح مغرور ہو جاتا ہی اور اپنے نفس کو قابل مدح اور لایق تعریف سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہی ہلاکت وتباہی کی جڑ ہے۔ حدیث مین آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع مین اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمنے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی" مطلب یہ ہے کہ خود پسندی وتکبر پیدا کرکے ہلاک کر دیا۔

دوم - اپنی تعریف سنکر خوش ہوتا اور اعمال خیر مین سست پڑ جاتا ہی۔ حدیث مین آیا ہے کہ "مسلمان بھائی کو کند چھری سے ذبح کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اوسکے منہ پر اوس کی تعریف کیجائے" کیونکہ قتل سے تو صرف دنیا ہی کی زندگی تلف ہوگی اور ان برے نتیجون سے جنکا ہم نے ذکر کیا ہے آخرت کی عزیز حیات برباد ہوجائیگی البتہ اگر ان مضرتون کا اندیشہ نہو تو تعریف مین کچھ حرج بھی نہین ہے بلکہ بعض وقت مستحب اور باعث اجر ہے دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر صحابہ کی خود مدح فرمائی ہے مثلاً آپ فرماتے ہین کہ "تمام دُنیا کے ایمان کو ابوبکرؓ کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکرؓ ہی کا ایمان وزنی رہیگا" نیز فرماتے ہین کہ "اے عمرؓ اگر مین نبی بناکر نہ بھیجا جاتا تو ضرور تم نبی بنائے جاتے" گویا نبوت ورسالت کی قابلیت واستعداد کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے اظہار فرمایا

پس چونکہ صحابہ مین غرور و نخوت اور خود پسندی و کوتاہی عمل کا اندیشہ نہ تھا اسلئے نشاط پیدا کرنیکے لئے یہ مدح مستحب تھی۔

فصل۔ اگر کسی شخص کی مدح کیجائے تو اوسکو چاہئے کہ اپنے اعمال و خطرات و وساوس کا دہیان کرے اور سمجھے کہ خدا جانے میرا انجام کس حالت پر ہونا ہے اگر واقعی یہ خوبیاں جو یہ شخص بیان کر رہا ہے اگر مجھ مین موجود بھی ہین تو ابھی اُن کا کیا اعتبار ہے؟ نیز اپنی باطنی بیماریون اور عیوب پر نظر کرے اور خیال کرے کہ یہ پوشیدہ عیب ایسے ہین کہ اگر اس مدّاح کو معلوم ہو جائین تو کبھی میری مدح نکرے غرض مسلمان کو چاہئے کہ اپنی تعریف سنکر خوش نہو بلکہ اس مدح کو دل سے مکروہ سمجھے۔ اسی کی جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہین کہ مدّاح کے مُنہ مین مٹی بھر دو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جب مدح ہوتی تھی تو دُعا مانگتے تھے کہ بارالٰہا میرے جو گناہ انہین معلوم نہین ہین وہ بخشدے اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہین اوس کا مجھ سے مواخذہ نہ کیجیو مجھے انکے گمانون سے بہتر بنا دیجئے مین جیسا ہون آپ ہی خوب جانتے ہین یہ نہین جانتے۔

تیسری اصل غُصّہ کا بیان

غصّہ آگ کا شعلہ ہے اس کا زور توڑنا بھی ضروری بات ہے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ کسی کے پچھاڑ دینے سے پہلوان نہین ہوتا بلکہ پہلوان اور بہادر وہ ہے جو غصّہ کے وقت اپنے نفس کو پچھاڑ دے"۔ یاد رکھو کہ جسطرح تلخ ایلوے سے میٹھا شہد بگڑ جاتا ہے اِسیطرح غصّہ سے ایمان مین فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ غصّہ بہت بُری بلا ہے۔ یہی مار پیٹ گالی اور زبان درازی کے کھلے گناہ کرا دیتا ہے اور اسی سے کینہ۔ حسد۔ بدگمانی اور افشاء راز و ہتک عزت کے مصمم قصد کی باطنی معصیتون کا ارتکاب ہوا کرتا ہے غصّہ کی وجہ سے مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کا خوش ہونا ناگوار گذرتا ہے اور رنجیدہ یا تکلیف مین رہنا پسند آتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام معصیتین تباہ کرنیوالی ہین۔

(فصل) اِس کا علاج دو طرح سے کرنا چاہئے۔ **اوّل** تو ریاضت و مجاہدہ سے اِسکو توڑنا چاہئے مگر توڑنے سے یہ مقصود نہین ہے کہ غُصّہ کا مادّہ ہی باقی نہ رہے کیونکہ ایسا تو مناسب بھی نہین ہے اِسلئے کہ اگر مادّہ ہی جاتا رہیگا تو کُفّار سے جہاد و مقابلہ کیونکر ہوگا اور فساق و فجار اور مبتدعین کی خلاف شرع باتون پر ناگواری کسطرح ہوگی؟ ناجائز اور نازیبا حرکتون پر تو غصّہ آنا ضروری بات

اور شرع کا مقصود ہی اسلئے یاد رکھو کہ غصہ کے توڑنے اور ریاضت کرنیسے یہ مطلب ہے کہ اوسکو مہذب اور عقل و شرع کا تابعدار بنا لیا جائے اور ایسا کر دیا جائے جیسا شکاری کتا ہوتا ہے کہ جب اوس کا مالک اوسکو بھگاتا ہی تو وہ بھاگتا ہی حملہ کراتا ہے تو حملہ کرتا ہے ورنہ خاموش بیٹھا رہتا ہے پس یہی حالت غصہ کی ہونی چاہیئے کہ اگر شریعت حکم دے اور غصہ کو بھڑکائے تو فوراً بھڑک اوٹھے اور اپنا کام کرے ورنہ چپ ہی اور بے حس و حرکت پڑا رہے اور غصہ کو ایسا مہذب بنانے کا طریقہ یہہ ہے کہ نفس کو روکا کرو۔ حلم و برداشت کی عادت ڈالو اور جب کوئی غصہ پیدا کرنیوالا واقعہ پیش آئے اور غصہ بھڑکے تو نفس پر جبر کیا کرو۔ بس یہی وہ ریاضت ہی جس سے غصہ مطیع و فرمانبردار بنجائیگا۔

دوم۔ غصہ کے جوش کے وقت ضبط سے کام لو اور اوسکو پی جاؤ اور اس کا ایک علاج علمی ہے اور ایک عملی۔ علمی علاج تو یہہ ہے کہ غصہ کے وقت سوچو کہ غصہ کیون آتا ہی؟ ظاہر ہے کہ اسکا سبب حکم خداوندی مین دخل اندازہونا ہے کیونکہ غصہ کرنے والیکا مطلب یہ ہے کہ یہ کام میری مرضی کے موافق کیون نہوا اور یہ بڑی حماقت ہی۔ کیا حق تعالی کے ارادہ کو اپنے ارادہ اور منشاء کا تابع بنانا چاہتے ہو؟ یاد رکھو کہ خدا کے حکم کے بغیر ذرہ نہین ہل سکتا پھر تم اوسمین دخل دینے والے اور اوسکو ناگوار سمجھنے والے کون؟ دوسرے اس بات کا خیال کیا کرو کہ میرا اس شخص پر کیا حق ہے اور خدا کا مجھپر کیا حق ہے اور پھر خدا کا تمھارے ساتھ کیا معاملہ ہے اور تم اس شخص کیساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتے ہو؟ ظاہر ہے کہ تم اس شخص کے جسپر غصہ کر رہے ہو مالک نہین ہو خالق نہین ہو رزق تم اسکو نہین دیتے حیات تمھاری دی ہوئی نہین ہی اور تم ہر طرح سے خدا کے محکوم مملوک اور احسان مند ہو پھر تمہارا حقیقی مالک تمھاری بیسیون خطائین اور نافرمانیان دیکھتا ہی اور باوجود اس احسان اور استحقاق کے سکو برداشت کرجاتا ہی اگر ایک قصور پر بھی سزا دے تو کہین تمھارا ٹھکانا نہ ملے اور تمھارا کسی پر کچھ استحقاق نہین ہی پھر کسی ایک حرکت پر کا ہے کو غصہ کرتے ہو اور کیون نہین برداشت کرجاتے کیا تمھاری اطاعت و رضامندی خدا کی عبادت کے حکم سے بھی زیادہ ضروری ہے؟

عملی علاج یہ ہی کہ جب غصہ آئے تو اعوذ پڑھو کیونکہ غصہ شیطانی حرکت ہی اسلئے شیطان کے شر سے پناہ مانگنی چاہئے پھر حالت بدل دو یعنی کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہو تو وضو کر لو اور اپنا رخسارہ زمین پر رکھدو غرض تکبر توڑنیکے لئے بزرگ عضو کو پست جگہ

پر رکھکر ذلت کا اظہار کرو کیونکہ حدیث مین آتا ہی کہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے غصہ کا گھونٹ ہی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جس مسلمان کو اپنے بی بی بال بچون یا ایسے لوگون پر غصہ آئے جنپر اپنا غصہ جاری بھی کرسکتا ہی یعنی سزا بھی دے سکتا ہی مگر پہر ضبط کرجاے اور تحمل سے کام لے تو حق تعالی اوس کا قلب امن و ایمان سے لبریز فرما دیگا" خوب یاد رکھو کہ تحمل و برداشت کی بدولت مسلمان شب بیدار روزہ دار عابد و زاہد کا مرتبہ پالیتا ہے۔

چوتھی اصل حسد کا بیان

حسد کے معنی ہین کسی شخص کو نعمت و فارغ البالی یا علیش و آرام مین دیکھکر جلنا اور اوس نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرنا۔ حسد کرنا حرام ہے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ "میرے کسی بندے پر نعمت دیکھکر حسد کرنیوالا گویا میری اوس تقسیم سے ناراض ہی جو مین نے اپنے بندون مین فرمائی ہی" رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "حسد نیکیونکو اسطرح جلا دیتا ہے جسطرح آگ سوکھی لکڑیون کو جلا دیتی ہی" البتہ ایسے شخص پر حسد کرنا جائز ہے جو اللہ کی دی ہوئی نعمت کو ظلم یا معصیت مین خرچ کررہا ہے مثلاً مالدار و متمول ہے اور شرابخواری و زناکاری مین اُڑا رہا ہے تو ایسے شخص سے مال کی نعمت کے زائل ہوجانیکی خواہش کرنا گناہ نہین ہے کیونکہ یہان درحقیقت مال کی نعمت چھن جانیکی تمنا نہین ہے بلکہ اس فحش و معصیت کے بند ہوجانے کی آرزو ہی اور اسکی علامت یہ ہے کہ اگر مثلاً وہ متمول شخص اوس معصیت کو چھوڑدے تو ایسی نعمت کے جاتے رہنے کی خواہش بھی دلمین باقی نرہے۔ یاد رکھو کہ عموماً حسد کا باعث یا تو نخوت و غرور ہوتا ہے اور یا عداوت و خباثت نفس کہ بلاوجہ خدا کی نعمت مین بھی بخل ہے اور چاہتا ہی کہ جسطرح مین کسیکو کچھ نہین دیتا اسیطرح حق تعالی بھی دوسرے کو کچھ ندے۔ البتہ دوسرے کو نعمت مین دیکھکر حرص کرنا اور یہہ چاہنا کہ اس پر بھی نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی ہی حاصل ہوجاے غبطہ کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے کیونکہ غبطہ مین کسیکی نعمت کا ازالہ مقصود نہین ہوتا بلکہ اوس جیسی نعمت کی اپنے آپ کو بھی حاصل ہوجانے کی تمنا و خواہش ہے اور اسمین کچھ مضائقہ نہین۔

فصل حسد قلبی مرض ہے اس کا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی ہے۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ حاسد کو جاننا چاہئے کہ اس کا حسد اسیکو نقصان پہونچا رہا ہے محسود کا کچھ بھی ضرر نہین بلکہ اُس کا تو او نفع ہے اور

اِس حاسد کا دینی ضرر بھی ہے اور دُنیاوی نقصان بھی ہے۔ **دینی ضرر** تو یہ ہے کہ کیے ہوئے نیک اعمال حبط ہوئے جاتے ہین۔ نیکیان چلی جاتی ہین اور حق تعالیٰ کے غصّہ کا نشانہ بنا ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے وسیع خزانہ کی بیشمار نعمتون مین بخل کرتا اور دوسرے پر انعام ہونا چاہتا ہی نہین۔

اور دُنیاوی ضرر یہہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج والم مین مبتلا اور ہروقت حزن وغم مین گرفتار رہتا ہی۔ پس جس دشمن پر حسد کیا تھا وہ تو اور خوش ہوگا کہ مجھے رنج پہونچانا چاہتے تھے اور خود رنج مین ہر لحظہ گرفتار ہوگئے پس حسد کرنیسے اوسکی تو مُراد پوری ہوگئی اور حسد کرنیوالا خائب وخاسر رہا تمہین سوچو کہ تمہارے حسد کرنیسے محسود کا کیا نقصان ہوا ظاہر ہے کہ اوس کی نعمت مین کمی نہین آئی بلکہ اُنتا اور نفع ہوا کہ تمھاری نیکیان اوسکے نامۂ اعمال مین درج ہوگئین۔ حاسد چاہتا یہہ تھا کہ محسود دُنیا مین تنگدست رہے حالانکہ حسد کی بدولت حاسد نے دین کی نعمت بھی اوسکو دیدی اور خود عذابِ آخرت بھی سر رکھا اور دُنیاوی رنج والم بھی خریدا۔ یہ تو ایسی صورت ہوگئی کہ دشمن کے ڈھیلا مارنا چاہا تھا اور وہ اپنے ہی آلگا کہ جس سے اپنی آنکھ بھی پھوٹ گئی اور طرّہ یہ کہ دشمن یعنی شیطان کو بھی ہنسنے کا موقع مل گیا۔ خاصکر کسی عالم یا متقی پر حسد کرنا تو بہت ہی بُری بات ہی۔

حسد کا عملی علاج یہ ہے کہ حسد تو یہ چاہتا ہے کہ تم محسود کی بُرائیان بیان کرو اور رنج وغم کے گھونٹ پیو مگر تم نفس پر جبر کرو اور قصداً حسد کے تقاضا کی مخالفت کرکے اوسکی ضد پر عمل کرو یعنی محسود کی تعریفین بیان کیا کرو اور اوسکے سامنے تواضع اور اوس نعمت پر خوشی ومسرّت کا اظہار کرو جو اُسپر رحمت ہوئی ہے اگر ایسا کروگے تو دیکھ لوگے کہ محسود تمھارا دوست بنجائیگا۔ اور جب عداوت جاتی رہیگی تو حسد بھی نہ رہے گا اور اس رنج وغم سے نجات مل جائیگی جو حسد کی بدولت پیدا ہورہا تھا۔

(فصل) شاید تمھارا یہ خیال ہو کہ دوست ودشمن مین فرق ہونا تو طبعی امر ہے کچھ انسان کی اختیاری بات نہین ہی کہ جسطرح اپنے کسی دوست کو آرام وعیش مین دیکھکر خوشی ہوتی ہے اسیطرح دشمن کو بھی راحت مین دیکھکر مسرت ہوا کرے اور جب اختیاری نہین ہے تو انسان اس کا مُکلّف بھی نہین ہوسکتا اسلئے مین کہتا ہون کہ بے شک یہ خیال ٹھیک ہی مگر حسد کے گناہ سے بچنے کے لئے دو باتون کا خیال رکھو ایک تو یہ کہ اپنی زبان اور اعضا اور افعال اختیاریہ مین حسد کا اثر مطلق ظاہر ہونے دو بلکہ نفس پر جبر کرکے ضد پر عمل کرو جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہین اور دوسرے یہ کہ نفس مین جو حسد کا

مادّہ موجود ہے اور یہہ اللہ کی نعمتون کو بندون پر دیکھنی پسند نہین کرتا اسکو دل سے مکروہ سمجھو اور یہ
خیال کرو کہ یہ نفسانی خواہش دین کو برباد کرنے والی ہے پھر اسپر بھی اگر طبعی امر باقی رہے یعنی دل
بے اختیار چاہے کہ دوست خوشحال رہین اور دشمن پامال ہون تو اس کا کچھ خیال نہ کرو کیونکہ جب اِسکے
ازالہ پر تمکو قدرت نہین ہے تو اسپر گناہ بھی نہوگا مگر کراہیت قلبی ضروری بات ہے اور کراہیت کی علامت
یہ ہے کہ اگر مثلاً محسود کی نعمت کے زائل کرنے پر تمکو قدرت ہوجائے تو گو اپنی طبیعت سے تم ازالۂ نعمت
ہی چاہتے ہو مگر پیش قدمی نہ کرو یا مثلاً محسود کی نعمت کے بقا یا زیادتی مین مدد دے سکتے ہو تو باوجود
کراہت کے پھر بھی مدد کردو اگر ایسی حالت پیدا ہوجائے تو سمجھو کہ جہان تک اختیار اور قابو ہے وہان
تک ہمنے خدا کے حکم پر عمل کرلیا اور سبکدوش ہوگئے ایسی صورت مین طبعی بات جو کہ اختیاری فعل
نہین ہے وہ موجود تو ہے مگر چونکہ اختیاری افعال نے اوسکو چھپالیا اور اُسکی کوئی حرکت ظاہر نہین ہونے
دی اسلئے کالعدم ہے اور یہہ بھی یاد رکھو کہ جنکی نظر عالم دُنیا سے اوٹھ جاتی ہے وہ تو سمجھ جاتے ہین کہ دُنیا
خود ناپائیدار ہے اسکی تمام نعمتین فنا ہونیوالی ہین اگر اپنے دشمن کو فراخی یا وسعت و آرام ہے تو کتنے
دن کے لئے؟ اگر اعمال کے اعتبار سے مرنیکے بعد دوزخ مین جانیوالا ہے تو اس کم نصیب بدبخت کو
اِس چند روزہ تنعم و آسائش سے کیا نفع ہے؟ اور اگر جنتی ہے تو جنت کی نعمتون کو اِس فانی نعمت
سے کیا مناسبت ہے پس حسد کرنا یا دشمن کو دُنیاوی خوشی مین دیکھکر جلنا محض بے سود اور عبث و
بیکار ہوا۔ ساری مخلوق خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور سارے آدمی اپنے معشوق و محبوب خدا کے بندے ہین
اور محبوب کی نعمتون کے اثر بندون پر ظاہر ہی ہونے چاہئین اسلئے جب انسان پر بھی قادر مطلق اور
رزاقِ برحق کی عطا کے اثر ظاہر ہون خوش ہونے کی بات ہے نہ کہ رنجیدہ ہونے اور حسد کرنے کی۔

پانچوین اصل بخل اور محبت مال کا بیان

بخل بڑا مُہلک مرض اور بُری بَلا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمت مین بخل
کرتے ہین وہ اسکو اپنے حق مین بہتر نہ سمجھین یہ اونکے لئے نہایت بُرا ہے کیونکہ اوس مال کا جسمین بخل
کیا تھا طوق بناکر اونکے گلے مین ڈال دیا جائیگا" اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام فرماتے ہین کہ
"اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ اِسنے پہلی اُمتون کو ہلاک کردیا" پس مسلمان کی شان نہین ہے کہ بخل
کرے اور جہنم مین جائے اور چونکہ بخل مال کی محبت سے ہے اور مال کی محبت قلب کو دُنیا کی طرف متوجہ کردیتی

ہے پس اللہ کی محبت کا علاقہ ضعیف وکمزور ہوجاتا ہے اور بخیل شخص مرتے وقت حسرت بھری نظرون
سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً قہراً آخرت کا سفر شروع کرتا ہے اسلئے اسکو خالق
جل جلالہ کی لقا محبوب نہین ہوتی اور حدیث مین آیا ہے کہ "جو شخص مرتے وقت اللہ تعالی کی لقا کو پسند
نہ کرے وہ جہنمی ہے" جس شخص کے پاس مال نہو وہ بخیل تو نہین ہے مگر یہہ ہوسکتا ہے کہ مال کی محبت ہے
یعنی یہ آرزو کرتا ہو کہ مالدار ہوجائے ایسے ہی بعض مالدار شخص سخاوت کرتے ہین مگر چونکہ اپنی شہرت اور
سخی کہلایا جانا انکو مقصود ہوتا ہے اسلئے حب مال انپر بھی صادق آتا ہے اگرچہ بخیل نہین کہے جاسکتے پس
بخل کے علاج کے ساتھ حب مال کا بھی علاج ہونا ضرور چاہیئے - یاد رکھو کہ مال کی محبت خدا کے ذکر سے
غافل بنا دیتی ہے - یہ مال مسلمان کیلئے بڑا فتنہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "جب
انسان مرتا ہے تو فرشتے پوچھتے ہین کہ کیا چھوڑ مرا ہے ؟ اگر مال زندگی مین خرچ کرکے کچھ ذخیرہ آخرت
جمع کرلیا ہے تو مرتے وقت خوش ہوتا ہے کیونکہ بھیجا ہوا مال وصول کرنیکا وقت آگیا ورنہ رنجیدہ
ہوتا ہے اور اسپر موت نہایت گران گذرتی ہے - روپیہ کا بندہ تباہ ہو نگون سار ہو اسکے کانٹا چبھے
تو کوئی نکالنے والا نہ ملے" بھلا جسکو رسول خدا ایسی بددعا دین اوس کا کہان ٹھکانا ؟

(فصل) مال مطلقاً مذموم نہین ہے اور کیسے مذموم ہوسکتا ہے حالانکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے ساری
مخلوق جسم کے گھوڑے پر سوار سفر آخرت طے کر رہی ہے اور سواری کو اس مسافرخانہ دنیا مین گھاس دانے
کی ضرورت ہے اور یہ مال کے بغیر مل نہین سکتا غرض جب تک پیٹ نہ بھرے اوسوقت تک عبادت کا
ہونا دشوار ہے اسلئے ضرورت رفع کرنے اور قوت وحیات قایم رکھنے کی مقدار کے موافق تو مال ضروری
ہے البتہ اس سے زیادہ مال ومتاع ہلاکت کا سامان ہے کیونکہ مسافر بقدر ضرورت ہی توشہ ساتھہ رکھتا ہے
اور جہان بوجھہ زیادہ ہوا تو سفر کرنا بھی مشکل پڑجاتا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا
کہ "اے عائشہؓ مجھسے ملنا چاہو تو اتنی ہی دنیا پر قناعت کرو جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے - جبتک
پیوند نہ لگ جایا کرے اوسوقت تک کورتہ نہ اوتارا کرو - الہی محمدؐ کے بال بچون کی معاش بقدر
کفایت ہی رکھیو زیادہ نہ دیجیو ورنہ ہلاک ہوجائینگے" یاد رکھو کہ ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا
تین وجہ سے مضر ہے -

اول - مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت حاصل ہوجاتی ہے اور باوجود قدرت کے بھی صبر کرنا

اور محفوظ رہنا بہت دشوار ہے۔ اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہوگا تو فضولخرچی کہان سے ہوگی؟
دوم۔ اگر متمول شخص عابد زاہد بھی ہوگا اور صرف مباح لذتون کے حاصل کرنے مین پیسہ خرچ کریگا تب بھی اتنا ضرور نقصان ہوگا کہ اسکے جسم نے لذیذ نعمتون سے پرورش پائی ہی پس لذتون کا خوگر ہوگیا ہی اور مال کو چونکہ بقا نہین ہے اِسلئے اپنی عادت کے نباہنے کو مخلوق کا محتاج رہے گا اور ظالم و فاسق لوگون کی التجا کرنی پڑیگی تاکہ جن لذتون کا خوگر ہوگیا ہے وہ مرتے دم تک حاصل ہوتی رہین اور پھر نفاق و جھوٹ و ریا اور عداوت و بغض و حسد سب ہی کچھ پیدا ہوگا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "دُنیا کی محبت تمام گناہون کی جڑ ہے"۔ اور جب ضرورت سے زیادہ پیسہ ہی پاس نہوگا تو مباح لذتین بھی مُنہ کو نہ لگینگی۔
تیسری وجہ یہہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوجائیگا کیونکہ کاشتکارون کارکنان تجارت اور ماتحت ملازمون کی نگرانی اور شریکیون سے حساب کتاب مین اور مالی ترقی کے اسباب جمع کرنیکی تدابیر مین ایسی مشغولیت ہوگی کہ اصل سعادت یعنی ذکر الٰہی کا وقت ہی اوسکو نہ مل سکیگا۔ اول روپیہ کی تحصیل اور وصولیابی پھر اوسکی حفاظت و نگہبانی اور پھر اوس کا نکالنا اور کسی کام مین لگانا یہ سب قلب سیاہ کرنے والے دھندے ہین جنسے نورِ بصیرت جاتا رہتا ہی اور اگر ضرورت سے زیادہ مال ہی نہو تو یہ تفکرات و مخمصات بھی پیش نہ آئین۔
(فصل) اَب یہہ معلوم کرنا چاہئے کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور بقدر کفایت کس قدر مال کو کہتے ہین؟ کیونکہ یون تو ہر شخص کتنا ہی مالدار ہوجائے یہان تک کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ملجائے تب بھی یہی سمجھتا ہے کہ میری ضرورتون کو کافی نہین ہے۔ اِسلئے جاننا چاہئے کہ فرضی ضرورتون کا اعتبار نہین ہے اور واقعی ضرورت انسان کو پیٹ بھرنے اور بدن ڈھکنے کی ہی پس اگر زینت و تجمل کا خیال نہو تو سال بھر مین جاڑے گرمی کیلئے دو دو[1] دینار کافی ہین جنمین موٹے کپڑے جو گرمی سردی رفع کرسکین بآسانی طیار ہوسکتے ہین اور کھانے مین ہمیشہ سیر ہوکر کھانے اور چاٹ اوڑانے کو ترک کردیا جائے تو ایک مُد روزانہ کے حساب سے سال بھر مین پانچسو مُد اناج اور تخمیناً تین دینار کبھی کبھی بقدر حاجت دال ترکاری کیلئے ارزان موسم مین کافی ہین اَب حساب لگالو کہ کئے نفر کا نفقہ تمھارے ذمہ ہی؟ پس محنت مزدوری سے اِسی مقدار کے موافق اپنا اور اپنے بال بچون کا نفقہ روزانہ حاصل کرلیا کرو اور خرچ کرڈالو

[1] ایک دینار تخمیناً عہ کا ہوتا ہے دو دینار تقریباً صہ کے ہوئے ۱۲

باقی تمام وقت اللہ کی یاد مین خرچ کرو اس سے زیادہ کماؤ اور جمع کروگے تو دُنیا دار و مالدار سمجھے جاؤگے
اور اگر کوئی زمین جائداد جسکی سالانہ آمدنی مذکورہ مقدار کے موافق ہو جاے اِس نیت سے خرید لو کہ روزانہ کسب و
محنت مزدوری سے سبکدوش ہوکر اطمینان کے ساتھ اللہ اللہ کر سکوگے تو آجکل اسمین بھی کچھہ مضائقہ نہین
معلوم ہوتا کیونکہ جائداد کا خریدنا اور زمین و مٹی مین روپیہ لگانا اوسوقت ناجائز ہے جبکہ دُنیا کی جانب
توجہ ہو اور دنیا داری و عزت مین ترقی یا زمیندار بننے کی خواہش و آرزو ہو اور مذکورہ صورت
مین تو دین ہی کا حاصل کرنا مقصود ہے اِسلیئے اوس ممانعت سے خارج ہی جو رسول مقبول صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمائی ہے البتہ بعض لوگ مذکورہ قدر کفایت پر قناعت نہ کر سکینگے اِسلیئے اونکے لیئے اِس سے
دوچند کی بھی اجازت ہی کیونکہ دین مین تنگی نہین ہے البتہ اِس زیادتی مین نیت یہی ہونی چاہیئے
کہ چونکہ تخفیف مین مشقت و مصیبت پیش آتی ہی اور عبادت الٰہی مین فراغت و اطمینان نصیب نہین
ہوتا اِسلیئے دل مطمئن کرنے اور یادِ الٰہی مین مشغول رہنے کی نیت سے زاید خرچ کرنیکی ضرورت ہے۔
تلذذ و تنعم کی غرض سے نہین ہی اور اسکے علاوہ جو کوئی جمع کرکے رکھے وہ دُنیا دار ہے اور اُسکو
مال کی محبت ہی جو اوس کا دین برباد کرنے والی ہے۔ یاد رکھو کہ مال جمع کرنے والون کی غرض یا تو تنعم
و تلذذ کی ہوا کرتی ہے یا آیندہ صدقات و خیرات کرنیکی اور یا دُور اندیشی اور اِس امر کا خوف ہوتا ہے
کہ کوئی وقت افلاس کا آجائے یا محنت مزدوری یا فاقہ کشی کی نوبت آئے تو یہ پسماندہ کام آجائے
اسلیئے مال جمع کیا جاتا ہے حالانکہ یہہ تینون نیتین درست نہین ہین۔
تلذذ و تنعم تو خدا سے غفلت پیدا کرتا ہی اور صدقہ و خیرات کی نیت سے مال جمع کرنے کی بہ نسبت یہی
بہتر ہے کہ مال ہی پاس نہو آیندہ کے خیال سے مال جمع کرنا جسکا نام دُور اندیشی ہی سو تو کوئی چیز ہی نہین کیونکہ
اگر تقدیر مین فاقہ کشی و مصیبت ہی لکھی ہے تو اِس مال کی بدولت کیا ٹلی جاتی ہے؟ اور نیز جسطرح آفت
ناگہانی کے آتے سے امن نہین ہی اسیطرح حق تعالیٰ کے ایسی جگہہ سے رزق پہونچانیکی طرف سے بھی تو مایوسی
نہین ہے جہان کہ گمان بھی نہ جائے اور بھلا اِس بدگمانی کا کیا موقع ہی اپنے آقا کے ساتھ غلامون
کو نیک گمان رکھنی چاہئین نہ کہ بد اور نیز تمام عمر مالدار یا تندرست رہنا اور کسی مصیبت و آفت یا رنج
و پریشانی کا نہ پہونچنا اور فراخدستی و عیش و آرام کی زندگی کو بہتر خیال کرلینا بھی تو اچھا نہین ہے مصیبتون
اور پریشانیون کی بدولت بندون کو بڑے بڑے درجے ملتے ہین قلب کو صیقل ہو جاتی ہی گناہ معاف

ہوجاتے ہین اور وہ وہ فائدے حاصل ہوتے ہین جنکا حاصل ہونا سخت دشوار ہے اسیوجہ سے سب سے زیادہ
رنج وصدمے انبیا علیہم السلام کو پہونچے اور اُن سے کم مصیبتین اُن سے کم رتبہ اولیا کو پہونچین علیٰ ہذا درجہ
بدرجہ جسکو جقدر قرب ہوا اُسکے موافق مصیبت وفکر مین مبتلا رہا ع جنکے رتبے ہین سوا انکو سوا مشکل ہے
یاد رکھو کہ حق تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے اوس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہین ہے وہ اپنے بندون کی
مصلحتون سے خوب واقف ہے تمکو جس حال مین بھی رکھیگا تمہارے ہی بھلے کو رکھیگا اور وہی تمکو
دیگا جسمین تمہاری بھلائی ہوگی پھر قبل از مرگ واویلا کرنے سے کیا فائدہ اور آیندہ دنیاوی زندگی یعنی
بڑھاپے یا ضعیفی کے زمانہ کی فکر سے کیا نتیجہ؟ بس تم تو آخرت کی فکر کرو جسکے لئے دنیا مین بھیجے گئے ہو۔ اور
دنیا کی پروا بھی نہ کرو کہ کس قدر ملتی ہے اور کیونکر گذرتی ہے۔

(**فصل**) جو کچھ حساب قدر کفایت کا ہم نے بیان کیا ہے وہ تخمینی ہے لوگون کی طبیعتون مختلف حالتون
اور موسم کی ارزانی وگرانی کے اعتبار سے اسمین کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ مال کو دوا کی
مثل سمجھنا چاہئے کہ بقدر ضرورت مفید و نافع ہے اور کچھ زیادتی مرض بڑھا دیتی ہے اور زیادہ کثرت
جان ہی مار دیتی ہے پس جہان تک ہوسکے اخراجات ومصارف مین کمی کرنی چاہئے کیونکہ اگر تکلیف بھی
ہے تو بس چند روزہ زندگی کی تکلیف ومشقت ہے یہ تو جسطرح ہوگی گذر جائیگی۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ
کھانے کی لذت بھوک ہی مین معلوم ہوتی ہے پس جتنے یہان بھوکے رہوگے اُسیقدر جنت کی دائمی
نعمتون مین مزہ حاصل ہوگا۔

(**فصل**) بخل کی حد بھی معلوم ہونی چاہئے کیونکہ اکثر آدمی اپنی ہی حالت مین شک کرتے ہین اور
نہین سمجھ سکتے کہ بخیل ہین یا سخی؟ اسلئے جاننا چاہئے کہ جہان مال خرچ کرنا شرعًا واجب ہے یا مروۃ تقاضا
کرے وہان مال کا خرچ نہ کرنا دونون بخل مین داخل ہین۔ اگر کوئی شخص بی بی بچون کو وہ نفقہ برابر
دیئے جاتا ہے جو قاضی نے مقرر اور اوسپر واجب کردیا ہے مگر اس سے زیادہ ایک لقمہ دینا اسکو گوارا نہین
تو چونکہ خلاف مروت ہے گو خلاف شرع نہین اسلئے بخل مین شمار ہے یا مثلاً دوکاندار سے کوئی شے
خریدی اور ذرا سے نقص وعیب کے باعث واپس کردی تو اگرچہ شرعًا جائز ہے مگر بخل ضرور کہلائیگا
یہ شبہہ نہ کرنا کہ جب یہ خلاف مروت صورتین بخل مین داخل ہین تو پھر شریعت نے اجازت کیون
دی؟ یاد رکھو کہ شریعت کا منشاء ایسے احکام مین جھگڑون کا کاٹنا اور بقدر طاقت بخیلون پر ٹھوکر لگا

زور ڈالے اپنے مین سیاست دُنیاوی کا قایم رکھنا ہی مگر اسکے ساتھ ہی مروّت کا برتاؤ امداد اتفاقیہ پیش آ جانیوالے واقعات کا تدارک بھی ضروری ہی حدیث مین آیا ہی کہ جس مال کے ذریعہ سے آدمی اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہی مین محسوب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی مالدار شخص کو اندیشہ ہے کہ یہ شاعر میری ہجو کریگا اور اگر مین اسکو کچھ دیدون تو آبرو بچی رہیگی اور پھر نہ دے تو بخیل سمجھا جائیگا کیونکہ مال بذاتہ مقصود اور محبوب نہین ہے چنانچہ دیکھلو کوئی اوسکو چباتا یا نگلتا نہین ہی ہان البتہ چونکہ اس سے نفع حاصل ہوتا ہے اسلئے پسند اور مرغوب ہے تو جہان خرچ کرنے مین فائدہ ہو وہان خرچ نہ کرنا حماقت ہی پس جو شخص باوجود ضرورت کے مال خرچ نہ کرے تو سمجھ لو کہ اس شخص کو خاص مال کی محبت ہی فائدہ سے کہ جو مال کا مقصود ہے اِسکو کچھ بحث نہین ہی اور کبھی مال کی محبت یہان تک بڑھ جاتی ہے کہ انسان کو اپنا فائدہ اور نقصان نظر ہی نہین آتا یہ حالت بہت خطرناک اور جہل مرکب ہے ایسی صورت مین عقل و شرع کا پابند ہونا چاہئے اور جہان یہ دونون خرچ کرنیکا حکم کرین بے دریغ خرچ کرنا چاہئے۔ اور سخاوت کی تو کوئی حد ہی معین نہین بس اتنا سمجھ لو کہ حد بخل سے نکلکر جتنا بھی خرچ کیا جائے سب سخاوت مین داخل ہی۔

(فصل) بخل کا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ بخل کے نقصان معلوم کرو کہ آخرت کی تباہی اور دُنیا کی بُرائی دونون اِس سے پیدا ہوتی ہین۔ خوب سمجھ لو کہ مال بخیل کے ساتھ جانیوالا نہین ہی کیونکہ سب قبر کے گڑھے تک کا دہندا ہے دُنیا مین انسان کو مال اِس غرض سے دیا گیا ہی کہ اپنی ضرورتون مین صرف کرے پھر اگر تم حیوان بنکر نفسانی خواہشون کے پورا کرنے مین اِسکو خرچ کر دوگے تو بڑی ضروری نعمت یعنی آخرت کی لذتون سے محروم رہو گے اور اگر دُنیا مین اولاد کیلئے چھوڑ مرو گے تو گویا اولاد کو تو آرام دیجاؤ گے مگر خود خالی ہاتھ چلے جاؤ گے اس سے زیادہ حماقت کیا ہو سکتی ہے؟ بھلا غور تو کرو اگر تمھارے پسماندہ بچے صالح و نیکوکار اوٹھینگے تو کیا خدا اونکی ضرورتون کا کفیل نہوگا؟ پھر تمھارے جمع کرنیسے کیا نفع؟ اور اگر خدانخواستہ بدکار ہوئے تو ظاہر ہے کہ یہ تمھارا جمع کیا ہوا مال حق تعالیٰ کی معصیت مین خرچ ہوگا اور تمپر وبال پڑیگا۔ دوسرے لوگ مزے اُڑائینگے اور تمپر عذاب زیادہ ہوگا اس قسم کی باتین سوچنے اور بخل کے نتائج پر غور کرنیسے اُمید ہی انشاء اللہ بخل سے نجات حاصل ہوجائیگی۔ اور عملی علاج یہ ہی کہ نفس پر جبر کرو اور خرچ کرنیکی بہ تکلف عادت ڈالو ضرورتوں کی خوبی قصداً دلمین پیدا کرو یہان تک کہ خرچ مین رغبت ہونے لگے اور پھر بتدریج بُرے خیالات و

مذموم اخلاق دور کرتے رہو تاکہ بخل کی جڑ کٹ جائے اور اب مال کا خرچ کرنا خالصاً لوجہ اللہ بچائے۔

چھٹی اصل رعونت اور شہرت وجاہ کی محبت کا بیان

حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ "دار آخرت کی بھلائیاں انہیں کے لئے مخصوص ہیں جو زمین پر رہکر بڑھنا چڑھنا اور فتنہ وفساد پیدا کرنا نہیں چاہتے" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "بکریوں کے گلے میں دو بھیڑئے آپڑیں تو اتنا نقصان نہ کرینگے جتنا مال وجاہ کی محبت دیندار مسلمان کے دین کا نقصان کردیتی ہے" ان دونوں کی محبت سے قلب میں نفاق پیدا ہوجاتا ہے۔ یاد رکھو کہ شہرت وعزت کی خواہش بُری بلا ہے درحقیقت وہ لوگ بڑے اچھے ہیں جنکو کوئی جانتا بھی نہیں۔ پریشان حال غبار آلود لوگ پاس بٹھانا بھی پسند نہیں کرتے۔ اگر اگھسنے کی اجازت نہیں دیتے نکاح کرنا چاہیں تو کوئی دامادی میں بھی قبول نکرے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ذلت ومسکنت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں انہیں میں ایسے مقبول بندے ہوتے ہیں جو قسم کھا بیٹھیں تو حق تعالیٰ پوری فرمادے۔ یاد رکھو کہ جہاں انسان کی شہرت ہوئی اور اوسکو مسند پر عزت کی جگہ بیٹھنا اور آگے آگے چلنا پسند آیا بس تباہی آگئی خوب سمجھ لو کہ خدا کے بندے اپنے آپ کو بہت چھپاتے ہیں البتہ بلا طلب حق تعالیٰ ہی اونکو ظاہر فرمادے تو اب اخفا مناسب نہیں رہتا دیکھئے انبیاء علیہم السلام خلفاء راشدین اور اکثر اولیاء مشہور ہوگئے مگر کسینے شہرت کی آرزو نہیں کی محض حق تعالیٰ کی اطاعت تھی کہ جس حال میں اسنے رکھا بس انکو منظور ہے بطور خود شہرت کی خواہش حُبِ جاہ کہلاتی ہے اور اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

(فصل) حُبِ جاہ کے معنی یہ ہیں کہ "انسان لوگوں کے قلوب پر قبضہ کرنا چاہے اور اسکی خواہش کرے کہ انکے دل میرے مطیع بنجائیں۔ میری تعریف کیا کریں۔ میری حاجت کے پورا کرنے میں دولت اور جان تک سے دریغ نہ کریں" مال سے بھی انسان کو اسی غرض سے محبت ہوتی ہے کہ وہ رفع حاجت کا ذریعہ ہے اور جاہ وشہرت کی خواہش بھی اسی لئے ہے کہ کوئی ضرورت بند نہ رہے پس مقصود کے اعتبار سے دونوں ایک ہی نفع کے سبب ہیں البتہ چونکہ جاہ سے مال بھی حاصل ہوسکتا ہے اور اسکو نہ کوئی چرا سکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے اور مال سے اکثر جاہ حاصل نہیں ہوتا اور چوری ولوٹ کا بھی اندیشہ رہتا ہے اسلئے حبِ جاہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسیکی تعظیم کا اعتقاد

حبِ جاہ وحبِ مال کا فرق

لوگون کے دلمین پیدا ہوجاتا ہی تو لا محالہ لوگ اِسکی تعریفین بیان کرتے اور دوسرون کو اپنا ہم عقیدہ وہمخیال بنانا چاہتے ہین اور کامیاب بھی ہوجاتے ہین اسیطرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہی اور آخرکار حُبِّ جاہ مین بلا تکلّف و بلا مشقّت کامیابی ہوجاتی ہی برخلاف اِسکے مال کے جمع کرنے مین سیکڑون تدابیر اور حیلے کرنے پڑتے ہین اور پھر بھی خاطر خواہ مال جمع ہونا دشوار ہوتا ہی۔ اِس وجہ سے انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی زیادہ خواہش ہوتی ہے اور یہی وجہ ہی کہ اکثر فقراء بھی حُبِّ جاہ مین مبتلا پائے جاتے ہین حُبِّ جاہ کے بکثرت ہونیکا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر آدمی کو اپنی بڑائی اور عزت کی بالطبع خواہش ہوتی ہے اور ہر شخص چاہتا ہی کہ مین ایسا بے مثل و یکتائے روزگار رہون کہ بس مین ہی مین ہون۔ حالانکہ یہ حقیقت الہیہ ہے ظاہر ہے کہ یکتائی اوسیکی شان ہے۔ تمام مخلوق اُس واجب الوجود کے نورِ قدرت کا پرتوہ ہے پس جو انسان حبِ جاہ کے مرض مین گرفتار ہی وہ گویا اللہ عزّ اسمہٗ کے ہم پلہ ہونا چاہتا ہے اور اوس نسبت سے ناراض ہی جو دھوپ کو آفتاب سے ہونی چاہئے گویا اس کا نفس کہہ رہا ہے کہ انا ربکم الاعلیٰ (مین ہی تم سبکا بڑا پروردگار ہون) اِتنا ہی فرق ہے کہ فرعون نے یہ کلمہ زبان سے کہدیا تھا اور دوسرے لوگ اسکو اپنے دلون مین چھپائے ہوئی ہین مگر چونکہ یہ یکتائی کسیکو حاصل نہین ہوسکتی اور اِس آرزو مین کامیابی محال ہی اِسلئے نفس انسان چاہتا ہے کہ اگر مستقل وجود مین کامیاب نہین ہوسکتا تو اِتنا تو ضرور ہو کہ ساری مخلوق پر ملکیت ہوجائے کہ جس شے پر جو چاہون تصرف کرون مگر چونکہ آسمان ستارون پہاڑ سمندر اور دیگر بڑی مخلوق پر یہ بھی دشوار نظر آیا اس لئے یہ تمنا ہوئی کہ زمین کی مخلوق پر مالکانہ تصرف ہوجائے۔ حیوانات مسخر ہوجائین۔ معدنیات و نباتات تابع فرمان غلام بنجائین۔ اور ان علویات و بڑی مخلوقات کی جنپر مالکانہ تصرف نہین ہوسکتا واقفیت وتحقیق تامہ ہی حاصل ہوجائے تاکہ ہاتھ کا قبضہ نہو تو علم ہی کا قبضہ ہوجائے اور دنیا کے عقلمند باشندے یعنی اشرف المخلوقات انسان قلب کے ذریعہ سے اطاعت گذار اور فرمانبردار بنجائین اور میری عظمت و بڑائی کے معتقد ہوکر مجکو صاحب کمال سمجھنے لگین اور دست بستہ تعظیم کیا کرین اور میری شہرت کا آوازہ ان ملکون تک پہونچ جائے جہان میرا جانا بھی محال ہو۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ

فصل) یاد رکھو کہ انسان ایکدن مرنے والا ہے اور جاہ و شہرت مرنیکے بعد ختم ہوجانیوالی ہی پس اگر شہرت ہو ہی گئی اور مخلوق مین عزت و جاہ حاصل بھی ہوئی تو کیا ہوا؟ یہ کوئی خوبی اور کمال کی

بات نہین ہی کمال اِس مرتبہ کے حاصل کرنے کا نام ہو کہ حقیقت کوئی خلل نہ پیدا کرے اپنی معرفت الٰہی کہ جسکے بیشمار مدارج مین مرتبہ کے بعد بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اسلئے اس رغبت اور طلب شہرت کا علاج کرو اسکی محبت دل سے نکالو اور سمجھو کہ اگر مثلاً تمام دنیا تمکو سجدہ بھی کرنے لگے تو کے دن کیلئے آخر ایک دن ہوگا کہ تم رہو گے نہ سجدہ کرنیوالے تعجب ہے کہ زمانہ تو تمھارے ساتھ یہان تک بخل کرتا ہے کہ شہر یا قصبہ تو درکنار تمھارے محلہ پر بھی تمکو پورا قبضہ نہین دیتا اور تم دائمی نعمت اور جاودانی سلطنت چھوڑ بیٹھے ہو اور پرنا کارہ ہوگئے اور اِس دنیاوی مکدر و حقیر شہرت اور چند ایسے احمق وضعیف لوگون کی تعظیم پر نازان ہوگئے جنکو نہ موت وحیات کا اختیار ہے نہ ضرر و نفع پر دسترس ہے اور اوس بادار عزت اور عالم ملکوتی کی شہرت کو کھو بیٹھے جو حق تعالیٰ اور اوس کی برگزیدہ پاک مخلوق یعنی فرشتون مین تمکو حاصل ہوگی۔

ہان اتنی بات ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدر ضرورت جاہ و عزت کا بھی محتاج ہی تاکہ اسکی وجہ سے مخلوق کی ظلم و زیادتی سے محفوظ رہے اور جفا شعار حاکمون کی دست برد سے بے خوف ہو کر اطمینان عبادت مین مشغول رہے اسلئے اتنی طلب جاہ مین مضائقہ نہین مگر اِس کا خیال بھی لازمی بات ہے کہ یہ بقدر ضرورت عزت اپنی عبادتون کو دکھا دکھا کر مت حاصل کرو کیونکہ ریا حرام ہے نیز متقی و صوفیا صورت بنکر بھی مخلوق کو دھوکہ نہ دو اگر درویشانہ یا عالمانہ صورت سے عزت حاصل کروگے تو مکار سمجھے جاؤگے کیونکہ جو بات دلمین نہو اور صورت بناکر ظاہر کرو یہ فریب و مکر کہلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ فریب حرام ہے تاہم طلب جاہ بڑی خطرناک چیز ہے کیونکہ اِس کی ہوس ایک حالت پر قناعت نہین کرنے دیتی بس درحقیقت دین انہین کا محفوظ وسالم ہے جنکا حال ان نا مخفی و مستور ہے جنکو کوئی سمجھ ہی نہین سکتا کہ کس رتبہ کے ہین ؟

(**فصل**) اکثر حب جاہ کا سبب اپنی مدح وثنا کی خواہش ہوتی ہی کیونکہ انسان کو اپنی تعریف و توصیف مین تین وجہ سے لذت آتی ہے

اوّل۔ چونکہ کمال صفات الہیہ مین سے ہی اور ہر شخص کو مرغوب ہے اِس لئے نفس اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے کیونکہ سمجھتا ہی کہ اس مداح کو میرے کمال سے آگاہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بیوقوف جاہل کے تعریف کرنیسے اتنی مسرت نہین ہوا کرتی جتنی کسی ہوشیار اور عقلمند آدمی کی مدح سے ہوتی ہی۔

دوم۔ تسخیر کی خواہش ہر شخص کو ہوتی ہی اور مدح سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اسکے قلب پر میرا قبضہ اور اثر ہوگیا ہی

رغبت معرفت و طلب شہرت کا علاج

یہی وجہ ہے کہ با عزت آدمی تعریف کرنے لگے تو زیادہ مسرت ہوتی ہے اور محتاج یا بھیک منگا فقیر بنکر ...
خوشی نہیں ہوتی کیونکہ اسکے قلب پر تعریف کرنا کوئی با وقعت امر نہین سمجھا جاتا۔

سوم۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ میری آوازہ شہرت کے بلند ہونے کا ذریعہ پیدا ہو گیا ہے کیونکہ لوگون کو میری
تعریف کی جانب توجہ ہوئی ہے اور یہ آہستہ آہستہ پھیلکر بہت جلد دنیا بھر مین شہرت کرا دیگی اور یہی وجہ ہے
کہ مجمع مین تعریف ہونیسے جتنی مسرت ہوتی ہے تنہائی مین مدح سرائی سے اتنی مسرت نہین ہوتی۔
خوب سمجھ لو کہ اس مدح دنیا کی محبت نے لوگون کو تباہ کر دیا اسی کی بدولت ریا کاری اور طرح طرح کی ...
مین مبتلا ہو گئے پس اس کا علاج کرو۔ اور غور کر لو کہ مدح کرنے والا کس بات کی مدح کرتا ہے؟ اگر تمھارے
مال و عزت کی تعریف کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ تو کوئی کمال نہین ہے حقیقی کمال یعنی معرفت الٰہی پر تو خوش
ہونا چاہئے اور یہی کمال تو رونے کا مقام ہے نہ کہ مسرت کا اور اگر تمھارے زہد و اتقا کی تعریف ہے
تو اس کی دو قسمین ہین یا تو درحقیقت تم زاہد و متقی ہو اور تعریف سچی ہو رہی ہے اور یا محض تمہین
خوش کرنے کو جھوٹی تعریف کیجا رہی ہے پس اگر سچی تعریف ہے تو اس کا علاج اسطرح کرو کہ دل مین سوچو
اور غور کرو کہ ان باتون کا اپنے اندر آجانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرما لینا خوشی کی بات ہے نہ کہ دوسرے
کا بیان کرنا کیونکہ لوگون کے اظہار قبولیت اور واقفیت الٰہی سے کوئی علاقہ نہین ہے اور اگر زہد و اتقا کی
تعریف جھوٹی ہو رہی ہے تب تو مسرت مین حماقت ہے اسکی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص تعریف کرے
کہ آپ کی آنتون اور معدے مین تو نہایت درجہ عطر کی خوشبو آرہی ہے حالانکہ تم جانتے ہو کہ آنت
و معدہ مین کیا نجاستین اور فضلہ بھرا ہوا ہے اور پھر اس بیجا تعریف اور بے موقع صریح جھوٹی مدح
پر خوش ہو رہے ہو بھلا اس سے زیادہ بیوقوفی کیا ہوگی؟ اور جاہ و شہرت کا علاج ہم اوپر بیان
کر چکے ہین اوسپر عمل کرنا چاہئے۔

ساتوین اصل دنیا کی محبت کا بیان

دنیا صرف مال و جاہ ہی مین منحصر نہین ہے بلکہ تم موت سے پہلے جس حالت مین بھی ہو وہ سب دنیا ہے
اور دنیا کی محبت تمام گناہون کی جڑ ہے دنیا کے تمام جھگڑون بکھیڑون اور مخلوق و موجودہ چیزون
کے تعلق کا نام دنیا کی محبت ہے البتہ علم و معرفت الٰہی اور نیک کام جنکا ثمرہ مرنیکے بعد ملنے والا ہے
وہ اگرچہ دنیا مین واقع ہوتے ہین مگر درحقیقت دنیا سے مستثنیٰ ہین اور انکی محبت آخرت کی محبت ہے

حق تعالی فرماتا ہے کہ "ہمنے دنیا کی تمام چیزون کو زمین کی زیب و زینت کا سامان بنایا ہی تاکہ لوگون
کی آزمائیش کرین کہ کون انپر فریفتہ ہو کر آخرت کو کھوتا ہے؟ اور کون بقدر ضرورت سفر کا توشہ
سمجھکر اپنی آخرت سنوارتا ہے؟" یاد رکھو کہ آدمی کو جاہ و مال کے علاوہ زمین[1] کی بہی محبت ہوتی ہے
تاکہ مکان بنائے یا کہیتی کرے۔ نباتات[2] کی بھی محبت ہوتی ہے تاکہ جڑی بوٹی کو دواؤن مین استعمال
کرے یا ترکاری و دیگر پیداوار پھل پھول کو کھائے اور قوت بنائے۔ معدنیات[3] کی محبت ہوتی ہی تاکہ
برتن اور اوزار بنائے یا زیور و نقد جمع کرے۔ حیوانات[4] کی بھی محبت ہوتی ہے تاکہ شکار کرے اور
کھائے یا سواری لے اور زینت بڑہائے۔ آدمیون[5] کی بھی محبت ہوتی ہے تاکہ عورتون کو منکوحہ اور
خادمہ بنائے یا مردون کو غلام و نوکر اور تابعدار خدمتگار بنائے انہین چیزون کی محبت کا نام ہوائے
نفس ہے جسکو حق تعالی نے فرمایا ہی کہ جسنے اپنے نفس کو خواہش سے روک لیا اوس کا ٹھکانا جنت ہے
خوب یاد رکھو کہ حیات دنیاوی محض کھیل و تماشہ ہی اسی سے اکثر باطنی مہلک امراض یعنی غرور و نخوت
کینہ و حسد ریا و تفاخر اور شہرت کی حرص و طمع سب پیدا ہو جاتے ہین۔ اور جب انسان کو حیات
دنیاوی کی اصلاح کا شوق ہوتا ہے تو حرفت و صناعت اور زراعت و تجارت کے نا پایدار مشغلون
مین ایسے پھنستے ہین کہ آگے پیچھے اور مبدء و معاد کی کچھ خبر نہین رہتی اور ظاہر و باطن دونون دنیا ہی
کے ہو رہتے ہین۔ قلب محبت دنیا مین مشغول ہو جاتا ہی اور بدن اوس کی اصلاح و تدبیر مین مصروف!
حالانکہ دنیا توشۂ آخرت ہی اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافران آخرت باسانی اپنا سفر ختم کرسکین بیوقوف
اور احمق لوگون نے اسیکو مقصود اصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشغلون اور قسم قسم کی خواہشون مین
ایسے پڑے کہ آنیوالا وقت بالکل بھول گئے ان لوگون کی مثال ایسی ہوگئی جیسے کوئی شخص حج کی
نیت سی روانہ ہوا و جنگل مین پہونچکر سواری کے گھاس دانہ اور مرکب کے موٹا تازہ کرنے کی فکر مین
مشغول ہو جائے اور ہمراہیون سے پیچھے رہجاے۔ افسوس ہے اسکی حالت پر کہ تن تنہا جنگل مین رہگیا
اور قافلہ کوچ کرگیا جس نیت سی چلا تھا یعنی حج وہ بھی گیا گذرا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندون
نے موٹی تازی سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا اور یہ بھی منہ کا نوالہ بنا۔ یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی
اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم اپنے جسم خاکی پر سوار سفر آخرت کر رہے ہو اس لئے اپنی سواری کا گھاس
دانہ بقدر کفایت اٹھالو اور سفری ضرورتون مین کام آنے والا سامان مہیا کرلو اور وہ بیج لو جو

جسکو آخرت مین کاٹ کر دائمی زندگی مزے سی گذار سکو اور اگر اس تابعدار سواری کی پرورش و فربہی
مین مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کوچ کر جائیگا اور تم منزل مقصود پر نہ پہنچ سکو گے۔ دُنیا مین مخلوق کی
مثال ایسی ہے جیسے ایک کشتی پر کچھ آدمی سوار ہون اور کشتی کسی جزیرہ کے کنارہ پر آٹھہرے اور کشتی کا ملّاح
سواریون کو اجازت دیدے کہ "جاؤ جزیرہ مین اُترو ضرورتین پوری کر آؤ مگر ہوشیاری سی کام لینا کیونکہ جگہہ
خطرناک ہی اور ابھی سفر دور و دراز کا سر پر ہی" غرض سواریان اُترین اور ادہر ادہر منتشر ہو گئین۔
بعض لوگ تو حاجت ضروری سے فارغ ہوتے ہی لوٹ پڑے اور خالی کشتی مین ہوادار و فراخ جگہہ
دیکھکر مزے سی آ بیٹھے اور بعض لوگ جزیرہ کی خوشگوار ہوائین کھانے اور خوش الحان پرندون کی
عجیب عجیب صدائین سُننے مین لگ گئے سبز مخملی فرش اور رنگ برنگ کے پھول بوٹون اور طرح بطرح کے
پتھرون درختون کی گُلکاریون مین مشغول ہو گئے مگر پھر جلدی ہوش آگیا اور فوراً کشتی کی جانب واپس
ہو گئے یہان دیکھا کہ جگہہ تنگ رہگئی اور پُر فضا مقامات پر ان سی پچھلے آجانے والے لوگ بستر لگا چکے ہین
اِسلئے مجبور تنگ ہی جگہہ مین تکلیف کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اور چند لوگ اِس جزیرہ کی عارضی بہار پر ایسے فریفتہ
ہوئے کہ دریائی خوشنما سیپیون اور پہاڑی خوبصورت پتھرون کے چھوڑنے کو دل نے گوارا نہ کیا اور ان کا
بوجھہ لادکر کمر پر رکھا اور سمندر کے کنارے پر پہونچے تو دیکھا کہ کشتی لبریز ہے نہ اپنی بیٹھنے کی جگہہ ہے نہ
اِس بلا ضرورت فضول بوجھہ کے لئے مکان ہی اب حیران ہین کہ کیا کرین؟ بوجھہ کے پھینکنے کو نفس گوارا نہین
کرتا اور یہان اپنی بیٹھنے تک کو جگہہ نہین غرض قہر درویش بجانِ درویش نہایت دقت کے ساتھ تنگ جگہہ
مین گھس بیٹھے اور اس پتھر کے بارِ گران کو سر پر لاد لیا اب حالت یہ ہی کہ کمر دُکھی جاتی ہے گردن ٹوٹی
جاتی ہے اور جو مصیبت گذر رہی ہی اُسکو ان کا دل ہی خوب جانتا ہی۔ اور بعض لوگ جزیرہ کے دل
افروز حسن پر ایسے عاشق ہوئے کہ کشتی اور سمندر سب بھول گئے۔ پھول سونگھنے اور پھل کھانے مین مصروف
ہو گئے اور کچھہ خبر نہ رہی کہ کہان جانا ہی اور یہان رہکر کن درندون اور موذی جانورون کی غذا بننا
ہے؟ غرض جب آخر وقت مین کنارے پر پہونچے تو کشتی مین نام کو بھی جگہہ نظر نہ آئی کشتی چلدی اور یہ
حیران پریشان کنارے پر کھڑے حسرت بھری نظرون سے اپنے ہمراہیون کو دیکھتے رہگئے آخرکار نتیجہ
یہ ہوا کہ جزیرہ کے درندون نے پھاڑ ڈالا اور موذی جانورون نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہی حال بعینہٖ
دنیا دارون کا ہے اب تم خود غور کر کے سمجھ لو کہ کن لوگون پر کون سی مثال منطبق اور چسپان ہوتی ہے؟

(تشریح) جو شخص اپنی نفس کی ماہیت سے واقف ہوگیا اور معرفت الہٰی حاصل کرلیا اور حقیقت دُنیا سے واقف ہوگیا اور بیشک سمجھ لی وہ خوب سمجھ سکتا ہی کہ بغیر حق تعالیٰ کی محبت کے آخرت کی بہاریں نصیب نہیں ہو سکتیں نہیں مل سکتیں اور حق تعالیٰ کی محبت کیساتھ دُنیا کی محبت کا جمع ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جسطرح ایک برتن میں آگ و پانی کا جمع ہونا محال ہی اور جب تک انسان دُنیا سے منہ نہ پھیریگا اور ان فانی تعلقات کو منقطع نہ کریگا اور بقدر ضرورت دُنیا پر قناعت کرکے باطمینان ہر لحظہ فکر و ذکر الہٰی میں مشغول نہ رہیگا اُس وقت تک حق تعالیٰ کی محبت کبھی نہ پیدا ہوگی کبھی نہ پیدا ہوگی- اگر تمھاری ایسی حالت ہوجاے اور نور بصیرت کے مشاہدہ سے یہ اسرار منکشف ہوجائیں تب تو کسی کے سمجھانے اور بتلانے کی حاجت ہی نہیں ورنہ شریعت کے تابع فرمان بنکر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی کسقدر مذمت فرمائی ہی تحقیقًا تمامی قرآن اسی دلفریب سبزہ زار زہر ہلاہل کی بُرائیوں سے بھرا ہوا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ "جنھوں نے سرکشی اختیار کی اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ جہنمی ہیں" رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نہایت تعجب ہے اُن بندوں پر جو عالم بقا کو سچا سمجھیں اور پھر اس ناپایدار دُنیا پر فریفتہ ہوں- خوب سمجھ لو کہ جو لوگ دُنیا کو مقصود سمجھکر اسکے کمانے میں مشغول ہوجاتے ہیں ہمیشہ پریشان حال رہتے ہیں اونکی طلب کبھی ختم نہیں ہوسکتی اُن کا فکر کبھی رفع نہیں ہوسکتا اُنکی آرزو کبھی پوری نہیں ہوسکتی ان کا رنج و غم کبھی دُور نہیں ہوسکتا- حدیث میں آتا ہی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ابوہریرہؓ کا ہاتھ پکڑا اور ایک کوڑی پر لا کھڑا کیا جہاں مُردوں کی کھوپریاں اور نجاست و غلاظت کے ڈھیر اور بوسیدہ ہڈیاں اور پھٹے پُرانے کپڑے پڑے ہوئے تھے اور فرمایا کہ دیکھو ابوہریرہؓ یہ دُنیا کی حقیقت ہے ان کھوپریوں میں بھی کبھی تمہاری طرح اُمیدیں اور آرزوئیں جوش مارتی تھیں کوئی دن تھا کہ یہ بھی حرص و ہوس سے لبریز تھیں اور آج بوسیدہ ہڈیاں بنی کوڑی پر پڑی ہیں چند روز میں خاک ہوجائینگی نشان بھی باقی نہ رہیگا- اور دیکھو یہ غلاظت اور فضلہ تمھاری غذا ہے جسکے پیٹ کے اندر بھرلینے میں حلال و حرام کا بھی امتیاز نہیں ہوتا رنگ برنگ کے کھانے بنکر ایک دن یہ فضلہ تمھارے پیٹ میں تھا اور آج یہاں کوڑی پر کس بے قدری کے ساتھ پڑا ہوا ہے کہ جس کی بدبو سے لوگ بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں- دیکھو یہ پُرانے چیتھڑے کسیوقت میں تمہارے چمک دمک والے لباس تھے جنکو آج ہوائیں اِدھر اودھر اوڑائے پھرتی ہیں اور کوئی پُرسان حال نہیں اور دیکھو یہ ہڈیاں کسی دن تمھارے سواری کے جانور

اور مویشی تھے جنپر جانین دیتے اور قتل و قتال کیا کرتے تھے۔ اے ابوہریرہؓ یہ دُنیا کی حقیقت ہی جس کا انجام دُنیا ہی مین ظاہر ہے پس جسکو رونا ہو روئے ٗ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک دن دُنیا کی حقیقت منکشف ہوئی اُنھون نے دیکھا کہ ایک بدصورت بُڑھیا بناؤ سنگار کئے زیور و پوشاک سے بنی ٹھنی بیٹھی ہے۔ اُنھون نے پوچھا کہ اے بُڑھیا تو کتنے مردون سے نکاح کر چکی ہی؟ دُنیا نے جواب دیا کہ کچھ شمار نہین حضرت روح اللہؑ نے فرمایا کہ اون خاوندون کا انتقال ہوگیا یا تجکو طلاق دے بیٹھے؟ دُنیا نے جواب دیا کہ طلاق دینے کی تو ہمت کسکو ہوتی ہے مین نے ہی سب کو مار ڈالا۔ یہ سُنکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے باقیماندہ موجودہ خاوندون کی حالت پر سخت افسوس ہی اونکو گذشتہ شوہرون کی حالت پر کیون نہین عبرت ہوتی؟ پیارے مسلمانو! اچھی طرح سمجھلو دُنیا بڑی بے وفا ہی اس سے بہت بچو اس کا جادو ہاروت و ماروت کے سحر سے بھی زیادہ جلد اثر کرتا ہے اگر پیرا نانمک جَو کی روٹی کے ساتھ کھا کر اور ٹاٹ پھنکر بھی زندگی گذار دوگے تب بھی یہ زندگی گذر جائیگی مگر آخرت کی اِصلاح نہایت ضروری ہے وہان کی حبہ برابر دائمی نعمت کا چھوڑنا حقیقت مین بڑی تکلیف کا سنا ہی۔

(**فصل**) بعض لوگ دہوکہ کھا جاتے ہین اور سمجھتے ہین کہ ہمارا بدن کتنا ہی دُنیا مین مصروف رہے مگر قلب دُنیا سے فارغ اور خالی رہتا ہے یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے بھلا کوئی شخص دریا مین چلے اور پاؤن نہ بھیگین یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

دُنیا کی طلب ہوگی اور ضرورت سے زیادہ دُنیا کمانیکی تدابیر و مشغلون مین لگوگے تو ضرور پریشان رہوگے اور ضرور دین کچھ ہاتھ سے کھو بیٹھوگے یہ بھی یاد رکھو کہ یہ طلب کبھی ختم نہ ہوگی اور حرص ہمیشہ بڑھتی رہیگی دُنیا کی مثال سمندر کے کھاری پانی کی سی ہے کہ جتنا پیوگے اُسیقدر پیاس بڑھیگی بھلا جو چیز ایک دن تمسے ضرور چھوٹتی ہے اوسمین مصروف ہوجانا رنج کا سامان کرنا نہین توکیا ہی؟ دُنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے مین نہایت نرم مگر زہر دیکھو تو قاتل و مہلک اِس بے وفا کی مُفارقت یقینی ہے اِس لئے اِسکے ہاتھ آنے کی خوشی اور نہ ملنے کا رنج دونون عبث و فضول ہین دُنیا کو اپنے اطمینان کا ذریعہ سمجھنا بڑی حماقت ہے جہان ہمیشہ رہنا نہین وہان اطمینان کیسا؟ دُنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مہمان نواز نے اپنا مکان آراستہ کیا اور شیشہ و آلات سے زیب و زینت کرکے مہمانون کو بُلایا اور بیٹھا کر عطر و خوشبو اور پھولون سے بھرا ہوا طباق سامنے رکھدیا اِس سے یہ منشاء ہے کہ خوشبو سونگھو اور بقدر ضرورت عطر لگا کر طباق کو

پاس والے کے آگے سرکا دو یہ مطلب نہین ہے کہ سارے طباق پر قبضہ کر بیٹھو اگر کوئی شخص آدابِ مجلس سے ناواقف ہوا اور طباق کو اپنا نذرانہ سمجھکر بغل مین دبالے تو تمام حضّار مجلس ہنسینگے اور مذاق اڑائینگے اور مالک مکان زبردستی اس سے طباق چھینکر دوسرونکے سامنے رکھدیگا اوسوقت وہ کبھی ندامت اٹھانی پڑیگی اسیطرح دنیا حق تعالیٰ کی میزبانی کی جگہہ ہے اس سے حق تعالیٰ کا یہ منشا ہے کہ انسان ترک آخرت آبین اور بقدر ضرورت اسطرح نفع اوٹھائین جسطرح مستعار چیزون سے حاجت رفع کیا کرتے ہین اور پھر بخوشی خاطر دوسرون کے حوالہ کرکے اپنا راستہ لین پس مستعار چیز سے دل کا لگانا حقیقت مین چلتے وقت اپنے آپ کو شرمندہ ورنجیدہ بنانا ہے۔

آٹھوین اصل نخوت وتکبر کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہی کہ تکبر کرنے والون کا ٹھکانا نہایت برا ہے۔ کبریائی خاص میری چادر ہے جو اسمین شریک ہونا چاہیگا مین اوسکو قتل کرڈالون گا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "جسکے قلب مین رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ کبھی جنت مین نہ جائیگا" جو لوگ باوجود عزت ومال کے تواضع کرتے اور عاجزی وانکساری کے ساتھ لوگون سے ملتے ہین اونکو مبارک ہو انکے بڑے درجے ہین اونکی دنیا مین بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت مین بھی تکبر کے معنی یہ ہین کہ انسان اپنے آپکو صفات کمالیہ مین دوسرون سے زیادہ سمجھے اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہی تو نفس پھول جاتا ہی اور پھر اسکے آثار ظاہر ہونے لگتے ہین مثلاً راستہ مین دوسرون سے آگے قدم رکھنا مجلس مین صدر مقام یا عزت کی جگہہ پر بیٹھنا دوسرون کو بنظر حقارت سے دیکھنا یا کوئی سلام کرنے مین پیش قدمی نہ کرے تو غصہ ہونا کوئی تعظیم نہ کرے تو غضبناک ہونا۔ کوئی نصیحت کرے تو ناک بھون چڑہانا اور حق بات معلوم ہوئے پیچھے بھی نہ ماننا۔ عوام الناس کو ایسی نظر سے دیکھنا جس طرح گدہون کو دیکھتے ہین نعوذ باللہ منہا۔ چونکہ تکبر تین بڑی خیانتون کا مجموعہ ہے اسلئے جہنم کا پورا ذخیرہ ہی۔

اوّل تو کبریائی حق تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص اور اُسی کی عالی شان کو زیبا ہے پس انسان ضعیف البنیان جسکو دوسرے کا اختیار تو درکنار اپنے ہی نفس کا اختیار نہین کسطرح اس صفت الٰہی کی جرأت کرسکتا ہی اور چونکہ متکبر شخص باوجود اس ذلت وضعف کے حق تعالیٰ کی مشارکت چاہتا اور اس صفت کمالیہ مین منازعت کرتا ہے اسلئے پرلے درجہ کا احمق اور خبیث النفس سمجھا جائیگا۔

دوم تکبر کے باعث حق بات کے انکار کی نوبت آتی ہے جس سے دینی سعادت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے
اور متکبر اللہ کی مخلوق کو بنظر حقارت دیکھنے لگتا ہے جو حق تعالیٰ کو نہایت ناگوار ہے۔ کان لگا کر سنو ایک
ناصح کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی طاعت میں مخفی رکھی ہے اسلئے کسی عبادت کو کتنی ہی
چھوٹی کیوں نہو حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ اسی میں اوس کی رضامندی ہو اور حق تعالیٰ نے ناراضی
وغصہ کو معصیت میں چھپا دیا ہے پس کسی معصیت کو کیسی ہی ذراسی کیوں نہو کبھی معمولی نہ سمجھو کیا خبر ہے
شاید اسی میں ناراضی وغصہ چھپا ہوا ہو اور نیز اپنی ولایت کو بندوں میں مستور رکھا ہے اسلئے کسی
بندے کو حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ شاید یہی بندہ اوس کا ولی ہو۔

سوم تکبر نفس کو کوئی پسندیدہ صفت نہیں پیدا کرنے دیتا تکبر کرنیوالا شخص تواضع سے محروم رہتا ہے حسد
وغصہ کے دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ ریاکاری کا چھوڑنا اور نرمی کا برتاؤ اسکو دشوار ہوتا ہے کسی
مسلمان بھائی کی خیرخواہی اس سے نہیں ہو سکتی غرض اپنی عظمت کے غرہ میں مست اور بہمہ صفت
موصوف ہونیکے لغو خیال میں ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفس امارہ کی اصلاح سے بالکل محروم ہو جاتا ہے
اور جبتک یہ بدخصلت رفع نہو جائے آئندہ بھی اصلاح کی امید نہیں نظر آتی اسلئے اسکے علاج میں جلدی
کرنی چاہیئے اول تو یہی سوچنا چاہیئے کہ ہماری حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ابتدا نجس و
ناپاک منی کا قطرہ ہے اور انتہا مردار لوتھ اور کیڑے مکوڑوں کی غذا اب رہی متوسط حالت جس کا
نام زندگی اور دنیاوی حیات ہے اوسمیں بھی منوں نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے حق تعالیٰ
کے ارشاد قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ الخ کے معنی سمجھنے چاہیئں کہ اول معدوم محض تھا اس قابل ہی
نہ تھا کہ ذکر و بیان میں بھی آسکے پھر مٹی اور نطفہ ہوا پھر مضغہ گوشت بنا نہ کان تھے نہ آنکھ نہ حیات
تھی نہ طاقت پھر حق تعالیٰ نے سب کچھ دیدیا مگر اسپر بھی بیسیوں امراض کا نشانہ ہے۔ بھوک پیاس
کا محتاج ہے ذراسی تکلیف میں بالکل بیکار ہے کسی شئے کا علم چاہتا ہے مگر نہیں ہو سکتا۔ نفع پہونچانا
چاہتا ہے نقصان ہو جاتا ہے کوئی لحظہ موت سے امن نہیں۔ خدا جانے کس وقت بیمار ہو جائے کس وقت
عقل چھن جائے کس وقت کوئی عضو بیکار ہو جائے کس وقت روح پرواز کر جائے پھر انجام کار موت کا شکار
ہوتا ہے اور اسکے بعد تنگ وتاریک گھاٹیوں کا سامنا ہوتا ہے حساب کتاب حشر ونشر پیش
آنے ہیں۔ جنت و دوزخ میں دایمی زندگی کا فیصلہ اور شاہنشاہی فرمان کا صادر ہونا ہے۔ بھلا

نہین بتلاؤ کہ ایسے گرفتار معصیبت اور ذلیل و ناکارہ غلام کو زبردست قدرت والے جبار وقہار
ست شہنشاہ کی ہمسری کا خیال کیونکر زیبا ہوسکتا ہی؟ جو شخص نجاست ہاتھ کو لگے تو دو دو مرتبہ دہوئے
اور اسی نجاست کو ہروقت پیٹ مین لئے پھرے اوسکو تکبر کرنا کسیطرح بہی زیب نہین دیتا۔

عموماً چار باتون مین انسان کو تکبر ہوتا ہے علم۔ تقوی، حسب و نسب اور مال و جمال۔ پس ہر ایک کا
علاج علیحدہ علیحدہ ہی جسکو ہم جدا جدا بیان کرتے ہین۔

اوّل عالم بہت کم تکبر سے خالی ہوتے ہین کیونکہ علم کی برابر کسی چیز کی فضیلت نہین ہی اسلیئے اسکو
حاصل کرکے دو خیال پیدا ہوجاتے ہین۔ اوّل تو یہ کہ ہماری برابر اللہ کے یہان دوسرون کا رتبہ نہین
ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگون پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہی پس اگر لوگ تواضع کے ساتھ نہ پیش
آدین تو تعجب کرتے ہین۔ پہلا تکبر دینی تکبر ہے اور دوسرا تکبر دنیاوی کہلاتا ہی ایسے عالم کو جاہل
کہنا چاہئی کیونکہ علم کا منشا تو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس شریر کی حقیقت اور پروردگار جل جلالہ کی
عظمت کو معلوم کرے اور سمجھے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور اوس کا حال کسیکو معلوم نہین ہی پس جو
شخص اپنے آپ کو قابل عظمت سمجھے ہوئے ہو تو گویا اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشہ سے
بے خوف ہی۔ اور یہ بڑی معصیت ہی کیونکہ جاہل شخص اگر گناہ مین بوجہ نادانستگی معذور سمجھا جائے
تو کچھ عجیب نہین مگر عالم چونکہ جان بوجھکر معصیت کررہا ہے اسلئے معذور نہین سمجھا جاسکتا کیونکہ یہ کھلی
ہوئی بات ہے کہ قانون دان شخص کا جرم عام لوگون کے جرم سے بڑہا ہوا ہوتا ہے پس تعجب ہے کہ عالم
ہوکر جاہل بنگئے اور اس جہالت کی خبر بہی نہین۔ اسی حالت کا نام جہل مرکب ہے۔ خوب یاد رکھو جس
علم سے تکبر پیدا ہوا وہ علم جہل سے بہی بدتر ہے کیونکہ حقیقی علم انسان کو جتنا بہی زیادہ حاصل ہوگا
اسیقدر خوف وخشیہ بڑہیگا" حق تعالی نے تو اپنے پیارے پیغمبر کو حکم فرمایا ہی کہ اپنے مطیع مسلمانون
کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ" ایسے لوگ بہی پیدا ہونگے
جو قرآن مجید پڑہینگے مگر زبان ہی زبان پر ہوگا حلق سے نیچے قلب پر مطلق اثر نہ پہونچیگا۔ لوگون
سے کہینگے کہ ہم قاری ہین ہم عالم ہین ہمارے برابر دوسرا نہین۔ سنلو یہ لوگ دوزخ کا ایندھن بنائے
جاینگے" سلف صالحین کے حالات دیکھو ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نماز مین امام بنے اور سلام
پھیر کر کہنے لگے کہ کوئی دوسرا امام تلاش کرلو یا علیحدہ علیحدہ نمازین پڑہا کرو مین امامت کے قابل

نہین ہون۔ کیونکہ اسوقت میرے نفس مین یہ خطرہ آیا کہ "میری برابر دوسرا نہ تھا اِسلئے مجکو امام تجویز
کیا گیا ہی" یاد رکھو کتنا ہی بڑا عالم ہو یہ ضرور نہین ہے کہ خاتمہ بخیر ہی ہوجائے اور کیسا ہی جاہل کیون
نہو یہ یقین نہین ہی کہ انجام بخیر نہوا اور بُری حالت مین مرے جب عالم ہوکر اِتنا سمجھتے ہو تو پھر تکبّر کس بنا پر کرتے
ہو؟ کیا علم پر عمل کرنا تم پر فرض نہین ہی؟ حدیث مین آیا ہی کہ "قیامت کے دن عالم لایا جائیگا اور جہنّم مین ڈالدیا جائیگا
اوس کی آنتین اوسکے گرد اِسطرح گھومتی پھرینگی جس طرح آٹا پیسنے کی چکّی کے گردگدہا گھومتا یا کولہو کا بیل
چکّر لگاتا ہی لوگ تعجب کرین اور پوچھینگے کہ آپ یہان کیسے آئے؟ تو جواب دیگا کہ مین علم پر عمل نہین کرتا تہا
دوسرون کو نصیحت کرتا تھا مگر اپنی خبر نہ لیتا تھا" اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔ دیکھو حق تعالیٰ نے "بلعم باعورا کو جو
بڑا زبردست عالم تھا اس کتّے کی مثل فرمایا ہے جو زبان باہر نکالدے" اور علماء یہود کو "گدہا فرمایا ہے جنپر کتابین
لدی ہوئی ہین" اور یہہ اسیوجہ سے کہ شہواتِ نفسانی مین گرفتار تھے تکبر کرتے اور اپنے آپکو بڑا سمجھتے تھے دوسرونکو
نصیحت کرتے تہے اور خود غافل تھے اِن واقعات و احادیث مین غور کرنیسے تکبّر جاتا رہیگا اور اگر اسپر بھی نہ جائے
تو سمجھو کہ یہ غیر مفید علوم یعنی منطق و فلسفہ اور مناظرہ و مجادلہ وغیرہ مین مشغولی کا باعث ہی یا خباثت باطنی
کا اثر ہی جسکے باعث دوا نفع نہین دیتی بلکہ اولٹا ضرر زیادہ کرتی ہی پس انکے اثر کو کم کرنیکی کوشش کرو۔
دوسرا۔ تکبّر کا سبب تقویٰ اور زہد ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہی کہ عابد بھی اکثر متکبّر بنجاتا ہے اور بعض کی تو
یہان تک حالت ہوجاتی ہی کہ لوگون کو ایذا و تکلیف پہونچانی اپنی کرامت سمجھنے لگتے ہین اگر کسی شخص سے ایذا
پہونچ جاتی ہے تو ناراض ہوتے اور کہتے ہین کہ "دیکھتے رہو اللہ تعالیٰ اِسکو کیسی سزا دیتا ہی؟ ایسی سزا
ملیگی کہ یاد ہی رکھیگا" اور اگر تقدیر سے وہ شخص بیمار پڑگیا یا مرگیا تو خوش ہوکر کہتے ہین کہ "دیکھا اللہ
کے عابد زاہد فقیر بندون کو ایذا دینے کا کیا نتیجہ پایا؟ اِس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافرون نے انبیاء
علیہم السلام کو ہزارون تکلیفین پہونچائین مگر کسی نے انتقام نہین لیا اور پھر وہ ایذا رسان کافر ایمان
لے آئے اور دنیا و آخرت کی بہبودی حاصل کرلی۔ اگر حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے دشمنون سے انتقام لیتے
یا ان کا مرنا چاہتے تو بھلا خدا کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی؟ کیا کوئی عابد ولی کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے؟
استغفر اللہ عابد کو تو ہر شخص کے سامنے تواضع کرنی چاہئے مثلاً اگر کسی عالم گناہگار کو دیکھے تو علم کی وجہ
سے جھک جائے اور گناہ کا خیال نہ کرے کیونکہ علم کی بڑی فضیلت ہے۔ اور اگر جاہل فاسق کو دیکھے تو یہ
سمجھے کہ کیا خبر ہے شاید اِس کی باطنی حالت اچھّی ہو اور اِس مین کوئی ایسی محمود صفت ہو جو ظاہری

گناہون کو چھپالے اور میرے اندر کوئی ایسی خباثت ہو جسکے باعث میری ظاہری عبادتین بھی حبط ہو
جاوین حق تعالی تو قلوب کو دیکھتا ہے صورت کو نہین دیکھتا اور کسی کے قلب کا حال سوائے علام الغیوب کے
دوسرے کو معلوم نہین پھر تکبر کیسا؟ اور تکبر نہ بھی ہو تو باطنی خباثت ہی سہی اپنی حالت کا بدتر ہونا تو خود ظاہر
ہوگیا بنی اسرائیل مین ایک مفسد و فاسق شخص تھا ایک مرتبہ ایک عابد کے پاس اس نیت سے آ بیٹھا کہ خدا تعالی
اسکی برکت سے مجھپر رحم فرمائے۔ عابد نے اپنے دل مین کہا کہ مجھے اس سے کیا نسبت فاسق آدمی میرے پاس آ بیٹھا اور
اس سے کہا کہ "جاؤ دور ہو" اسیوقت اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ "دونون سے کہدو از سر نو
عمل کرین پچھلا برا بھلا کیا کرایا دونون کا غتر بود ہوگیا۔ ہمنے فاسق کو بخشدیا اور عابد کے اعمال حبط کرلئے"
اسیطرح ایک گستاخ شخص ایک عابد کی گردن پر سجدہ کی حالت مین آسوار ہوا عابد نے غصہ مین کہا کہ ذبح ہو
اللہ تیری کبھی مغفرت نہ کریگا اوسیوقت وحی نازل ہوئی کہ "بلکہ اے متکبر و مغرور تیری مغفرت نہوگی" کیا میری
مغفرت تیرے ہاتھ مین ہے کہ قسم کہا کر حتمی طور پر ایک شخص کو اوس سے مایوس کردیا؟ حضرت عطاء سلمی باوجود نہایت
درجہ متقی و عابد زاہد ہونیکے جب کبھی تیز ہوا چلتی یا بادل گرجتا تو فرمایا کرتے تھے کہ مجھہ کمبخت کی وجہ سے لوگون پر
یہ مصیبت آتی ہین اگر عطاء مرجائے تو ان مصیبتون سے لوگون کو خلاصی مل جائے۔ دیکھو اس اخلاص و کثرت
عبادت پر کس قدر تواضع اور خدا کا خوف تھا اور اب چند ظاہری اعمال پر نازان ہوتے اور حق تعالی
پر احسان جتاتے اور حکومت و سلطنت جبروتی کی باگ ہاتھ مین لینی چاہتے ہین حالانکہ ان عبادتون مین
ریا و سمع کا بھی احتمال ہے اور انجام و خاتمہ کا بھی خطرہ۔

تیسرا سبب نسب ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ "اپنے نسب مین غور کرو کہ باپ کا ناپاک نطفہ اور ذلیل مٹی ہے
اور پھر تعجب ہے کہ دوسرون کی خصلتون اور غیرون یعنی باپ دادا کی خوبیون پر خود ناز کرتا ہے اگر آباؤ
اجداد کو گویائی مرحمت ہو تو یقیناً وہ یہی کہین کہ فخر کرنے والا تو کون ہے؟ تو تو انکے پیشاب کا کیڑا ہے
جنہون نے قابل فخر کام کئے تھے پیشاب کے کیڑے اور ناپاک نطفہ کو تو اپنی اصلیت دیکھنی چاہئے نہ کہ آباؤ
اجداد کے قابل تعریف بہادرانہ واقعات اور پھر تعجب ہے کہ دنیاداروں کے نسب پر تکبر و افتخار کیا جائے
کیا خبر ہے کہ وہ نسب والے کہان گئے؟ شاید جہنم کا کوئلہ بنگئے ہون اور آرزو کرتے ہون کہ کاش کتے
اور سور پیدا ہوتے تاکہ اس مصیبت سے تو نجات ملتی اسیطرح دینداروں کے نسب پر تکبر کرنا حماقت ہے
کیونکہ اونکو جو کچھ عزت و شرف حاصل ہوا تھا وہ دینداری اور تواضع کی بدولت حاصل ہوا تھا پھر جبکہ

خود اپنی دینداری پر متکبر نہ تھے تو اونکی اولاد کس عزت و شرف کو مایۂ ناز سمجھتی اور اونکے خلاف تکبر کی صفت اختیار کرتی ہی؟ دیندار آباؤ اجداد کا تو یہہ حال تھا کہ بعض وقت انجام و خاتمہ کے خوف سے لرزا وٹھتے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش گھاس ہوتے کہ کوئی جانور چر لیتا کاش پرند ہوتے کہ کوئی کھا لیتا بھلا جنکو علم و عمل حد درجہ حاصل تہے وہ تو تکبر سے کوسون بھاگتے تھے اور اونکی اولاد جو دولت علم و فنون سے بے بہرہ ہے اونکے نسب پر فخر کرے اور متکبر بنجائے۔

چوتھا سبب مال و جمال ہے۔ اسپر بھی تکبر کرنا حماقت ہے بھلا مال جیسی ناپائیدار چیز فخر کے قابل کسطرح ہوسکتی ہے؟ ڈاکہ پڑجائے کو نہیں ہوجائے تو سب جاتا رہے اسیطرح مہینہ بھر بخار آئے تو سارا حسن و جمال ندارد ہوجائے چیچک نکل آئے تو صورت بدلجائے حسین صورت اگر اپنی اندرونی نجاستون مین غور کرے تو کبھی ظاہری جمال پر فخر نہ کرے بخوبی دریافت کر سکو جس حسن و جمال کو بناوٹ و آرایش کی حاجت ہی وہ ہرگز فخر کے قابل نہین۔ اگر ہر ہفتہ غسل نہ کیا جائے تو دیکھئے بدن کے رنگ اور بو کا کیا حال ہوتا ہے۔ میل کچیل سنک تھوک بول و براز جیسی نجاستین بھری ہوئی ہین بھلا نجاست کے ڈھیر اور غلاظت کی کوٹھری کو کیا زیبا ہی کہ اپنے جمال پر نازان اور متکبر ہو؟

نوین اصل خود پسندی کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہی کہ "اپنی نفس کو پاک صاف اور اچھا نہ سمجھا کرو" یہ کافرون کی شان ہی کہ اپنے اعمال کو اچھا سمجھین۔ حدیث مین آتا ہے کہ خود پسندی تباہ کر دیتی ہے کیونکہ آدمی جب اپنے آپ کو نیکوکار سمجھنے لگتا ہی تو مطمئن ہوجاتا ہی اور سعادت آخروی سے محروم رہجاتا ہی حضرت بشر ابن منصور نے ایک رتبہ نماز پڑھی اور دیر تک پڑھی۔ ایک شخص انکو دیکھہ رہا تھا چونکہ خود پسندی کے احتمال کا موقع تھا اسلئے نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگے کہ "بہائی صاحب میری اس حالت سے دہوکہ نہ کھانا شیطان نے چار ہزار برس اللہ کی عبادت کی ہے مگر جو کچھہ انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے"۔ غرض مسلمان کی شان نہین ہے کہ اپنی عبادت کو عبادت اور طاعت کو طاعت سمجھے اول تو قبولیت کا علم نہین ہی جس سے معلوم ہوجائے کہ عبادت عبادت بھی ہوئی یا بیکار گئی۔ دوسرے اعتبار خاتمہ کا ہی اور اوس کا حال کوئی جانتا نہین کہ کس حال پر ہونا ہے؟ خود پسندی بھی تکبر ہی کی شاخ ہی فرق صرف اس قدر ہے کہ تکبر مین دوسرے لوگون سے اپنے نفس کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور عُجب مین دوسرون کی ضرورت نہین ہی بلکہ اپنے

نفس کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو استحقاق سمجھنا اللہ کا فضل و کرم نہ سمجھنا اور اونکے زوال سے بیخوف ہوجانا خود پسندی و عُجب کہلاتا ہے اور اگر یہانتک نوبت پہونچ جائے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپکو ذی مرتبہ اور باوقعت سمجھنے لگے تو یہ ناز کہلاتا ہے اور اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اپنی دُعا کے قبول نہ ہونیسے تعجب اور دشمن و ایذارسان کو سزا و عذاب نہ ملنے سے حیرت ہوتی ہے کہ ہم جیسوں کی دُعا قبول نہوا اور ہمارے دشمن پامال نہوں۔ اپنی عبادت پر نازان ہونا اور اپنے آپ کو مقبول خدا اور کسی قابل سمجھنا بڑی حماقت ہے۔ البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہوا اور اسکے چھن جانے کا بھی خوف دلمین رہے اور اتنا ہی سمجھے کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلان عمل یا علم کے سبب مرحمت فرمائی ہے اور وہ مختار ہے جسوقت چاہے لیلے تو یہ خود پسندی نہین ہے کیونکہ خود پسند شخص نعمت کا منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور محض نعمتوں کو اپنا حق اور استحقاق سمجھنے لگتا ہے۔

خود پسندی بڑی جہالت ہے اگر غیر اختیاری خوبیوں مثلاً قوت و زور یا حُسن و جمال پر عُجب ہو تو سمجھنا چاہئے کہ انپر ناز کرنا کیونکر زیبا ہے؟ میرا ان میں کیا دخل ہے؟ اُس کا احسان محض ہے جس نے بلا استحقاق یہ خوبیاں مجھے عطا فرمادیں اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ سب خوبیاں معرض زوال میں ہیں ذرا سی بیماری و ضعف میں سب جاتی رہینگی پس دوسرے کے عطیہ اور وہ بھی ناپائیدار عطیہ پر عُجب کیسا اور اگر علم یا عمل زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت یعنی اختیاری افعال پر ناز ہو تو اسمین غور کرو کہ یہ کمالات اور محاسن کیونکر حاصل ہوئے؟ اگر حق تعالیٰ ذہن رسا اور طاقت و ہمت دماغ و بینائی ہاتھ پاؤن قصد و ارادہ مرحمت نہ فرماتا تو کیونکر کوئی کمال حاصل ہوتا اُسیکا حکم تھا کہ کوئی حارج و مانع پیش نہین آیا۔ ورنہ مین مجبور تھا کچھ بھی نہ کرسکتا تھا اگرچہ انسان کو اختیار و ارادہ دیاگیا ہے جس سے انسان اچھے برے کام کرتا ہے مگر یہ عطا بھی تو اوسی خدا کی ہے اور پھر تمام اسباب کا مہیا کردینا اور کامیابی سبکچھ خدا ہی کے اختیار مین ہے ایسی حالت مین ناز کیسا؟ اگر خزانہ کی کنجی بادشاہ کے ہاتھ مین ہوا اور وہ خزانہ کھولکر تمھارے حوالہ کردے اور تم حسب منشا جواہرات گود مین بھرلو اور ناز کرو کہ مین نے اتنا روپیہ حاصل کیا تو احمق سمجھے جاؤگے کیونکہ گو سمیٹنے والے تم تھے مگر خزانہ تو شاہی تھا اور کنجی تو بادشاہ ہی کے ہاتھ مین تھی اوسی نے تمپر احسان کیا اوسی نے کنجی عطا فرمائی اور اوسی کی اجازت سے تم خزانہ کی کوٹھری مین داخل ہوئے پھر تمھاری خود پسندی کیسی؟

فصل تعجب تو اسپر آتا ہے کہ عاقل وسمجھدار پڑہے لکھے ہوشیار لوگ جاہل بنجاتے اور اپنی عقل وعلم پر ناز کرنے لگتے ہین اگر کسی جاہل یا بے وقوف کو تونگر پاتے ہین تو تعجب کرتے ہین کہ ایسا کیون ہوا ہم عالم وعاقل ہوکر مال سے محروم رہین اور یہ جاہل ونادان بنکر مالدار ومتمول بنجائے؟ بھلا کوئی پوچھے کہ علم وعقل تو تم کو نصیب ہوا اور جاہل اس نعمت سے محروم ہے ایسا کیون ہوا؟ کیا ایک نعمت کو دوسری نعمت کا سبب سمجھکر استحقاق جتاتے ہو اگر علم ومال دونون تمکو ملتے اور جاہل فقیر دونون سے محروم رہتا تو درحقیقت زیادہ تعجب کی بات تھی بھلا کوئی پادشاہ تمکو گھوڑا مرحمت فرمائے اور دوسرے کو غلام تو کیا یون کہوگے کہ اوسکو غلام کیون ملا اوسکے پاس گھوڑا تو ہے نہین مین چونکہ گھوڑا رکہتا ہون اسلئے غلام بھی مجھ ہی کو ملنا چاہیئے تھا ایسا خیال بڑی بیوقوفی وجہالت ہے عقلمندی کی یہ بات ہو کہ عطاء خداوندی پر شکریہ اداکرو اور سمجھ لو کہ حق تعالی کا بڑا کرم ہے کہ اسنے ابتداءً بلا استحقاق مجھپر کرم فرمایا اور عقل وعلم جیسی نعمت مرحمت فرمائی جسکے مقابلہ پر مال کی کوئی حقیقت نہین ہے اور پھر شکر گذاری وعبادت کی توفیق مرحمت فرمائی اور دوسرونکو اس سے محروم رکھا حالانکہ یہ محرومی بھی کسی جرم سابق کی سزا یا قصور کا عیوض نہین ہے پس جب ایسا خیال کروگے تو خوف الہی پیدا ہوگا اور سمجھوگے کہ جسنے بلا استحقاق انعام فرمایا ہے وہ اگر بلا قصور تمھین بھی لے تو کوئی چون نہین کرسکتا اور کیا خبر ہے کہ یہ نعمت مکر واستدراج ہوا اور وبال جان اور عذاب کا سبب بنجائے کیونکہ حق تعالی فرماتا ہے کہ "ہمنے اونپر ہر نعمت کے دروازے کھولدئے یہانتک کہ جب خوش ہوگئے اور پھولے نہ سمائے تو یکایک دہر پکڑا" جب یہ خیالات ذہن نشین ہونگے تو خشیت اور خوف کسیوقت دور نہوگا اور کسی نعمت پر نازان اور خوش نہوگے پس آسانی سے عجب سے نجات ملجائیگی

دسوین اصل ریا کا بیان

حق تعالی فرماتا ہے کہ "افسوس ہے اُن نمازیون پر جو نماز سے غافل وبے خبر ہین۔ دکھاوے کی نمازین پڑھتے ہین" مسلمان کا یہ کام ہے کہ اعمال مین اخلاص پیدا کرے اور ریا ونمود سے اپنے اعمال وطاعات کو بچائے کیونکہ ریا شرک اصغر ہے حدیث مین آیا ہے کہ قیامت کیدن جب اللہ تعالی بندونکو جزا وسزا مرحمت فرمانے لگیگا تو ریاکارونکو حکم دیگا کہ جاؤ اونہین کے پاس جنکے دکھانیکو نمازین پڑھتے اور عبادتین کیا کرتے تھے اونہین سے اپنی عبادتون کا ثواب اور طاعات کا صلہ لیلو دیکھو کیا دیسکتے ہین؟ دوسری طویل حدیث مین آیا ہی کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کی شاہنشاہی عدالت مین غازی اور عالم اور سخی کی پیشی ہوگی اور تینون اپنے جہاد

فی سبیل اللہ اور تعلیم و تعلم و مشغلۂ علم دین اور خیرات و صدقات کا اظہار کرینگے اسپر حکم ہوگا کہ یہ سب اعمال چونکہ تم لوگون نے دکھاوے اور نام کی غرض سے کئے تھے تاکہ لوگ کہین کہ فلان شخص غازی ہے فلان شخص بڑا عالم ہے فلان شخص بڑا سخی ہے سو یہ باتین حاصل ہولین دنیا مین تمھاری شہرت ہوچکی لوگون نے تمھاری منشاء کے موافق تمکو غازی و عالم و سخی پکار لیا اب کیا چاہتے ہو جاؤ جہنم مین" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جس عمل مین ذرہ برابر بھی ریا ہوگا حق تعالی اوسکو ہرگز قبول نہ فرمائیگا عیسیٰ علیہ السلام نصیحت فرماتے ہین کہ کوئی روزہ رکھے تو مناسب ہے کہ سر اور ڈاڑھی اور ہونٹون کو تیل سے چکنا کرلے تاکہ لوگ روزہ دار نہ سمجھین اور خیرات کرے تو بائین ہاتھ کو بھی خبر ہونے دے نماز پڑھے تو پردہ ڈال لے اسی لئے حضرت فاروق نے اوس شخص کو تنبیہ فرمائی جو سر جھکائے بیٹھا تھا اور یون فرمایا کہ "گردن اوٹھا کیونکہ خشوع قلب سے ہوا کرتا ہے گردن سے نہین ہوتا" لوگون کے دلون مین عبادت و عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت و منزلت کا خواہان ہونا ریا کی حقیقت ہے اور یہ مقصود کے بالکل مخالف ہے چونکہ عبادت مین جس سے حق تعالی کی رضامندی درکار تھی دوسرا شریک ہوگیا ہے اسلئے اسکا نام شرک اصغر ہے۔ یاد رکھو کہ ریا چھ طرح سے ہوتی ہے۔

اول۔ بدن کے ذریعہ سے مثلاً تنکلل و غنودگی کا اظہار تاکہ لوگ روزہ اور شب بیداری کا گمان کرین یا غمگین صورت بنانا تاکہ لوگ سمجھین کہ آخرت کی بڑی فکر ہے پراگندہ بال رہنا تاکہ لوگ سمجھین کہ دین مین نہایت درجہ مشغول ہین اپنی بھی خبر نہین اتنا وقت ہی نہین ملتا کہ بال سنوارین یا خط بنوائین۔ آواز پست اور آہستہ نکالنا تاکہ لوگ سمجھین کہ ریاضت و مجاہدہ کے باعث یہان تک ضعف ہے کہ آواز نہین نکلتی۔

دوم۔ ہیئت کے ذریعہ سے مثلاً رفتار مین نرمی و ضعف پیدا کرنا یا سر جھکانا مونچھون کا منڈوانا سجدہ کے نشان کا باقی رکھنا آنکھون کا بھیچنا اور ایسی صورت بنانا جس سے لوگ سمجھین کہ وجد مین ہین یا مکاشفہ مین مشغول ہین یا فکر مین مستغرق اور محو ہین۔

سوم۔ مشابہت اور لباس مین ریا مثلاً صوف اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننا اور پنڈلی تک پائجامہ چڑھانا کپڑون کا بوسیدہ اور میلا کچیلا رکھنا تاکہ لوگ صوفی سمجھین حالانکہ تصوف کی حقیقت و ماہیت بھی نہین جانتے یا چوغہ اور ڈھیلی آستینون کا جبہ پہننا تاکہ لوگ عالم سمجھین یا عمامہ پر رومال باندھے رکھنا اور جرابین پہنے رہنا تاکہ کوئی سمجھے بڑے متقی ہین راستہ کے غبار تک سے پرہیز ہے۔ پھر ان مین بھی دو قسم

کے لوگ ہوتے ہین بعض تو صوفیا اور دیندارون کے دلونمین عزت و منزلت کے خواہان ہوتے ہین اور ہیئت ایسی نیت سے سیلے کچیلے پرانے کپڑے پہنتے ہین اگر انکو کوئی نیا کپڑا جسکا پہننا شرعاً مباح ہو اور سلف نے بھی پہنا ہو دیا جاوے تو ایسا ناگوار گذرے جیسے کسی نے ذبح کر دیا بات یہہ ہے کہ ان کا تو مطلب فوت ہوا جاتا ہے کیونکہ لوگ بنظرِ حقارت دیکھنے لگینگے اور کہینگے کہ صوفی صاحب نے زہد و تصوف بدل دیا اور بعض اُمرا و تجار مین وقعت کے خواہشمند ہوتے ہین اور سوچتے ہین کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے تو اُمرا بنظرِ حقارت دیکھینگے اور پاس بیٹھنے سے نفرت کرینگے اور اگر فاخرہ لباس پہنین تو زاہد و صوفی نہ سمجھے جائینگے اسلئے اعلیٰ درجہ کے بیش قیمت باریک کپڑے رنگوا لیتے ہین اگر ان کی قیمت دیکھئے تو بہت اعلیٰ لباس کے برابر ہے اور رنگ و ہیئت دیکھئے تو درویشانہ و صوفیانہ اگر انکو پھٹے کپڑے پہننے کو دیجئے تو سخت ناگوار گذرے کیونکہ امیرون کی نظر سے گر جانیکا سبب ہے اور پشمینہ یا بانات یا کوئی دوسرا بیش قیمت کپڑا جو شرعاً مباح ہو پہنائیے تو وہ بھی موت سے زیادہ ناپسند کیونکہ زاہد اور صوفی نہ سمجھے جائینگے درویشونکی جماعت سے خارج ہو جائینگے پس یہی ریا کی شناخت اور علامت ہے اللہ پناہ مین رکھے۔

چہارم گفتگو اور زبان مین ریا جیسے واعظ اور ناصح لوگ زبان موڑ موڑ کر مقفّٰے اور مسجع عبارتین بنا بنا کر سلف صالحین کی نقل اوتارتے اور محض دکھاوے کی غرض سے کبھی آواز پتلی اور کبھی غمگین بناتے ہین۔ حالانکہ دلمین اثر خاک نہین بلکہ محض بناوٹ و تصنّع ہے تاکہ لوگ عالم و صوفی اور نمونۂ سلف سمجھین۔ اسیطرح حفظ حدیث کا اور مشایخ سے ملاقات کا دعویٰ و اظہار کرنا اور کسی حدیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونیکا جلد حکم لگا دینا تاکہ لوگ محقق اور ماہر فن سمجھین یا بدکاری و معصیت پر زبان سے آہ و افسوس کے کلمات نکالنا یا خلاف شرع باتون سے نفرت ظاہر کرنا اور کڑھنا حالانکہ دلمین رنج نام کو بھی نہین بلکہ یہ سب کچھ محض اسغرض سے ہے کہ لوگ پارسا اور اللہ والا متبع شریعت سمجھین۔

پنجم عمل مین ریا مثلاً قیام زیادہ کرنا رکوع و سجدہ مین دیر تک رہنا سر جھکانا کسی جانب توجہ نہ کرنا پلکون کو جھکائے رکھنا وغیرہ تاکہ لوگ عابد و زاہد عفیف و پارسا سمجھین حالانکہ اللہ پاک خوب جانتا ہے کہ دل ان باتون سے بالکل کورا اور خالی ہے اور اس کی شناخت یہ ہے کہ جب اکیلے نماز پڑھتے ہین تو گھوڑا سا چھوڑ دیتے ہین اور اگر کسیکو دیکھتا معلوم کرلین تو فوراً سکینت و وقار کی حالت بنا کر نماز اطمینان سے ادا کرنے لگتے ہین تاکہ خشوع و خضوع سمجھا جاوے۔ یہ اگر ریا نہین تو کیا ہے؟

ششم شاگردون اور مریدون کی کثرت اور مشائخ کا اکثر ذکر کرنے مین ریا ہوتا ہے تاکہ لوگ سمجھین کہ
انکی بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات ہوئی ہے اور بعض چاہتے ہین کہ سلاطین و اُمرا اور علماء و صلحا زیارت
کرنے آئین تاکہ یہ مشہور ہو جائے کہ ایسے بزرگ ہین جنکی خدمت مین ایسے بڑے لوگ حاضر ہوتے اور واجب التعظیم
سمجھتے ہین۔ خوب یاد رکھو کہ یہ سب دین مین ریاکاری ہے اور ریا حرام و کبیرہ گناہ ہے اللہ تعالی محفوظ رکھے۔

(فصل) ریا کے حرام ہونے کی دو وجہ ہین اوّل تو یہ کہ لوگون کو دہوکہ دیکر اپنا معتقد بنانا ہے اور دہوکہ
حرام ہے اگر کوئی شخص لوگون کو اس طریقہ سے روپیہ دے کہ وہ یہ سمجھین کہ ہمکو عطا کیا گیا ہے حالانکہ
یہ قرض دیتا ہے تو چونکہ اشتباہ اور دہوکہ ہے اسلیئے یہ بھی معصیت ہے چہ جائیکہ یہ خیال پیدا کرانا کہ مین
نیکوکار ہون قابل تعظیم ہون اور اسطرح پر لوگون کے دلون پر قبضہ کرنا پھر ایسا مکار کیون نہ فاسق کہا جائے
دوم۔ ریاکاری حق تعالی کی شان مین گستاخی کرنا ہے اگر کوئی شخص بادشاہ کے حضور مین خادم بنکر
کھڑا ہوا اور اس کھڑے ہونیسے اوس کی غرض اپنے آپ کو شاہی خدمتگار اور ذلیل و محتاج غلام ظاہر کرنیکی
نہو بلکہ بادشاہ کے غلامون مین سے کسی غلام کو تکنا یا کسی کنیز کا دیکھنا بھالنا مقصود ہو تو ضرور گستاخ
سمجھا جائیگا اور مجرم قرار پائیگا اسیطرح جب عبادت مین حق تعالی کی خوشنودی مقصود نہوئی بلکہ بندے
مطلوب ہوئے کہ وہ اسکو نیکوکار سمجھین اور اسکے معتقد ہون تو گویا بندون کو خدا کی بہ نسبت اپنے نفع و
نقصان پر زیادہ قادر سمجھا اور دلمین بندون کی یہانتک عظمت ہوئی کہ عبادت بھی اونہین کے نذر
کردی یہی وجہ ہے کہ ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے پھر اس غرض اور نیت مین جتنا فساد زیادہ ہوگا اسیقدر
گناہ زیادہ ہوگا کیونکہ بعض ریاکارون کا اس ریا سے صرف یہی مقصود ہوتا ہے کہ لوگ میری عزت
کرین اور معتقد سمجھین اور بعض کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ لوگ مجھے دیندار سمجھکر میرے پاس امانتین رکھین
اور مین اونکو ہضم کرون۔ اوقاف کا متولی بنائین یا یتیمون کے مال سپرد کرین اور انکو اڑانے کھانے
کا مجھے موقع ملے ظاہر ہے کہ اس کا گناہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اور بعض کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ مجھے
نیکبخت سمجھکر عورتین اور لڑکے میرے پاس آنے لگین اور زنا و لواطت کا موقع ملے یا مال ہاتھ آئے
تاکہ فسق و فجور اور لہو و لعب مین خرچ کرسکون اس کا گناہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ اللہ تعالی کی عبادت کو
معصیت اور اسکی مخالفت کا وسیلہ بنالیا (والعیاذ باللہ)

(فصل) اسیطرح جن عبادتون مین ریا ہوتا ہے وہ بھی مختلف درجہ کی ہین جنمین بعض کا گناہ بعض سے

زیادہ ہی۔ اوّل اصل ایمان مین ریا مثلاً منافق جسکے دلمین ایمان کا نام بھی نہین مگر صورت مسلمانون کی بنا رکھی ہی تاکہ لوگ کافر سمجھکر جان و مال حلال نہ سمجھ لین یا ملحد و مرتد جسکا ایمان جاتا رہا مگر وہ اپنی آپ کو مسلمان ہی ظاہر کر رہا ہے اِس ریا کا گناہ تو نہایت سخت ہی چنانچہ کلام مجید مین مذکور ہے کہ "منافق جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے مین ڈالے جائینگے" دوسرا درجہ اصل عبادتون مین ریا کرنیکا ہی مثلاً لوگون کے سامنے نماز پڑہنا اور زکوٰۃ دینا اور اگر تنہا ہون کوئی موجود نہو تو نہ نماز ہے نہ زکوٰۃ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ عبادت محض لوگون کے دکھانیکو ہی مگر اللہ تعالیٰ تو دلون کے حالات سے واقف ہی وہ خوب جانتا ہی کہ عبادت کس نیت سے ہو رہی ہے؛ تیسرا یعنی ادنیٰ درجہ یہ ہی کہ اصل فرائض مین تو ریا نہین ہی مگر مستحبات و نوافل لوگونکے دکھلانیکو ہین جیسے اگر لوگ موجود ہون تو زیادہ نفلین پڑہی جاتی ہین اور فرضون کو سنبہال سنبہال کر ادا کیا جاتا ہے۔ عرفہ و عاشورا کا روزہ بھی رکہا جاتا ہی زکوٰۃ کی مد مین بھی عمدہ اور نفیس مال نکالا جاتا ہے اور اگر خلوت و علیحدگی ہو تو نہ نماز ٹھیک ہے نہ وہ نفلین ہین نہ نوافل روزے ہین فرض نماز پڑہتا ہی مگر ایسی جلد گویا از بر یاد ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے مگر بار اوتار نیکو ردی مال مین سے۔ غرض گو اسکا گناہ ایمان اور فرایض مین ریا کے گناہ سے کم ہے مگر یہ بھی حرام ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ کبھی ریا کے قصد مین تفاوت کی وجہ سے گناہ کے اندر کمی بیشی ہو جاتی ہے مثلاً عبادت سے مقصود بالکل ریاکاری ہو اور عبادت کا قصد ہی نہو جیسے بلا وضو لوگون کے دکھانیکو نماز پڑہنا یا روزہ رکہنا کہ خلوت مین گئے اور افطار لیا۔ تو اس کا گناہ تو نہایت ہی سخت ہی اور کبھی عبادت بھی مقصود ہوتی ہے مگر ریا کی بھی اوسمین آمیزش ہوتی ہی اسکے تین درجے ہین۔

پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مقصود عبادت محض ہی اگر تنہا بھی ہوتا تب بھی اسیطرح نماز پڑہتا جیسے لوگون کی موجودگی مین پڑہی ہی مگر چونکہ دوسرون نے نماز پڑھتے دیکھا ہی اسلئے طبیعت خوش ہو گئی اور نماز کا پڑہنا گران نہ معلوم ہوا اِتنی مقدار مین تو امید ہی کہ حق تعالیٰ یہ عبادت قبول فرمالے اور ثواب مرحمت فرماوے اور اِس مقدار ریا کی علیحدہ سزا دے یا ثواب مین کمی فرماوے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ عبادت کا قصد مغلوب ہو جائے یعنی یہ حالت ہو کہ جتنی عبادت لوگونمین بیٹھکر ہوتی ہے اوس قدر تنہائی و خلوت کی حالت مین ہرگز نہین ہوسکتی پس یہ عبادت جسکی ریاکاری کی یہ حالت ہو ہرگز قبول ہونیکے قابل نہین ہی کیونکہ گو عبادت کا بھی خفیف سا قصد و ارادہ ہی مگر اس مغلوب قصد کا کچھ اعتبار

نہین ہی اسلئے اِس حالت کو صریح ریا کاری سمجھا جائیگا اور ایسی عبادت پر سخت عذاب کا اندیشہ ہے۔
تیسرا درجہ یہ ہی کہ عبادت اور ریا دونون مساوی اور برابر درجہ مین مقصود ہون مثلاً عبادت سے جسقدر طاعت مقصود ہو اسیقدر ریا یعنی لوگون کو دکھلانا بھی مقصود ہو یہ ایسی حالت ہی جسمین نفع نقصان برابر ہے شاید نہ عذاب ہو نہ ثواب ملے مگر حق تعالیٰ فرماتا ہی کہ مین شرک سی نہایت مستغنی ہون اِس بنا پر کچھ عجب نہین کہ نقصان کو ترجیح دیکر اس عبادت کو بھی باطل کہا جائے اور غیب کی خبر تو خدا کو ہے کہ ایسے شخص سے کیا معاملہ ہوگا؟ لیکن بظاہر یہ حالت گناہ سی خالی نہین معلوم ہوتی۔
(فصل) ریا کبھی تو جلی اور ظاہر ہوتا ہے مثلاً یہ حالت کہ تنہائی مین ایسی عبادت نہین ہوتی جیسی لوگون کے سامنے ہوتی ہی اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتا ہی مثلاً کوئی شخص ہمیشہ تہجد پڑھتا ہے اور جب کوئی مہمان آجائے تو نشاط و مسرت زیادہ ہوجاتی ہی اور اس سی زیادہ مخفی ریا یہ ہی کہ کسی کے موجود ہونیسے نشاط مین بھی زیادتی نہو مگر اثناء عبادت مین یا فارغ ہونیکے بعد اگر کوئی شخص اس عبادت پر مطلع ہوجائے تو دل مین ایک قسم کی فرحت و خوشی پیدا ہوتی ہی اس سی معلوم ہوا کہ دلمین ریا اِسطرح چھپا ہوا ہی جسطرح راکھ مین آگ ہوتی ہے جبھی تو دوسرون کے مطلع ہونے پر خوشی پیدا ہوئی۔ اور اس سی بھی زیادہ مخفی ریا یہ ہی کہ اطلاع سے بھی خوشی نہو لیکن اس کا آرزومند ہے کہ لوگ میری تعظیم کرین سلام و مصافحہ مین ابتدا کرین معاملات مین رعایت کرین اور اگر کوئی شخص اسکے ساتھ کچھ بُرائی کر بیٹھتا ہی تو اسکو تعجب ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ یہ بھی ریا ہے کیونکہ اِن خیالات اور آرزوؤن سی معلوم ہوا کہ لوگون پر اپنی طاعت و عبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہی اور لوگون سے اسنی اپنے ریا کو چھپا رکھا ہے مگر اس کا اتنا اثر ضرور ظاہر ہے کہ توقیر و احترام کی خواہش ہی اِس قسم کے ریا بھی گناہ[عہ] ہین جنسے صدیقین ہی خالی ہوتے ہین اس حالت مین اعمال کے حبط ہوجانیکا اندیشہ ضرور ہے البتہ اگر دوسرون کے اِس عبادت پر مطلع ہوجانیسے خوشی اس بنا پر ہوئی ہو کہ "اللہ کا شکر ہی جسنے ہمسے عمل نیک اور فعل جمیل ہی کا اظہار کیا اور کسی معصیت و فعل قبیح پر کسیکو مطلع نہین ہونے دیا یہ ستاری کی صفت کا ظہور ہے مین تو دونون مین سے کسی کا بھی اظہار نہین چاہتا تھا مگر خیر لوگ مطلع ہوئے تو فعل خیر ہی پر ہوئے فعل شنیع پر نہوئے" یا مثلاً اسوجہ سے خوشی ہو کہ "اِس عبادت پر لوگون کے مطلع ہونیسے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن بھی مجھسے اچھا ہی معاملہ فرمادیگا۔ کیونکہ دنیا مین ستاری فرمارہا ہے" یا اِسوجہ سے خوشی ہوئی کہ "اِطلاع کے باعث دوسرون کو بھی ہمت

عہ گناہ ہین مگر صغیرہ - ۱۲ مولانا التھانوی مدظلہ

ہوگی اور میرا یہ فعل دوسرون کی عبادت کا سبب بنجائیگا" تو اس قسم کی خوشی مین کوئی مضائقہ نہین ہے اور اسکی علامت یہ ہی کہ دوسرے شخص کی عبادت پر بھی کوئی مطلع ہوجائے تو اس اطلاع سے بھی اتنی ہی خوشی ہوتی ہو جتنی اپنی عبادت پر دوسریکے مطلع ہونیسے خوشی ہوئی تھی کیونکہ دوسرون کا عبادت مین رغبت کرنا اور اقتدا کی تعلیم پانا دونون صورتون مین مساوی ہے پس اگر مطلع ہونے والون کی عبادت مین رغبت اس خوشی کا باعث ہوئی ہوگی تو اپنا نفس اور غیر شخص دونون مساوی ہونگے۔ اسیوجہ سے کہ ریا نہایت درجہ پوشیدہ ہوتا اور دلپر چھپکے چھپکے حملہ کرتا اور برا اثر ڈالتا ہے سلف نے نہایت درجہ احتیاط کی اور اپنی عبادتون کو حد سے زیادہ مخفی رکھا ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین قیامت کے دن فقراء سے خطاب ہوگا "کیا ہمنے تمھارے لئے ارزانی نہین کررکھی تھی کیا تمکو لوگ سلام مین ابتدا نہین کرتے تھے کیا تمھاری ضرورتین جلد رفع نہین ہوتی تہین تم اپنے اعمال کا بدلہ دنیا مین لے چکے ہو اب یہان تمھارے لئے کچھ باقی نہین"۔ اسلئے اگر خلاصی چاہتے ہو تو لوگون کو چوپاؤن[عہ] اور بچون جیسا سمجھو جنکا ہونا نہونا برابر ہو علم وجہل اور واقفیت و ناواقفیت مساوی ہو خدا ہی کا علم کافی ہے اُسیکو عبادت دکھلاؤ کیونکہ وہی اجر دیسکتا ہی دوسرا کچھ نہین دیسکتا اگر ایسا کروگے تو نفع پاؤگے ورنہ سخت ضرورت کے دن یعنی میدان حشر مین ہاتھ خالی رہجاؤگے۔

(فصل) شاید تمھارا یہ خیال ہو کہ اس قسم کے خفی ریا سے تو بچنا محال ہے البتہ جلی ریا سے آدمی بچ سکتا ہے پھر نہ معلوم کون سی عبادت صحیح ہے اور کونسی فاسد اسلئے ہم اس کی بھی تشریح کئے دیتے ہین عبادت مین ریا تین قسم کا ہوتا ہے یا تو اول ہی سے ہو مثلاً نماز کا پڑھنا اول سے آخر تک محض لوگون کے دکھلانے اور نمازی کہلانے کو ہے۔ یہ صورت تو نماز کیلئے مُفسد ہے بالکل نماز نہوگی کیونکہ عبادت کی نیت ہی صحیح نہین ہوئی اور بلانیت کوئی عمل معتبر نہین اور اگر کوئی شخص مثلاً نماز تو خلوت و جلوت دونون صورت مین پڑھتا ہی مگر اول وقت مین پڑھنا ریا کی نیت سے ہے تو اس صورت مین بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرض ادا ہوجائیگا البتہ اول وقت کی فضیلت حاصل نہوگی کیونکہ اسمین ریا موجود ہے اور قصد ریا کا گناہ ہوگا سوا الگ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اثناء عبادت اور تکمیل طاعت مین ریا ہو مثلاً نماز پڑھنے مین کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آگئی یا کوئی تماشہ ہونے لگا اسی صورت مین اگر خلوت ہوتی تو نماز توڑ دیتا مگر لوگون سے شرم

عہ اسمین صوفیہ ایک قسم کی تحقیر ہے اسلئے میرے نزدیک اسکو فرشتون سے تشبیہ ہے کیونکہ فرشتون سے انسان ریا نہین کرتا اسکی وجہ یہی ہے کہ اون سے کوئی کام نہین

اور اس خیال سے نماز کو پورا کیا کہ دیکھنے والے کہینگے " دیکھو نماز توڑ دی " تو اس نماز کو بھی باطل کہینگے کیونکہ نیت عبادت کا اوّل سے آخر تک رہنا ضروری ہے اور جب درمیان مین ریا کی وجہ سے نیت ٹوٹ گئی تو نماز بھی ٹوٹ گئی یا مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور لوگون کو دیکھتے ہوئے پاکر اس خیال سے کہ میری عبادت پر مطلع ہوگئے طبیعت کو اس درجہ خوشی ہوئی کہ اصل نیت بالکل مغلوب ہوگئی اور نماز کا کوئی رکن ایسی حالت مین ادا ہوا جسمین اطلاع اور لوگون کی آگاہی کو زیادہ دخل ہے تو غالب یہ ہے کہ یہ نماز بھی صحیح نہین ہوئی کیونکہ گو نیت منقطع نہین ہوئی مگر ایسی مغلوب ہوگئی ہے جس کا عدم و وجود برابر ہے پس نماز باطل کہی جائیگی۔ ہان البتہ اگر معمولی درجہ کی خوشی ہو اور سبب عبادت محض رضا و حکم الہی باقی رہے تو نماز صحیح ہوجائیگی مگر قصد ریا کا گناہ ضرور ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عبادت سے فراغت کے بعد ریا پیدا ہوا مثلاً لوگون کے مطلع ہوجانے سے مسرت ہوئی یا بعد فراغت فخریہ اظہار کرتا پھرتا ہے تو اس کو عبادت کے صحت و فساد سے کوئی علاقہ نہین ہے البتہ اس مسرت و اظہار کا گناہ ہوگا۔ اور پھر یہ اظہار عبادت صراحتاً کنایتہً تعریضاً جسطرح اور جس حیثیت سے بھی ہو اس سے ریا کے جلی و خفی ہونے کا خود اندازہ ہوسکتا ہے۔

(فصل) ریا بڑا مہلک مرض اور سخت بلا ہے اس کا علاج نہایت مستعدی کے ساتھ ہونا چاہیئے اکثر ریا کا سبب یا مدح کی محبت و خواہش ہوتی ہے یا حرص و طمع اور یا مذمت کا خوف و اندیشہ مثلاً کوئی شخص میدان جنگ مین اس غرض سے بہادری دکھائے کہ لوگ شجاع کہین یا عبادت کرے تاکہ لوگ عابد و متقی کہین یہ تو حب مدح ہے اس کا علاج وہی ہے جو حب مدح کے علاج مین سابقاً بیان ہوچکا ہے کہ یہ فرضی و وہمی کمال ہے جس کا کچھ اعتبار نہین آج مرے کل دوسرا دن سب یہین رہجائیگا۔ حقیقی کمال وہ ہے جو مرنے کے بعد بھی ساتھ رہے یعنی معرفت الہی جسکو فنا ہی نہین اور فانی مخلوق کے فنا ہوجانیوالے تعریفی الفاظ تو سب بے حقیقت ہین۔ خاصکر ریا مین اس کا بھی خیال کرنا اس مرض کے لئے مفید ہوگا کہ یہی بہادری و عبادت جو آج شجاع و عابد کہلا رہی ہے قیامت کے میدان مین ساری مخلوق کے سامنے ذلیل کرائیگی اور فاجر و دھوکہ باز نام رکھائیگی۔ اسپر طرّہ یہ کہ کیا کرایا سب بیکار ہوجائیگا اور اعمال حبط ہوجائینگے۔ لوگونکی رضامندی اور ناپائیدار مدح کے معاوضہ مین حق تعالی کا غصہ اور محشر کی رسوائی و ذلت خریدنا کسقدر عقل کے خلاف ہے۔ اور یہان بھی حق تعالی چاہے تو جن کی رضامندی چاہتے ہو انکو بھی ناراض کردے

اور مدح کے بدلے آدمی ہی مذمت کرنے لگین کیونکہ قلوب اور زبانین اوسی کے قبضہ مین ہین پس چند روزہ موہوم
تعریف کو حق تعالیٰ کی رضامندی پر جو اصلِ سعادت ہی کیونکر ترجیح ہوسکتی ہے؟

اِسیطرح اگر مذمت کا خوف ریا کا باعث ہو تو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اگر مین عنداللہ پسندیدہ
ہون تو لوگون کی مذمت کچھ نقصان نہین پہونچا سکتی پھر خوف کیا؟ مخلوق کی مذمت کے موہوم اندیشہ
کے باعث حق تعالیٰ کو ناراض رکھنا دُنیا مین بھی ذلیل و رُسوا کردیتا ہے بھلا اگر یہ باطنی ریا لوگون کو
معلوم ہوجائے تو یہ خوف کیا نفع دیگا؟ جس سے ڈرتے ہو وہ سامنے آجائیگا اور اگر اخلاص کیساتھ
حق تعالیٰ کو راضی رکھنے کیلئے طاعت کروگے تو جن لوگونکی مذمت کا خوف ہے وہ بھی دوست بنجائینگے۔

ریا کا تیسرا سبب حرص و طمع ہے اگر یہ سبب ہو تو خیال کرو کہ جس چیز کی طمع ہے اوس کا ملجانا
موہومی بات ہے اور اِس ریا کی بدولت حق تعالیٰ کی رضامندی یقیناً ہاتھ سے جاتی رہیگی بھلا موہوم
اُمید پر غضبِ خداوندی مین گرفتار ہونا کون پسند کرسکتا ہے؟ حق تعالیٰ مُقلّب القلوب ہے جس
دُنیاوی مطلب کے لئے طاعت کر رہے ہو وہ بھی نہ حاصل کرسکوگے بلکہ مخلوق کے سامنے طمع کرنے مین
ذلّت و رُسوائی اوٹھاؤگے احسانمند ہوگے ہمیشہ گردن نیچی رہیگی اور اگر بے طمع ہوجاؤگے تو
حق تعالیٰ تمام ضرورتون کا خود کفیل ہوجائیگا۔ اور مخلوق بطور خود تمھاری مطیع ہوجائیگی اور پھر
جو کچھ دائمی لذیذ نعمتین ملینگی وہ اِسکے علاوہ ہین غرض اِن یقینی اور سچی باتون کو ذہن نشین کرلوگے
تو ریا کا نام و نشان بھی نہ رہیگا اور حق تعالیٰ اخلاص کی توفیق مرحمت فرمادیگا۔

(فصل) اِسکے بعد غالباً تمہین یہ فکر ہوگی کہ ریا سے نفرت تو بے شک پیدا ہوگئی مگر بعض عبادتون مین
مخلوق کے مطلع ہونے پر ایکایک ریا پیدا ہوجاتی ہی اس کا علاج معلوم نہین ہوا اِسلئے یہ نصیحت کرنی ضرور
ہوئی کہ جہان تک ہوسکے خلوت مین بیٹھکر تنہا عبادت کیا کرو اور اپنی طاعت کو اِسطرح چھپاؤ جسطرح عیوب
و معصیت کو چھپایا کرتے ہو حضرت ابو حفص حدادؒ کی مجلس مین کسی شخص نے دُنیا اور دُنیا دارونکی مذمت بیان
کی تو شیخ نے جواب دیا کہ "ہمارے حلقہ مین آج سے مت بیٹھا کرو جو کام تمہین چھپانا مناسب تھا تمنے اوسکو
ظاہر کردیا" عبادت کا اخفا شروع شروع ذرا دشوار معلوم ہوگا مگر پھر عادت پڑ جائیگی بلکہ مناجات اور
خلوت کی طاعت مین لذت آنے لگیگی اور جسوقت لوگونکی اطلاع سے مسرت و فرحت پیدا ہو معاً پچھلی باتون
کو یاد کرو اور سوچو کہ کمزور مخلوق کا میری طاعت پر مطلع ہوجانا ذرّہ برابر بھی نافع نہین ہی پھر مسرت کیسی؟

اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بنجانا بڑی خطرناک حالت ہے لیکن جسوقت یہ خیال کروگے تو وہ مسرت کراہیت سے بدلجائیگی اور جب کراہیت کا پلہ بھاری ہوگا تو عبادت اوسی اخلاص کیجانب چلی جائیگی جو مقصود ہے۔ اس سے زیادہ کے تم مکلف بھی نہیں ہو اگر پھر بھی مسرت کا اثر رہے تو یہ طبعی بات ہے اس کا خیال مت کرو کیونکہ یہ اختیاری نہیں ہے اور جو شے اختیاری نہیں ہے اسپر مواخذہ بھی نہ ہوگا۔ تمھارا بس اسقدر کام ہے کہ اپنی عبادت کو بالقصد ظاہر نہ کرو لوگون مین شائع اور مشہور کرنے نہ پھرو اور بطور خود اطلاع ہوجانے پر جو فرحت پیدا ہوجائے اُسکو مٹا دو اور کراہیت پیدا کرو جس سے اوس فرحت کا کوئی اثر نہ پیدا ہوسکے اسکے بعد جو کچھ حالت رہے وہ تمھاری قُدرت سے باہر ہے۔

(**فصل**) اس نیت سے عبادت کے ظاہر کردینے مین کچھ حرج نہیں ہے کہ لوگون کو رغبت ہوگی اور وہ بھی حق تعالیٰ کی عبادت کرنے لگینگے مگر ہان نیت صاف ہونی ضرور ہے اگر نفس امارہ اس حیلہ سے تمھارا شکار کرنا چاہے یا کسی پوشیدہ خواہش کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو ہرگز ہرگز اس کی جرءت نہ کرنا اور اسکی علامت یہ ہے کہ دل چاہ رہا ہو کہ اگر دوسرے ہی لوگ اس بوجھ کو اوٹھالین اور کسی دوسرے کی عبادت دیکھکر لوگون کو رغبت پیدا ہوجائے تو بہت بہتر ہے اور اگر یہ خواہش ہو کہ میری ہی عبادت دوسرے لوگون کی رغبت کا ذریعہ ہو اور مین مقتدا بنون اور مخلوق مقتدی ہو تو بھی ریا اور طلب شہرت و حب جاہ ہے اس صورت مین ظاہر ہے کہ اخلاص جاتا رہا۔ اسی بنا پر اپنے گناہون کا چھپانا جائز ہے بشرطیکہ اس نیت سے ہو کہ لوگ فاسق نہ کہین۔

گناہون کے مخفی رہنے پر خوش اور فاش ہونے پر رنجیدہ ہونے مین کچھ مضائقہ نہیں ہے عام ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم کی موافقت کے باعث ہو کیونکہ اللہ پاک معصیت کے چھپانے کو پسند اور اظہار کو ناپسند فرماتا ہے یا اپنی ایذا رفع ہونیکے سبب سے ہو کیونکہ معصیت کے فاش ہونے پر لوگون کو مذمت اور برائی بیان کرنے کا موقع ملتا ہے اور اس سے دلپر صدمہ ہوتا ہے اور یہ صدمہ اختیاری نہیں ہے بلکہ طبیعت کا اقتضا ہے اور یا حق سبحانہ کی شان ستاری پر مسرت کے باعث ہو بہرحال کسی نیت سے بھی کیون نہ ہو گناہون کے اخفا پر مسرت حرام نہیں ہے البتہ اپنی عبادت پر اس نیت سے خوش ہونا کہ لوگ تعریف کرینگے اور متقی و عابد سمجھینگے بیشک حرام ہے کیونکہ یہ خوش ہونا گویا عبادت کی اُجرت لینا اور مخلوق کی مدح کو اپنی طاعت کا معاوضہ بنانا ہے اور یہ ناجائز ہے اس مضمون کو دوسرے طریقہ سے یون سمجھو کہ معصیت کے ظاہر ہونے

مین عموماً حیا و شرم آتی ہے اور حیا چونکہ ریا نہین ہے اسلیے اس غرض سے معصیت کا چھپانا اور اوسپر خوش ہونا بھی حرام نہوگا بر خلاف عبادت کے کہ اوسکے اظہار پر مسرت کی سوائے ناجیز معاوضہ کی نیت کے کوئی معقول وجہ نہین ہے ۔ ہان طاعت وعبادت کا محض ریا کے اندیشہ سے چھوڑ دینا بھی نامناسب ہے البتہ اگر ایسے کام جنکو مخلوق سے تعلق ہے مثلاً امامت یا قضاء یا وعظ انمین ریا کا قوی اندیشہ ہو کہ نفس ضرور شرارت کریگا اور نیت مین اخلاص بالکل قایم نہ رہیگا تو بے شک ان کامون سے بھاگنا چاہئے کیونکہ سلف کا بھی طرز تھا اور اسمین بھتری ہے اور نماز روزہ خیر خیرات وغیرہ کا ریا کے اندیشہ سے چھوڑنا جایز نہین ہے البتہ اگر بالکل ہی اخلاص نہوا اور اوّل سے آخر تک رضاء حق تعالیٰ اور عبادت خداوندی کی قطعی نیت نہو محض اپنی جیسی محتاج مخلوق کے دکھلانیکو یہ کام کئے جایئن تو بے شک حرام ہے اور ترک اولیٰ ہے ۔ اور اگر کسی نیک کام کے تم عادی ہوا اور لوگ اتفاقیہ جمع ہوجاوین تو ریا کے اندیشہ سے اپنا معمول ترک مت کرو بلکہ عادت کے موافق کام کرو اور ریا کو جہان تک ہوسکے دفع کرو پاس نہ آنے دو ۔

خاتمہ

(حسن خُلق اور اوسمین نفس کے دہوکہ کا بیان)

اخلاق مذمومہ جنسے نفس کا تذکیہ کرنا ضروری ہے یون تو بہت ہین مگر اصول یہی دس ہین جنکو بالتفصیل ہم ذکر کر چکے ہین اور ان مین باہم ایسا تعلق ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا اور دوسرے کیساتھ تیسرا لگا ہوا ہے اسلیے جبتک سب سے نجات نہ ملیگی اوسوقت تک نفس قابو مین نہ آئیگا ایک کی اصلاح اور دوسرے سے بے پرواہی کچھ مفید نہوگی کیونکہ دس بیماریون کا گرفتار شخص تندرست اوسیوقت کہلائیگا جب دسون مرض جاتے رہین جسطرح کوئی خوبصورت آدمی حسین اوسیوقت کہلاسکتا ہے جب ہاتھ پاؤن آنکھ کان سب اعضا مناسب اور خوبصورت ہون علیٰ ہذا القیاس حسن خلق اوسیوقت حاصل ہوگا جب تمام باطنی حالات قابل تعریف اور پسندیدہ ہون ۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ " کامل مسلمان وہی ہے جس کا خلق کامل ہوا اور مومنین مین افضل وہی ہے جس کا خُلق سب سے احسن ہو " یہی اصل دین ہے اور اسکی تکمیل کیلیے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا مین تشریف لائے تھے حسن خُلق کی تحقیق اور تحدید اور ثمرات ونتایج مین محققین کے اقوال بکثرت ہین ہم اختصار کے طور پر اسکی تحقیق کرتے ہین ۔

جاننا چاہیئے کہ خَلق اور خُلق یعنی بفتح الخاء المعجمہ اور بضمہا جدا جدا دو لفظ ہین خَلق سے مراد صورت ظاہری

ہے اور خُلق سے مُراد صورت باطنی کیونکہ جسطرح انسان جسم سے مرکب ہے ہاتھ پاؤن آنکھ کان وغیرہ وہ اعضا اسکو دیے گئی ہین جنکو قوت بصارت یعنی آنکھین ادراک کرسکتی ہین اسیطرح انسان روح ونفس سے مرکب ہے جس کا ادراک بصیرت یعنی دل کی آنکھین کرتی ہین یہ ترکیب ان ظاہری آنکھون سے نظر نہین آتی اور ان دونون قسم کی ترکیب کو حق تعالی نے جُدا جُدا صورت وہیئت مرحمت فرمائی ہے کوئی اچھی ہے کوئی بُری ظاہری ہیئت کو صورت کہتے ہین باطنی ہیئت کو سیرت مگر سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ اسکو حق تعالی نے اپنی جانب منسوب فرمایا ہے آیہ کریمہ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي مین روح کو اپنا فرمایا اور قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي سے ظاہر فرمایا کہ روح امر ربانی ہے جسم کی طرح سفلی وخاکی نہین ہی کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب ہی جس کا اظہار آیۃ اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ مین ہوا ہے اور روح ونفس سے اس جگہ ہماری مراد ایک ہی شے ہے یعنی وہ شے جو حق تعالی کے الہام والقا سے اپنی اپنی استعداد کے موافق اشیاء کی معرفت وادراک حاصل کرتی ہے غرض نتیجہ نکل آیا کہ زیادہ قابل قدر ولحاظ امر ربانی یعنی سیرت انسانی ہے جب تک اس باطنی ترکیب کی تسکل مین حسن نہو گا اوسوقت تک انسان خوب سیرت نہین ہوسکتا اور چونکہ صورت کے ہاتھ پاؤن اعضا کی طرح اسکو بھی حق تعالی نے اعضاء مرحمت فرمائے ہین جنکا نام قوت علم قوۃ غضب قوت شہوت۔ قوت عدل ہے اسلئے جب تک یہ چارون اعضاء سڈول اور متناسب حدِ اعتدال پر نہونگے اوس وقت تک حسن نہ کہا جائیگا۔ ان باطنی اعضاء مین جو بھی کمی بیشی افراط تفریط ہوگی اوس کی مثال ایسی ہی کہ پاؤن گز بھر ہون اور ہاتھ تین گز کے یا ایک ہاتھ آدہ گز کا ہوا ور دوسرا گز بھر کا اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی خوبصورت نہین کہا جائیگا۔ اب ہم چارون اعضاء مذکورہ کا اعتدال وتناسب اور حُسن بیان کرتے ہین جن کا لحاظ ضروری ہے۔

اوّل قوۃ علم۔ اس کا اعتدال وحُسن یہ ہی کہ انسان اسکے ذریعہ سے اقوال کے اندر سچ اور جھوٹ مین امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق وباطل مین تفریق کرسکے اور اعمال مین حَسن اور قبیح یعنی اچھا اور بُرا پہچان سکے جس وقت یہ صلاحیت پیدا ہوجائیگی اوسوقت حکمت کا ثمرہ پیدا ہوگا جسکو حق تعالی فرماتا ہے کہ "جس شخص کو حکمت نصیب ہوئی اوسکو بکثرت بھتری مل گئی" اور درحقیقت تمام فضیلتون کی جڑ اور اصل یہی ہے۔

دوم وسوم۔ قوۃ غضب وقوۃ شہوت۔ ان کا اعتدال اور حُسن یہ ہے کہ حکمت اور شریعت کے اشارے

پر چلنے لگیں مہذب و مطیع شکاری کتے کی طرح بنجایئں کہ جدہر مالک چلانا چاہیں اوسی جانب بلا عذر چل پڑیں اور حملہ کریں اور جسوقت مالک روکنا چاہے فوراً خاموش ہوجائیں۔

چہارم۔ قوۃ عدل۔ اسکا اعتدال یہ ہے کہ قوت غضبیہ ورشہوت دونوں کو ضبط کرے اور دین وعقل کے اشارے کا ماتحت بنائے رکھے گویا عقل تو ناصح اور حاکم ہے اور یہ قوت عدل اوسکا پیشکار کہ جدہر حاکم کا اشارہ پاتا ہے اوسی جانب جھک جاتا اور احکام جاری کردیتا ہے اور قوت غضب وشہوت شکاری مرد کے مہذب کتے اور فرمان بردار گھوڑے کیطرح ہیں جنپر حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ واجرا ہوتا ہے پس جسوقت یہ حالت قابل اطمینان اور لایق تعریف ہوجائیگی اوس وقت انسان حسن الخلق اور خوب سیرت کہلائیگا اور انکی بدولت تمام اخلاق وعادات درست ہوجائینگے۔

قوت غضب کے اعتدال کا نام شجاعت ہے اور یہ عند اللہ پسندیدہ ہے اگر اسمیں زیادتی ہوگی تو تہور نام ہوجائیگا اور کمی ہوگی تو **بزدلی** کہلائیگی اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ناپسندیدہ ہیں اور حالت اعتدال یعنی شجاعت سے لطف وکرم اور دلیری وجودت۔ بردباری واستقلال۔ نرمی وملایمت اور غصہ کے ضبط کا مادہ اور ہر کام میں تھوڑا اندیشی ووفا پیدا ہوتا ہے اور اسمیں زیادتی ہوتی ہے تو ناعاقبت اندیشی اور ڈینگ مارنا شیخی بگھارنا۔ غصہ سے بھڑک اوٹھنا تکبر وخود پسندی ظاہر ہوتی ہے اور کمی ہوتی ہے تو بزدلی اور ذلت بے غیرتی وکم ہمتی خساست اور چھچھورا پن کہلاتا ہے۔ اور

شہوت کی حالت اعتدال کا نام پارسائی وپاک دامنی ہے اگر شہوت اعتدال سے بڑہجائیگی تو حرص وہوا کہلائیگی حالت معتدلہ یعنی پارسائی اللہ پاک کو پسند ہے اور اس سے جو خصایل پیدا ہوتے ہیں وہ سخاوت حیا صبر۔ قناعت۔ اتقا کہلاتے ہیں۔ طمع کم ہوجاتی ہے خوف وخشیہ اور دوسرونکی اعانت کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور حد اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص ولالچ خوشامد وچاپلوسی امرا سے تذلل اور فقرا کو بہ نظر حقارت دیکھنا۔ بے حیائی۔ فضول خرچی اور ریا وتنگدلی ونامردانگی حسد وغیرہ بدخصلتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور

قوت عقل میں اعتدال ہوتا ہے تو انسان مدبر ومنتظم اور ذکی وسمجھدار ہوتا ہے اسکی راے صائب ہوتی ہے اور ہر امر میں طبیعت چلتی اور جودت دکھاتی ہے اور حد اعتدال سے بڑہجائے تو دہوکہ بازی۔ فریب دہی اور مکاری کہلاتی ہے۔ اور نقصان وضعف رہجائے تو کند ذہنی وحماقت اور بے وقوفی

کھلاتی ہے ایسا آدمی جلد دوسرے کے دھوکے مین آ جاتا ہے۔ غرض جسوقت یہ قوتین حد اعتدال پر ہونگی اوسوقت انسان حسن الخلق کہلائیگا کیونکہ اعتدال سے بڑھنا اور گھٹنا دونون ناپسندیدہ حالتین ہین خیر الامور اوسطہا حق تعالی فرماتا ہے کہ "نہ اپنے ہاتھ گردن سے باندہ لو کہ بخل کرو اور نہ بالکل کھولدو کہ اسراف کرنے لگو" نیز فرماتا ہے کہ "ہمارے مقبول بندے وہ ہین جو نہ اسراف کرتے ہین اور نہ بخل و تنگی بلکہ اس کے بیچ بین حالت پر رہتے ہین۔ وغیر ذالک

(فصل) ان بداخلاقیون کی اصلاح ریاضت اور مجاہدہ سے ہوسکتی ہے نفس پر جبر کرنا چاہیے مثلاً اگر بخل کی عادت ہو تو بہ جبر اسکو ترک کرنا چاہیے اور خرچ کی عادت پیدا کرنی چاہیے اور فضول خرچی کا خوگر ہو تو نفس کو روکنا اور جبراً خرچ بند کرنا چاہیے تاکہ کم خرچی کی عادت ہوجاے پھر جب عادت اصلاح پر آجائیگی تو وہی بین بین حالت پیدا ہوجائیگی جو اللہ پاک کو پسند ہے مگر یہ نسمجھنا کہ جبراً قہراً خرچ کرنیسے سخی یا بہ تکلف عاجزی کرنیسے متواضع کہلاؤگے نہین ہرگز نہین سخاوت اور تواضع تو طبعی حالت کا نام ہے جو بلا تکلف اور بلے تصنع مال کو موقع پر صرف کراتی اور دوسرون کے سامنے انکساری کا مادہ پیدا کرتی ہے البتہ اس جبر و قہر اور تکلف کو اس حالت کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھو بہ تکلف ایک کام کو کرتے کرتے عادت بھی ہوجائیگی اور جب عادت ہوجائیگی تو خصلت محمودہ سے دل متصف بنجائیگا۔

جسطرح حسن ظاہری مین کمی بیشی ہوتی ہے کوئی زیادہ خوبصورت ہوتا ہے کوئی کم اسیطرح حسن باطنی مین بھی لوگ متفاوت ہین۔ سب سے زیادہ خوب سیرت سرور عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہین جنکی شان مین آیت کریمہ انک لعلی خلق عظیم نازل ہوئی سیرت باطنی مین جسقدر جسکو حسن حاصل ہوگا اسیقدر سعادت اُخروی حاصل ہوگی جسمین کامل شخص معشوق ہوجاتا ہے اور قبیح و بدباطن شخص ممقوت و مکروہ بنجاتا ہے اور درمیانی حالت کے مدارج مین محبت و کراہت کے درجے نکلینگے جنپر انہین کے مناسب ثمرات اور نتائج متفرع ہونگے۔

(فصل) انسان کو اپنے نفس کی حالت معلوم کرنے مین اکثر دھوکہ ہوتا ہے بدخلق بھی کبھی اپنے آپ کو خلیق سمجھنے لگتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غصہ آجاتا ہے اور خود یہ سمجھتے ہین کہ اللہ واسطے غصہ آیا ہے۔ یا مثلاً عبادت کو ظاہر کرتے ہین اور نفس۔ دھوکہ دیتا ہے کہ یہ تو دوسرون کے اقتدا و ترغیب کی غرض سے اظہار ہے۔ یا مثلاً عابد زاہد متقی پابند صوم و صلوٰۃ ہوجاتے ہین حالانکہ سبب ریا اور دکھاوے کی شین سے ہوتا ہے مگر نفس ظاہر نہین ہونے دیتا غرض اسیطرح یہ نفس امارہ بڑے دھوکے دیتا ہے اسلئے مناسب ہے کہ اپنی

حالت کسی اپنے مخلص اور صاف گو دوست سے پوچھو کہ وہ تمہین کیسا سمجھتا ہی؟ چونکہ تمھاری خصلتون اور عادتون کا دوسرے لوگ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہین کیونکہ جینے واسطہ اور سابقہ پڑے اور امتحان کا وقت آئے وہی لوگ اوسوقت اچھی طرح جانچ سکتے ہین اسلئے اگر تمھارے دوست کو تمھاری خیر خواہی ملحوظ ہوگی تو بے تکلف بتا دیگا کہ فلان عادت تمھاری خراب ہے پس اوسکی اصلاح مین تمکو مشغول ہونا چاہئے اور اگر چند عادات خراب ہون تو اغلب کی فکر پہلے کرو اور جس کا نتیجہ زیادہ خراب ہے اوس کا علاج سب سے مقدم سمجھو مثلاً دنیا کی محبت اور یہ ایسی بلا ہے جس سے شاذ و نادر کوئی خالی ہوگا حالانکہ یہی تمام گناہون کی جڑ ہے اسکا علاج مقدم اور سب سے زیادہ ضروری سمجھنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ تنہائی مین بیٹھکر سوچا کرو کہ آخر دنیا کی جانب اس قدر توجہ اور آخرت سی روگردانی کیون ہی؟ خلوت مین فکر کروگے تو سمجھ مین آجائیگا کہ سوائے جہالت اور غفلت کے کوئی وجہ نہین فرض کرو تمھاری عمر سو برس کی ہو اور تمھین تمام سطح زمین کی سلطنت بھی مل جائے پھر کیا؟ آخر فنا ہے ایک دن وہ ہوگا کہ نہ تم رہوگے نہ یہ مملکت و سلطنت اور اسکی بدولت ابدی سلطنت جسکے اختتام کا کوئی وقت ہی نہین ہی تمھارے ہاتھ سے جاتی رہیگی اور اگر ابد و دوام کی مقدار تمھارے خیال مین نہ آسکے تو یون تصور کرو کہ تمام دنیا اس کنارے سی لیکر اوس کنارے تک اناج سے لبریز ہے اور ایک پرندہ پورے ایک ہزار برس مین ایک دانہ اسمین سی اوٹھالیتا ہے اسیطرح ہر ہزار سال پر ایک ایک دانہ اٹھانے پر بھی دنیا اناج سے ضرور خالی ہوجائیگی اسکو بھی ابد نہین کہسکتے ابد اور دوام اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ وہ اس مدت کا نام ہے جس کی انتہا ہی نہین ہے بھلا اس عارضی اور فنا ہوجانے والی سلطنت کی جانب توجہ اور ابدی و دائمی مملکت سے استغنا نفس نے کیون پسند کرلیا؟ پھر یہ بھی سوچو کہ تجارت مین کیسی کیسی مصیبتین اوٹھا لیتے ہو طلب ریاست مین کیسے کیسے دشوار سفر اختیار کرلیتے ہو حالانکہ مال اور ریاست کا ملنا بالکل موہوم ہے۔ ممکن ہی کہ اس سی پہلے ہی موت آدبائے یا ریاست بھی مل جائے مگر وہ عیش اور آرام و اطمینان حاصل نہو جو اوس سے مقصود تھا مگر پھر یہ مصیبتین گران نہین گذرتین کیونکہ اپنے خیال مین جتنی اپنی عمر سمجھے ہوئے ہو اوس کے مقابلہ پر اس تکلیف و محنت کے ایک یا دو برس کی کوئی حقیقت نہین سمجھتے یہ خیال کرلیتے ہو کہ برس دن سفر کی تکلیف سے عمر بھر کا عیش مل جائیگا حالانکہ جو نسبت تمھاری عمر بلکہ تمام دنیا کی بقا کو ابد اور دوام کے ساتھ ہے اوس کا شمہ بھی ایک برس اور خیالی عمر کی نسبت مین نہین ہے پھر دنیا کی زندگی کو

اگر آخرت کی ابدی نعمت کے حاصل کرنے مین صرف کرو اور اس چند روزہ محنت و تکلیف کو وہان کی دائمی لذت کیلئے گوارا کر لو تو کیا مشکل ہی؟ مگر یہ ہو کیسے؟ نفس نے آسودہ چھوڑ رکھا اور دہوکہ دی رکھا ہے غفلت کئی جالتے ہوا ور کہتے ہو کہ "خدا کریم ہی معاف کرنیوالا ہے سب بخشدیگا اور بلا عمل جنت مین بھیجدیگا" بھلا مین پوچھتا ہون کہ کھیتی اور تجارت مین ایسا کیون نہین خیال کر لیتے کیا آخرت کا خدا کوئی اور ہے اور دنیا کا کوئی اور ہے کیون نہین ہاتھہ پاؤن توڑ کر گھر مین بیٹھتے اور کیون نہین خدا پر بھروسہ کرتے کہ وہ رزاق ہی قادر ہی بلا محنت پیٹ بھر دیگا اور کیون نہین اسکی امید رکھتے کہ وہ کسی ویرانہ کا دبا ہوا خزانہ سوتے مین دکھلا دیگا جس سے بلا محنت اور مزدوری کے مالامال ہوجاؤگے؟ مگر نہین یہان تو یہی جواب دیتے ہو کہ اسباب معاش ضرور اختیار کرنے چاہئین کیونکہ مدفون خزانہ مل جانا ایک اتفاقی بات ہی شاذ نادر کبھی ہوجاتا ہے ہمیشہ ایسا نہین ہوتا بس ایسا ہی یہان سمجھو کہ خراب اعمال اور بدکاریون پر معافی و مغفرت کی توقع اس سے بھی زیادہ شاذ و نادر ہے کیونکہ حق تعالیٰ صاف فرماچکا ہی کہ "انسان کو وہی ملیگا جو وہ کریگا" اور متقی بندے فاسق وفاجر لوگون کی برابر نہین ہوسکتی" وغیرذلک اور دنیاوی امور مین تو اسباب اختیار کرنیکو ضروری بھی نہین فرمایا بلکہ بے التفات اور بے توجہ بنایا ہے اور یون فرمایا ہے کہ "کوئی جاندار ایسا نہین ہی کہ جو زمین پر ہو مگر اوس کا رزق ہمارے ذمہ ہے" پھر تعجب ہی کہ دنیا کمانے مین خدا پر بھروسہ نہوا اور آخرت مین معافی پر وثوق اور بیجا توقع سے اپنا دین برباد کیا جائے؟ خوب یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہی جسنے تباہ کردیا حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

(فصل) اور اگر تم یہ کہو کہ دنیاوی معاملات کے نتائج تو آنکھون سے دیکھتے اور رات دن تجربہ کرتے ہین اور آخرت کے معاملات مین سے کوئی واقعہ بھی کسینے مشاہدہ نہین کیا اسوجہ سے دنیا کی تحصیل مین رغبت ہے اور دین کی طلب مین غفلت کیونکہ جس شے کو آدمی نے دیکھا نہین اوسکی واقعی تصدیق دل مین نہین ہوتی اور ہر شخص نقد کو ادہار پر ترجیح دیا کرتا ہے اسلئے طلب دنیا مین سب تکلیفین برداشت کر لیجاتی ہین اور دینی ارکان و فرائض بھی ادا ہونے مشکل و دشوار پڑ جاتے ہین تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ تمھارے قلب کی آنکھین روشن فرمادے اور تم صاحب بصیرت بنجاؤ تو پھر دینی امور کے انجام بھی دنیا ہی کی طرح مشاہدہ مین آجائینگے اور اگر بصیرت حاصل ہو تو تمھین بصیرت والون یعنی

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے ارشادات مین غور و فکر سے کام لینا چاہیئے دیکھو کوئی بھی ایسا نہین جو آخرت کی دائمی نعمت اور دائمی تکلیف کا قائل نہو اور یہ یقینی بات ہی کہ آخرت کی دائمی بہبودی بغیر خدا کی جانب توجہ کئے حاصل نہین ہوسکتی اور جب تک دنیا کی طرف سے منہ نہ پھیروگے حق تعالی کی جانب توجہ کیونکر ہوگی؟ اگر ایسا سوچو گے توتمکو اطمینان حاصل ہو جائیگا کیونکہ اندھے کا یہی کام ہے کہ وہ آنکھون والے کے تابع ہوکر چلے اسلیئے کہ راستہ کا نشیب و فراز اور منزل مقصود تک پھونچنے کی سڑک اوسکو نظر آرہی ہے بھلا اگر تمھین فن طبابت مین دخل نہوا اور بیمار پڑجاؤ توکیا طبیب کے کہنے پر نہ چلوگے؟ خصوصًا ایسے معاملہ مین جسپر تمام اطباء کا اتفاق ہوا وسمین تو تم کو شک بھی نہوگا اسیطرح روحانی اطباء یعنی جملہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور تمام اہل بصیرت جب اسپر متفق ہین کہ آخرت ہونیوالی ہے اور اس چندروزہ زندگی کے نیک و بد اعمال کا ثمرہ ضرور ملنے والا ہے پھر اسمین کیون شک ہی؟

ہان چند آدمی ایسے بھی ہین جو حقیقت روح کو نہین سمجھے کہ کیا ہی؟ اونکی نظر اسی روح جسمانی تک قاصر رہگئی جسکے ذریعہ سے انسان حس و حرکت کرتا ہی یعنی وہ بخارات جو قلب سے اٹھتے ہین اور بدن کی تمام رگون مین پھیل جاتے ہین حالانکہ یہ روح حیوانات مین بھی ہے پھر انسان اور حیوان مین کیا فرق ہوا؟ خوب سمجھ لو کہ روح انسانی تو خدا کی جانب منسوب ہے جسکو حق تعالی نے فرمایا ہی کہ "روح امر ربّی ہے" اس روح الہی کی حقیقت کو یہ کوتاہ نظر طبیب اور منجم نہین سمجھ سکے اس وجہ سے انکو دھوکہ ہوا اور آخرت کے منکر ہوکر دہریہ بنگئے اول تو ایک جم غفیر کے مقابلہ پر ان معدودہ چند لوگون کا قول قابل التفات نہین ہے اور اگر ہو بھی تو مین پوچھتا ہون کہ انکے قول کو بالکل یقینی سمجھتے ہو یا کچھ تھوڑا بہت اس مین جھوٹ کا احتمال بھی ہی؟ اگر جھوٹ کا احتمال ہی تو پھر بھی احتیاط یہی چاہتی ہے کہ آخرت کی فکر کرو کیونکہ اگر مثلًا تمکو بھوک ہو اور کھانا بھی سامنے رکھا ہو مگر کوئی شخص وثوق کیساتھ بیان کرے کہ اس کھانے مین زہر ملا ہوا ہے تو یقینًا تم پرہیز کروگے اور یہ سمجھو گے کہ گو یقین نہین مگر جب زہر کے مخلوط ہونے کا شبہ اور احتمال ہی تو بھوکا رہنا اس مشکوک زہرآلودہ کھانے سے بہتر ہے کیونکہ ایک صورت مین مرجانیکا احتمال ہے اور دوسری صورت مین موت نہین ہی اگر ہے تو تھوڑی سی بھوک کی تکلیف ہی جسکو آسانی سے برداشت کرسکتے ہو پس اگر ذرا سی لذت حاصل نہوئی نہوئی - زندگی تو باقی رہیگی - اگر زندگی ہے تو سب کچھ ہی دیکھو ایک شاعر باوجود کثرت عقل کے کیا کہتا ہے اوسکے عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ منجم وطبیب نے مجھسے کہا کہ مُردے دوبارہ زندہ نہونگے

مین بلنے اوسکو جواب دیاکہ دُور ہو واگر تم سچے ہو تو میرا تواس وقت بھی کچھ نقصان نہین ہی اور اگر تم ہی جھوٹے نکلے تو مین تو پھر بھی نفع مین رہا خسارہ تم ہی کو اوٹھانا پڑا" غرض دُنیا مین دینی آمور کی سعی اور نیکو کاری حاصل کرنیکی صورت مین تو نفع ہی نفع ہی - اور اگر تم یہ کھو کہ ہمین تو جاہل نجومی اور زندیق طبیب کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو نعوذ باللہ دہوکہ ہوا اور اس دہریہ کے قول مین کسی قسم کا احتمال کذب اور لغو وجھوٹ کا وہم بھی نہین ہے نہ آخرت کوئی چیز ہے نہ ثواب وعذاب کوئی بات ہی تو یہ مرض لا علاج ہے تمھارے مزاج کا فساد اور عقل کی رکاکت صراحتہً ظاہر ہے اور تم اسکو عقلمندی سمجھتے ہو بلا دلیل ایک وہمی ولغویات کو یقینی اور بدیہی بتلاتے ہو پھر علاج اور صحت کی کیا صورت ہی؟ بس ہم بھی ایسے شخص کو نصیحت کرنیسے مُنہ پھیر لینگے البتہ چلتے چلتے اِتنا پھر بھی سمجھایا جائیگا کہ اچھا اگر دُنیا ہی مین راحت وآرام کے متلاشی ہو تب بھی خواہشات وتعلقات کا کم کرنا ضروری ہے کیونکہ جو مزہ اور راحت وآرام آزادی مین ہے وہ پابندی مین کہان ؟ اور جب نفس کے پابند ہو گئے اور خواہشات وتعلقات مین جکڑ گئے تو ہر قسم کی ذلت ورسوائی اُٹھانی پڑیگی جوتیان کھاؤ گے اور اپنی جیسی محتاج مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور خوشامدین کرتے پھروگے دیکھو بہتیرے کافر جنکو آخرت پر ایمان نہ تھا وہ بھی دُنیا کی مصیبتوں سے گھبرا کر جوگی وراہب بن بیٹھے اُنھون نے بھی اِتنا سمجھ لیا کہ دُنیا دل لگانیکے قابل نہین ہے - یہ ناپائیدار جہان ایک دن تمکو چھوڑ دیگا جس کسی سے بھی تمکو یہان محبت یا علاقہ ہی وہ بہت جلد منقطع ہو جائیگا یا تم اوسکو چھوڑ جاؤگے یا وہ تمکو چھوڑ کر روانہ ہوگا اور اس کا انجام سوائے مُصیبت ورنج اور صدمہ وتکلیف کے کچھ بھی نہین ہی - پھر اگر کسیکو دُنیا کی آفتین اور ناپائداری بھی نظر نہ آئے تو اس احمق کو خدا سمجھے انہین کے بارے مین ارشاد خداوندی ہے ذرھم یاکلوا ویتمتعوا انکو چھوڑ دو کھائین اور مزہ کرین انکی لغو اُمیدین ان کو غفلت مین ڈالے رکھینگی عنقریب انکو معلوم ہو جائیگا کہ کیا حق ہی؟ -

بحمد اللہ دوسری قسم ختم ہوئی حق تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت فرماوے آمین بجاہ سید المرسلین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین - والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہ وصفیہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین -

تیسری قسم قلب کو اخلاقِ محمودہ کیساتھ مزین و آراستہ کرنیکے بیان مین اور اسمین بھی دس اصول ہین

پہلی اصل توبہ کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "مسلمانو تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو اللہ توبہ کرنے والون کو محبوب سمجھتا ہے" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "جسنے گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ بے گناہ ہوگیا۔ حق تعالیٰ بندہ کی توبہ سے نہایت درجہ خوش ہوتا ہی اگر کوئی شخص کسی بے آب وگیاہ وحشتناک جنگل بیابان مین جاپھنسے اور اسکی سواری بھی جسپر توشہ تھا وہان گم ہوجائے ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھک جائے۔ زندگی سی مایوس ہوجائے۔ نہ آگے چلنے کی طاقت ہو نہ وہان مایۂ حیات یعنی آب و دانہ میسر آسکے امید آخر مایوس ہوکر ایک جگہ آبیٹھے اور اِس خیال مین بازو پر سر رکھکر سوجائے کہ اب موت آئی جاتی ہے اس عالم مین بکایک آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی گم شدہ سواری پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان اوسپر لدا ہوا ہے تو جو مسرت اس شخص کو ایسی حالت مین ہوگی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کو اوس وقت خوشی ہوتی ہے جب بندہ اوسکی جانب رجوع کرتا اور توبہ کرتا ہے" توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بُعد سے قرب کیجانب لوٹ آنیکے ہین۔ مگر اسکے لیے بھی ایک ابتدا ہی اور ایک انتہا ہی آبتدا یعنی مبدأ یہ ہی کہ قلب پر نور معرفت اپنی شعاعین پھیلاوے جس سے ظاہر ہوجاے کہ گناہ سم قاتل ہی اور پھر خوف وندامت پیدا ہوجای جس کا یہ نتیجہ ہو کہ گناہ کی تلافی مین سچی اور خالص رغبت ہو یعنی فی الحال فوراً گناہ چھوڑ دے اور آیندہ کیلئے گناہ سی پرہیز رکھنے کا مصمم قصد کرلے اور گذشتہ کی جہان تک ممکن ہو تلافی کرے بس اسی سے کمال حاصل ہوجاتا ہے جسکا نام انتہا ہے۔

(**فصل**) توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہوگیا ہوگا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہی کیونکہ حق تعالےٰ تمام مسلمانون کو مخاطب بناکر فرماتا ہے کہ " اے ایمان والو تم سب توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ" چونکہ توبہ کے معنی گناہون کے سم قاتل اور مُہلک سمجھنے اور اسکے ترک پر آمادگی کے ہین اور یہ جزو ایمان ہے اسلئے ہر مومن پر واجب ہے کہ توبہ کرے اور حلیہ بنی آدم پر وجوب اسلئے ہی کہ آدمی چار قسم کی صفات سے مرکب ہے کیونکہ اسکے خمیر مین اوّل حرص وشہوت اور فسق وفجور داخل ہی جو بہائم کی خصلت ہے دوم غصہ وحسد اور بغض وعداوت کا مادہ موجود ہے اور یہ درندون کی خاصیت ہی سوم مکر وفریب اور دہوکہ بازی ومکاری اسمین رکھی ہوئی ہے جو شیطانی

اخلاق ہین چہارم کبر و نخوت۔ تعلی و تفاخر۔ حب مدح و حب جاہ حکمرانی و سلطنت حکومت و شان اور غلبہ و عزت
چاہنے کا مادہ موجود ہے اور یہ سب ربوبیت کی صفات ہین۔ ان چارون خصائل کا اپنے اپنے وقت اور موقع پر
غلبہ و اظہار ہوتا ہے چنانچہ اول زمانہ طفولیت مین بہائم اور حیوانات کی خصلتین غلبہ کرتی ہین اور انسان
شہوت و حرص مین بالکل جانور بنجاتا ہے اسکے بعد جب نوجوانی کا زمانہ آتا ہے تو درندون کی عادتون کا غلبہ
ہوتا ہے ایک دوسرے پر حسد اور باہمی عداوتین کسی سے بغض و عناد اور کسی پر غصہ و طیش وہی ذراسی خلاف
طبع بات پر کسی پر باہر ہوجانا چیخنا چلانا اور دوڑ کر لپٹنا ہے۔ اور وہی دوسرے کو کسی نعمت یا آسائش و آرام مین
دیکھکر جل مرنا اور چھیننے جھپٹنے کی فکر کرنا غرض اس حالت مین انسان اور درندہ یکسان نظر آنے ہین پھر اسکے
بعد جب عالم شباب کا شباب ہوتا ہے اور بدن مین قوت آجاتی ہے تو یہ دونون حالتین یعنی بہائم و درندون
کی خصلتین چاہتی ہین کہ اپنی خواہش حاصل کرین یعنی مرغوب طبع اور پسندیدہ شے حاصل ہوجائے اور دشمن
زیر خاک ہو اسلیئے شیطانی اخلاق ظاہر ہونے اور اپنا غلبہ کرتے ہین۔ ادہر کسی شے کی خواہش ہوئی اور فریب
و دہوکہ بازی نے مدد کا اقرار کیا۔ ابھی کسی دشمن پر غصہ آیا اور اسیوقت مکاری و حیلہ سازی نے اپنی امانی
و ہوشیاری کا اظہار کیا۔ غرض اخلاق شیطانیہ اس زمانہ مین خصائل بہیمیہ و عادات سبعیہ کے نفاذ مین معین
و مددگار بنتے اور انسان کو مجسم شیطان بنا چھوڑتے ہین اور جب انمین کامیابی و ظفر اور اپنی حسب منشا کارروائیون
مین فتح نظر آنے لگتی ہے تو پھر تکبر و تعلی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس چوتھی خصلت کے ظاہر ہونے پر انسان چاہتا ہے
کہ ہر شخص اس کی مدح کرے ہر شے اسکا مطیع و فرمانبردار ہو ہر انسان اس کی بڑائی و کمال کا معترف ہو۔ ہر آدمی
اسکو عقلمند اور واجب التعظیم سمجھے غرض ایسی فرعونیت ذہن مین سماتی ہے کہ اپنا جیسا دوسرے کا ہونا خیال
ہی مین نہین آتا۔ اور جب ان چارون خصائل کا ظہور ہولیتا ہے تو اب عقل کی قندیل اپنا جلوہ دکھاتی ہے
جسمین ایمان کا چراغ روشن ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اگر یہ روشنی نہ ظاہر ہو تو خصائل مذکورہ کی ظلمت و تاریکی
سے نجات ملنی دشوار ہوجائے مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی ہے کہ قندیل عقل و مشعل ایمانی کا نور چالیس سال کی عمر
مین کمال پر پہونچتا ہے اور آیندہ بلوغ سے پیدا ہوجانیوالی بدخصلتون کی حقیقت اچھی طرح کھلجاتی ہے
پس اسوقت جبکہ یہ نور نظر آتا ہے انسان کا قلب گویا جنگ کا ایک وسیع میدان ہوتا ہے جسمین ظلمانی لشکر
اس خدائی لشکر یعنی عقل اور نور ایمان کی باہم خوب جنگ ہوتی ہے ادہر ایک لشکر چاہتا ہے کہ دوسرے کو
مغلوب اور اپنا تابع فرمان غلام بنالے پس اگر نور عقل کمزور ہوا تو شیطانی لشکر فتحیاب ہوکر قلب پر مسلط ہوجاتا

اور بے دھڑک دلپر حکومت کرنے لگتا ہے اور اگر شیطانی گروہ لپسپا ہوا اور میدان عقل وایمان کے ہاتھ رہا تو
انسان کی حالت سنور جاتی اور طبیعت مہذب بنجاتی ہے اور چونکہ بنی آدم کی فطرت ہی اس جنگ وکارزار کو
مقتضی ہے اسلئے ہر شخص کے لئے اس کا پیش آنا لازمی ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ توبہ سے کوئی شخص بھی مستغنی نہین ہے
کیونکہ اس نور عقل ہی کا نام **توبہ** ہے جو معرکہ مین ظلمانی لشکر اور خصایل شیطانیہ کا مدمقابل بنتا اور انسان
کو اس پاک شریعت کا تابعدار بنانے کی کوشش کرتا ہے جس سے آخرت کی فلاح اور ابدی نجات حاصل ہوسکتی ہے۔
اور چونکہ کوئی انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہین اسلئے کوئی وقت بھی ایسا نہوگا جس مین کوئی بشر توبہ
سے مستغنی ہو کیونکہ انسان کی کوئی حالت بھی کیون نہو یا اعضاء سے گناہ صادر ہوگا یا قلب سے یعنی اعضاء جوارح
کسی خلاف شرع حالت مین ملوث ہونگے یا قلب کسی مذموم خصلت یا ایسی بدعادت مین ضرور مبتلا ہوگا کہ جسکی
اصلاح کے لئے توبہ کی حاجت ہوگی اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ انسان فرشتہ سیرت اور ایسا مہذب بنجائے
کہ اوس کی کوئی عادت یا خصلت ایسی نہین ہے جس کی اصلاح ضروری ہو تب بھی کوئی وقت تو ایسا ضرور
ہوگا جس مین حق تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہوگی اور چونکہ حق تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ "جب اپنے پروردگار کو
بھولو تو فوراً یاد کرلو" اسلئے پھر بھی اس حالت سے رجوع کرنے اور غفلت سے یاد کی طرف پلٹنے کی ضرورت
ہوئی اور اسی رجوع کا نام توبہ ہے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی انسان خدا کے ذکر مین ہر آن مستغرق
اور ایسا محو ہے کہ کوئی لحظہ غفلت کا قلب پر نہین آتا حالانکہ ایسا استغراق نہایت دشوار بلکہ قریب
قریب ناممکن کے ہے تاہم پھر بھی ہم کہینگے کہ یہ انسان جس مقام و مرتبہ مین ہے اوس سے عالی مرتبہ پر پہونچنے
سے پہلے پہلے ضرور توبہ کا محتاج ہے کیونکہ نیچے کا ہر مقام اپنے عالی اور مافوق مرتبہ کے اعتبار سے ناقص
کہلاتا ہے اور ناقص سے باہر نکلکر عالی اور کامل پر پہونچنا ہر انسان پر لازمی ہے پس جب تک بھی اس
درجہ مین ہے برابر توبہ کا محتاج ہے اور جب دوسرے درجہ پر پہونچا تو چونکہ وہ بھی اپنے مافوق مرتبہ کے
اعتبار سے ناقص ہے اسلئے جب تک اوس سے باہر نہ نکلے اور اوپر نہ پہونچے اوس وقت تک وہان بھی توبہ
کا حاجتمند ہے اسیطرح سلسلہ چڑھتا رہے گا اور چونکہ مراتب قرب خداوندی غیر متناہی ہین یعنی کوئی مرتبہ
بھی ایسا نہین ہے جسکے مافوق اور بالا کوئی دوسرا مرتبہ نہو اس لئے کوئی حالت بھی ایسی نہ نکلے گی جسمین
انسان کو ناقص مرتبہ مین رہنے کے باعث خطاوار عاجز اور عالی مرتبہ تک نہ پہونچنے کے باعث توبہ کا ضرورتمند
نہ کہا جائے۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "مین رات دن مین ستر مرتبہ توبہ و استغفار

کرتا ہوں"۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوتی ہے اور صالحین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے ہوتی ہے اور متقین کی توبہ شک و شبہات کے مواقع سے ہوتی ہے اور محبین کی توبہ اوس غفلت سے ہوتی ہے جسنے ذکر الٰہی کو بھلا دیا ہے اور عارفین کی توبہ اوس مقام سے ہوتی ہے جسپر پہونچے ہوئے ہین اور اسکے مافوق دوسرا مرتبہ ہے جسپر اونکو پہونچنا چاہئے اور چونکہ حق تعالیٰ کے قرب کے مراتب و مقامات غیر متناہی اور بے شمار ہین اسلئے عارفین کی توبہ کی بھی کوئی انتہا نہین ہے

(فصل) توبہ کی جب تمام شرائط پوری ہو جائینگی اوسوقت قبول ہونے مین شک نہین ہو سکتا کیونکہ توبہ قبول ہونیکے یہ معنی ہین کہ انسان کے قلب مین انوار معرفت کی تجلیات کے قبول کرنے کی استعداد و قابلیت پیدا ہو جائے اور ظاہر ہے کہ انسان کا قلب آئینہ کی مانند ہے جسپر خواہشات نفسانیہ اور حرص و ہوا کے باعث غبار جم جاتا ہے یا گناہ کی وجہ سے سیاہی چھا جاتی ہے مگر نیک کام جو بمنزلہ نور کے ہین اپنی روشنی اور چمک دمک سے اس سیاہی اور تاریکی کو دور کر کے آئینۂ قلب کی صیقل کرتے رہتے ہین اسلئے جب انسان کوئی نیک کام کریگا اور اللہ تعالیٰ کی جانب تائب اور نادم و پشیمان ہو کر توجہ کریگا تو ضرور ایسی حالت ہوگی جیسے کپڑے پر صابون لگانیسے ہوتی ہے یعنی اگر صابون باقاعدہ لگایا گیا ہے تو کوئی وجہ نہین کہ میل نہ اُترے اسیطرح اگر دل اخلاص و توجہ کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوا ہے تو ممکن نہین کہ قلب مین صفائی و انشراح اور تجلیات معرفت کی استعداد و قابلیت نہ پیدا ہو۔

ہاں بعض لوگوں کو توبہ کے بعد قبولیت توبہ مین جو شک ہوتا ہے وہ حقیقت مین قبولیت توبہ کے شرائط جمع ہونے مین شک ہوتا ہے جیسے کوئی شخص مسہلہ دوا پئے اور دست آنے مین شک ہو تو یہ شک دوا کے دست آور ہونے مین نہین ہے بلکہ اس امر مین شک ہے کہ مسہل کی شرائط پوری طرح ادا ہو بھی گئین یا نہین؟ یعنی دوا کے اجزا پوری مقدار پر بھی تھے یا کم و بیش ہو گئے؟ موسم و وقت اسہال کے مناسب بھی تھا یا نہ تھا؟ اور اگر ان جملہ امور مین اطمینان ہو تو پھر دستون کے آنے اور غلیظ و متعفن مادہ کے اخراج مین کبھی شک نہوگا اسیطرح اگر توبہ کے تمام شرائط جمع ہونیکا پورا الیقین ہو جائے تو پھر اوسکی قبولیت مین شک ہونے کے کوئی معنی نہین ہین۔

غرض جب ثابت ہو گیا کہ ہر شخص کو توبہ کی ضرورت ہے اور اس معالجہ کا ہر فرد بشر محتاج ہے تو اسمین غفلت کرنا ٹھیک نہین ہے کیونکہ غفلت اور ہوائے نفس ایک ایسا مہلک مرض ہے جس کی وجہ سے انسان خدا کی معصیت

اور گناہ کے کام پر اصرار و مداومت کرنے لگتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اصرار یعنی بار بار کرنیسے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہوجاتا ہے پس جب اس اصرار کو چھوڑ دو گے تو اس باطنی مرض سے نجات ملجائیگی - خوب یاد رکھو کہ غفلت کا باطنی مرض بخار جاڑہ پھنسی پھوڑی وغیرہ یعنی جسم کے ظاہری امراض سے بہت بڑھا ہوا ہے -

اوّل تو اس وجہ سے کہ بدن کے امراض نظر آتے ہین اور یہ مرض نظر نہین آتا - اس کی ایسی مثال سمجھو جیسے کسی شخص کے چہرے پر برص کے سپید داغ ہون اور اتفاق سے آئینہ بھی موجود نہو جسمین مُنہ دیکھکر اپنا مرض معلوم کرے تو یہ مرض زیادہ خطرناک ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے کے کہنے کا اسکو یقین نہ آئے اور اسی بے اعتباری مین اس کا دن بدن مرض بڑہتا جائے -

دوم - اس وجہ سے کہ اس غفلت کے باطنی مرض کا انجام انسان نے دیکھا نہین ہے اور اس انجام ندیکھنے ہی کے باعث خدا کی معافی کی بھروسہ پر ایسا مطمئن اور بے فکر بیٹھا ہے کہ علاج کی طرف مطلق توجہ نہین ہوتی برخلاف بدنی امراض کے کہ اون کا نتیجہ وانجام اسکے تجربہ مین بھی آچکا ہے اور اسی لئے یہان خدا پر بھروسہ نہین ہوتا بلکہ علاج مین غایت درجہ کی کوشش کیجاتی ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ ہر قسم کے جملہ امراض کا پیدا کرنیوالا اور شفا دینے والا ایک ہی خدا ہے - خواہ امراض جسمانی ہون یا روحانی - ظاہری ہون یا باطنی -

سوم - اسوجہ سے کہ اس باطنی مرض کے طبیب مفقود ہوگئے اور یہی بات نہایت درجہ افسوس وحسرت کے قابل ہے کیونکہ اس قلبی مرض کے طبیب علماء شریعت اور عقلاء زمانہ تھے اور افسوس کہ وہ خود باطنی مرض مین بیمار پڑے ہین پھر جب اونکو اپنے علاج کی خبر نہین تو وہ دوسرون کا کیا علاج کرینگے ؟ ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ مہلک مرض دُنیا اور مال دُنیا کی محبت ہی ہے اس زمانہ پُرآشوب مین سب سے زیادہ اس مرض کے اندر علماء ہی گرفتار نظر آتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ دوسرون کو اس محبت دُنیا سے روکنے اور منع کرنے کی اونکو جرأت نہین ہوتی بلکہ اپنی رُسوائی کے اندیشہ سے یہ بھی نہین ظاہر کرسکتے کہ دُنیا کی محبت بری چیز اور باطنی امراض مین ایک ایسا مہلک مرض ہے جس سے جان بری دشوار ہے - بس یہی وجہ ہے کہ جسکے باعث یہ مرض لاعلاج ہوگیا کیونکہ جب طاعون یا وبائی مرض عام طور پر پھیل جائے اور دوا کا نام بھی نہ مل سکے بلکہ طبیب خود مریض اور اوسی مرض مین بیمار ہون تو پھر اوس سے نجات وجان بری کیونکر حاصل ہو؟ سب سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ان روحانی طبیبون یعنی علماء کی دیکھا دیکھی عوام الناس کو محبت دُنیا کی رغبت بڑھگئی اور پرہیز کرنے یا دوا علاج کی طرف توجہ کرنے کی کوئی سبیل بھی باقی نہ رہی کیونکہ یہی وہ اصحاب ہین جنکی تقلید کیجاتی ہے

عام آدمی انہیں کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہیں پس جب ان کو محبت دنیا میں گرفتار دیکھینگے تو اسکو اچھی بات سمجھکر کیوں نہ اقتدا کرینگے اور جب اقتدا کرینگے تو پھر اصلاح کی کیا صورت ؟ ہائے افسوس جنکو طبیب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تھا اونھوں نے بجائے علاج کے اور مرض بڑھا دیا جو مصلح بنکر آئے تھے وہ تو مفسد بنگئے۔ راہبر تجویز کئے گئے تھے مگر گمراہ ہوکر دوسروں کا رستہ کھوٹا کرنیکے درپے ہوگئے گویا شیریں چشمہ کے دہانہ پر پتھر بنکر اڑ گئے کہ نہ خود پانی پئیں نہ دوسروں کو پینے دیں۔ ای کاش ان سے دنیا خالی ہوجائے اور یہ پتھر دہانہ سے سرک جائے اگر خود ناقابل ہیں تو دہانہ کیوں روکے ہوئے ہیں پرے ہوں الگ ہٹیں کہ دوسرے تشنہ کام سیراب ہوں غرض اس باطنی مرض کا خلاصہ علاج یہ ہے کہ سبب ڈھونڈو اور گناہ کے اصرار پر توجہ کرو کہ کیوں ہے ؟ یاد رکھو کہ کسی گناہ پر اصرار اکثر مفصلۂ ذیل پانچ اسباب میں سے کسی ایک سبب سے ہوتا ہے۔

اوّل یہ کہ گناہ پر جو سزا خدائے پاک نے تجویز فرمائی ہے وہ گناہ کے کرتے ہی دست بدست نہیں ملتی اور ظاہر ہے کہ جو نتیجہ دست بدست حاصل نہیں ہوتا اوسکی ذہن میں وقعت نہیں ہوا کرتی پس اسوجہ سے گناہ پر اصرار بنا رہتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اسکو سوچنا اور جاننا چاہئیے کہ جو چیز ایک نہ ایک دن ضرور آنیوالی ہو وہ قریب ہی ہے کیونکہ بعید تو اوسکو کہنا چاہئے جو آہی نہیں خصوصًا موت جس کا آنا یقینی ہونیکے علاوہ وقت بھی غیر مقرر ہے اوسکے بعید ہونیکے تو کوئی معنی ہی نہیں۔ کیا خبر ہے کہ یہ دن آخری دن اور یہ مہینہ آخری مہینہ اور یہ سال تمھاری عمر کا آخری سال ہو۔ پھر یہ بھی سوچو کہ آیندہ کے افلاس کے اندیشہ سے معاش حاصل کرنیکی فکر میں کیسے کیسے دور ودراز کے سفراور مصائب برداشت کرتے ہو تو کیا آخرت کی پائدار زندگی کا اتنا بھی فکر نہ ہو جتنا دنیا کی بہت ہی جلد ختم ہوجانے والی ناپائیدار زندگی کا ہی ؟

دوسرا سبب یہ ہے کہ نفس کو اپنی مرغوب خواہشوں اور لذتوں میں مزہ آرہا ہے اسلئے اون کا چھوڑنا گران گزرتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ سوچو اور غور کرو کہ اگر کوئی انگریز ڈاکٹر یوں کہدے کہ "میاں ٹھنڈا پانی تمہیں مضر ہے اسکے کبھی پاس نہ جانا ورنہ مرجاؤگے" تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس ڈاکٹری نصیحت کا تمپر کیا اثر ہوگا ؟ ظاہر ہے کہ زندگی برباد جانیکے خوف سے ٹھنڈے پانی جیسی لذیذ نعمت بھی تم سے ضرور چھوٹ جائیگی حالانکہ انسان کا قول ہے اور وہ بھی کافر کا جس میں سچ اور جھوٹ کے بیسیوں احتمال نکلسکتے ہیں پھر بھلا خداوند تعالیٰ کی مضر بتلائی ہوئی خواہشات کو چھوڑنے میں کیا تامل ہے ؟ کیا اللہ اور اللہ کے سچے رسول کا ارشاد کسی کافر طبیب کے قول کے برابر بھی نہیں ؟ یا جسمانی مرض کے باعث مرجانا کیا ہمیشہ آگ میں جلنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے ؟ پھر ذرا یہ بھی تو سوچو کہ جب تمھارا

نفس اس قدر لذت پسند اور خواہشات کا پابند ہو کہ دنیا مین چند روز کے لئے معمولی لذتون کا چھوڑنا اوسکو شاق گذرتا ہے تو یہان ان ناپائدار لذتون کے حاصل کرنیکی بدولت جب آخرت کی جاوید نعمتین چھن گیئن تو وہان کی لذتون کے چھوڑنے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ مین جلنے کی اسکو کیونکر تاب و برداشت ہوگی۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ نفس نے کاہلی کا سبق پڑھا دیا اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میان توبہ کی ایسی جلدی کیا ہے آج نہین تو کل کر لینگے غرض اسی طرح دن پر دن گذرتے رہتے ہین اور توبہ کی توفیق نہین ہوتی اسی تعویق وتاخیر اور آج کل مین وقت آن کر برابر ہو جاتا ہو۔ پس اگر گناہ پر اصرار کا باعث یہ کاہلی ہو تو یہ سوچنا چاہیے کہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہین کہ کب ہوگا نہین کیا معلوم ہے کہ کل کو زندہ بھی رہوگے اور توبہ نصیب ہو جائیگی؟ خوب یاد رکھو کہ ایسے ہی لوگ جہنم کا ایندھن بنینگے جنہون نے توبہ کرنے کو امروز فردا مین رکھا یہان تک کہ موت نے دھر پکڑا۔ دوسرے یہ بھی سوچنے کے قابل بات ہو کہ جب نفس کو آج لذت کا چھوڑنا دشوار ہے تو بھلا کل جبکہ شہوت کی لذت اور مضبوط ہو جائیگی نفس سے کیونکر چھوٹ سکیگی۔ اس کی مثال تو ایسی ہوگی جیسے تمکو کسی درخت کے اکھاڑنے کا حکم کیا جاے اور تم یہ کہو کہ جناب اس سال تو نہین ہان اگلے سال اکھاڑون گا حالانکہ تم جانتے ہو کہ درخت کی جڑ دن بدن مضبوط ہوگی اور تمہاری قوت روز بروز گھٹیگی اور ضعف بڑھے گا۔ پس جب آج درخت نہین اوکھاڑ سکتے تو آیندہ سال کیونکر اُکھاڑ سکو گے؟

چوتھا سبب یہ ہے کہ نفس نے حق تعالی کے عفو وکرم کا آرزومند بنا رکھا ہے اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میان خدا کو ہمارے گناہون کی کیا پروا ہے وہ سب بخش دیگا" خوب یاد رکھو کہ یہ نفس کی مکاری اور حیلہ جوئی ہے شیطان نے اس ٹھیرہ پر چڑھا کر اپنا کام بنا لیا اور اس غرہ کو اپنی کاربراری کا ذریعہ بنا لیا ہے حدیث مین آیا ہے کہ "عقلمند وہی شخص ہے جسنے اپنی نفس کو مطیع بنا لیا اور مرنیکے بعد کام آنے والا ذخیرہ جمع کیا اور احمق ہے وہ شخص جسنے خواہشات نفسانیہ کا اتباع کیا اور پھر خدا سے عفو وکرم کا آرزومند رہا"

پانچوان سبب یہ ہو کہ معاذ اللہ قیامت کے ہونے اور معاملہ آخرت کے پیش آنے مین شک یا شبہ ہے" اسکا علاج اخلاق ذمیمہ کے خاتمہ مین بیان ہو چکا ہے وہان دیکھنا چاہیے۔

(فصل) یون تو تمام گناہون سے توبہ کرنا ضروری ہے مگر کبیرہ گناہون سے توبہ کرنا تو نہایت ہی ضروری ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہو کہ صغیرہ گناہ بھی اصرار کرنیسے کبیرہ ہو جاتا ہے بلکہ صغیرہ گناہ جب بار بار کیا جاتا ہے تو ایک مرتبہ کسی کبیرہ گناہ کرنے کی بہ نسبت قلب کو زیادہ سیاہ کر دیتا ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سخت

پتھر پر ایک ایک قطرہ کا بار بار ہنوا تر ٹپکنا اور یکبارگی مُوسلا دہار مینھہ کا برس جانا" یہ ظاہر ہے کہ ایک قطرہ با وجودیکہ حقیر اور بہت ہی بے وقعت چیز ہے مگر بار بار پڑنے کی وجہ سے ایک نہ ایک دن پتھر مین بھی سُوراخ کر دیگا بر خلاف مُوسلا دہار مینھہ کے کہ گو کئی لاکھہ قطرون کا مجموعہ ہے مگر یکبارگی برسنے سے وہ اثر نہ ہوگا جو ایک قطرہ نے کر دکہایا تھا اسیطرح چھوٹا گناہ آہستہ آہستہ قلب پر جو اثر کرتا رہتا ہے وہ کبیرہ گناہ کے یکبارگی اثر کی بہ نسبت بہت ہی اندیشہ ناک ہوتا ہے اور اسکی کئی وجہ ہین۔

اول یہ کہ صغیرہ گناہ کی ذہن مین وقعت نہین ہوتی اور اسکو معمولی گناہ سمجھکر بے پروا ہی کیجاتی ہے بر خلاف کبیرہ گناہ کے کہ اوسکی بڑائی کے باعث خیال و توجہ کی امید ہو۔ اسی بنا پر ایک شیخ کا مقولہ ہے کہ جس گناہ کی بخشش نہ ہوگی وہ گناہ وہ ہو جسکو بندہ معمولی سمجھتا اور کہتا ہو کہ کاش سارے گناہ ایسے ہی ہوتے۔

دوسرا سبب یہ ہو کہ صغیرہ گناہ کو بسا اوقات انسان نعمت سمجھتا اور خوش ہوتا ہو چنانچہ لوگون کو اکثر کہتے سُنا ہو کہ "دیکھا مین نے اوسکو کیونکر جواب دیا" "کیسا بدلہ لیا" "کیسی آبرو خاک مین ملادی" "کیسا دہوکہ دیا" اور ظاہر ہے کہ گناہ پر خوش ہونا زیادہ مضرت رسان اور قلب کا سیاہ کرنیوالا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہو کہ اکثر حق تعالیٰ کی پردہ پوشی کو بہ نظر حقارت دیکھتا اور اپنی کرامت و بزرگی سمجھنے لگتا ہے یعنی یہ خیال کرتا ہے کہ مین خدا کے نزدیک ذی مرتبہ شخص ہون کہ میرے گناہ ظاہر نہین ہوئے۔ اور یہ خبر نہین ہو کہ خدا کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے تا کہ گناہ زیادہ ہو جائین اور یکلخت دھر پکڑا جائے اور اسفل السافلین مین جھونکدیا جائے۔

چوتھا سبب یہ ہو کہ صغیرہ گناہ کو بوجہ اوسکے صغیرہ ہونیکے لوگون مین ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے حالانکہ حدیث مین آتا ہو کہ "تمام گناہگار بخشدئے جائینگے مگر گناہون کا اعلان و افشا کرنیوالے لوگ نہ بخشے جائینگے"۔

پانچوین اگر کسی عالم یا صوفی یعنی مقتدا سے کوئی صغیرہ گناہ ہوتا ہے تو اس کا اثر اور بھی زیادہ برا پڑتا ہے کیونکہ عام اشخاص اسکو دیکھکر اوس گناہ مین بیباکانہ مُبتلا ہو جاتے ہین اور یہ سلسلہ قایم ہو جاتا ہے گویا یہ صغیرہ گناہ اتنا دراز ہو جاتا ہے کہ اسکے مرنیکے بعد بھی باقی رہتا ہے اسکی دیکھا دیکھی جن لوگون نے بھی اوس گناہ کو اختیار کیا سب کا وبال اسی کے نامۂ اعمال مین درج ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باقی رہنے والا گناہ ختم ہو جانے والے گناہ سے بدتر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس گناہ کا ایسا صغیرہ ہونے ہی کی وجہ سے ہوا پس خوش قسمت وہی شخص ہے جو اپنے مرنیکے ساتھ اپنے گناہ بھی لیجائے۔

بنی اسرائیل مین ایک عالم شخص لنے اپنے گناہون سے جسوقت توبہ کی تو اوس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اگر اسکے گناہ میرے اور اسکے درمیان ہی رہتے تو مین بخشدیتا مگر اس کا کیا علاج کہ اس لئے مُقتدا بنکر میرے دوسرے بندون کو گناہون مین مُبتلا کیا اور جہنم مین داخل کرا دیا" خُلاصہ یہ ہے کہ توبہ کرنا ہر فرد بشر کو ہر گناہ سے ضروری ہے اور توبہ اوس وقت ہوسکتی ہے جب دل مین خدا کا خوف ہو اس لئے خوف کی فضیلت بیان کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

دوسری اصل خوف کا بیان

حق تعالیٰ کا خوف جملہ نیک کامون مین رغبت کرنے اور تمام گناہون سے بچنے کا ذریعہ ہے خوف کرنے والون کی شان مین ہدایت۔ رحمت۔ علم اور رضا کی محمود خصلتین جمع فرمائی ہین جو شخص اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہے اوس سے ہر شے ڈرنے لگتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کسی بندے کو دو خوف نصیب نہونگے یعنی جو بندہ دنیا مین مجھسے خوف رکھیگا وہ آخرت مین بے خوف ہوگا اور جو دنیا مین مجھسے نڈر رہا اوسکو آخرت مین امن و اطمینان نصیب نہوگا" خوف کے حقیقی معنی کسی آنے والی تکلیف کے اندیشہ سے ورد پانے اور دل کے جلنے کے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ کی معرفت حاصل نہوگی اوس وقت تک خوف پیدا نہوگا اور جب یہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیگا کہ خداوند تعالےٰ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سی بڑی چیز پر ایسا قادر ہے کہ دم مین جو چاہے کرے مخلوق مین کوئی شخص چون بھی نہین کرسکتا۔ اوسوقت خوف اور خشیہ پیدا ہو جائیگا پس اگر خوف پیدا کرنا چاہتے ہو تو حق تعالیٰ کے جلال اور اسکی بے نیازی پر نظر کرو اور سوچو کہ جنت پیدا ہو چکی ہے اور اسکے لئے اوسمین جانیوالی مخلوق بھی تجویز ہو لی ہے اسیطرح دوزخ بھی موجود ہے اور اسکے لائق مخلوق بھی تجویز ہو چکی ہے اور سعادت و شقاوت یعنی خوش قسمتی و بدنصیبی کا قطعی حکم ہر شخص کی تقدیر مین لکھا جا چکا ہے جسمین کچھہ تغیر تبدل نہین ہوسکتا اور اس ازلی حکم کا کوئی روکنے والا نہین پس اے نفس نہ معلوم تیرے حق مین کیا حکم صادر ہوا ہے؟ اور خاتمہ کس حال پر ہونا لکھا ہے ممکن ہے کہ جنت مین جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دائمی سزا تجویز ہوئی ہو۔ عیاذاً باللہ۔ خوب یاد رکھو کہ انجام کے مخفی اور مستور حال سے نڈر وہی شخص ہوسکتا ہے جسکو حقیقت معرفت حاصل نہو اسلئے مناسب ہے کہ اون کاملین اور خاصان خدا کے حالات پڑھو اور سنو جنکو معرفت مین کمال حاصل ہے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و علماء و اہل بصیرت رحمہم اللہ۔ دیکھو ان

حضرات کو باوجود اس تقرب کے کس قدر خوف تھا چنانچہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "جب کبھی جبرئیل امین میرے پاس وحی لیکر آئے خداوند جبار و قہار کے خوف سے لرزتے اور کانپتے ہوئے آئے" حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب مبارک نماز کی حالت مین خوف کے باعث ایسا جوش مارتا تھا جیسے چولھے پر ہانڈی کھولتی ہے اور اس جوش و خروش کی آواز ایک میل سے سنائی دیتی تھی" حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن کامل سر بسجود گریہ کنان رہے یہانتک کہ آنسوؤن سے آس پاس کی زمین پر گھاس پیدا ہوگئی تھی" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پرندہ کو مخاطب بنا کر یون فرمایا کہ "اے کاش مین بھی تجھ جیسا پرندہ ہی ہوتا کہ شریعت و احکام خداوندی کا مکلف ہوتا یا کاش پیدا ہی نہوا ہوتا" حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین "کاش مین نبو درخت ہوتا کہ کاٹ لیا جاتا" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہین "کاش مین تو بھولی بسری ہوجاتی" غرض خوب یاد رکھو کہ جن حضرات کو حق تعالیٰ کی بے نیازی اور جلال کی معرفت حاصل ہو وہ ہرگز بھی بے خوف اور نڈر نہین رہسکتے۔ نڈر ہونا اون غفلت شعار امرار کا شیوہ ہو جنکی نہ خاتمہ پر نظر ہے نہ اصلاح آخرت کی جانب توجہ۔ یہ غفلت کے پتلے اوس بے وقوف بچہ کی مثل ہین جسکو زہریلے سانپ سے بھی ڈر نہین لگتا مگر بچہ دوسرے کے سمجھانے سمجھ تو جاتا ہے پس اے کاش جسطرح ناسمجھ بچہ اپنے سمجھدار باپ کو سانپ سے ڈرتا اور بچتا ہوا دیکھکر خود بھی بھاگتا اور عقل سیکھتا ہو اسیطرح غافل و بے خبر مسلمان بھی اپنے محسن و مربی روحانی طبیبون اور خاصان خدا کی حالت خوف کے مشاہدے سے عبرت پکڑین۔

(**فصل**) خوف درحقیقت ایک چابک ہو جو انسان کو سعادت ابدی کی جانب دوڑاتا ہے اسلئے اوسی حد تک پسندیدہ ہے جبتک کہ نیکوکاری کا ذریعہ بنے یعنی اتنا زیادہ ہو کہ بیکار بنادے اور مایوسی کی حالت تک پہونچا کر اعمال چھوڑ بیٹھے۔ ایسا حد سے زیادہ خوف جس سے یاس پیدا ہو شرعاً مذموم ہے کیونکہ حدیث مین آتا ہو کہ "ایمان خوف و امید کے بین بین ہے" پس خوف کے ساتھ رجا یعنی امید بھی ضروری ہو البتہ گناہگار مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہئے اور جب دیندار بنجائے تو دونون کو مساوی درجہ پر رکھے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر اللہ پاک کا حکم صادر ہو کہ ساری مخلوق مین سے صرف ایک شخص جنت مین جائیگا تو مین امید کرتا ہون کہ وہ ایک شخص مین ہی ہونگا اور اگر یہ فرمان صادر ہو کہ دوزخ مین صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا تو مجھے خوف ہو کہ وہ شخص کہین مین ہی نہون" یہ حالت مساوات ہو جسمین خوف و رجا دونون کے پلّے برابر ہین۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جوانی و تندرستی کے زمانہ مین مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہیئے کیونکہ اس غلبۂ شہوت
کے زمانہ مین شہوات نفسانیہ کے توڑنے اور منزلِ مقصود تک پہونچنے کے لئے مہذب بنانیکو خوف کے کوڑے
کی ضرورت ہی اور بڑھاپے یا مرض کے زمانہ مین جبکہ موت قریب ہو تو رجا یعنی امید کو غالب رکھنا چاہیئے کیونکہ
اول تو ضعف و نقاہت اور مرض کے باعث کچھ بہت ہوتا ہی نہین اور اگر اس حالت مین خوف غالب ہوا تو اتنا بھی
نہ ہوسکے گا بالکل ہی ہاتھ پاؤن پھول جائینگے۔ حدیث مین آتا ہے کہ "مسلمان کو مرتے وقت اپنے خدا کے ساتھ
نیک گمان رکھنا چاہیئے" اور ظاہر ہے کہ نیک گمان اوسیوقت ہوگا جب کچھ نیک اعمال بھی پاس ہون کیونکہ
انسان جب کاشت کے لئے زمین مین بیج ڈالتا اور نولانے یا پانی دینے کے متعلق اپنی جیسی سعی سب کچھ کرلیتا
ہے اوسیوقت خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے پیداواری اور بوئے ہوئے کے کاٹنے کی امید رکھ سکتا ہے
اور جب تک بیج ہی نہین ڈالا اوس وقت اناج کی طلب و خواہش کو رجا و امید نہین کہتے بلکہ تمنا اور
ہوس کہتے ہین اور تمنا و ہوس ایک شیطانی دھوکہ ہے اسی لئے حق تعالی فرماتا ہے کہ "جو بندے ایمان
لائے اور ہجرت کرگئے اور فی سبیل اللہ جہاد کیا وہی اللہ کے رحمت کے امیدوار ہین"۔ اس سے معلوم ہوگیا
کہ رجا و امید سعی و کوشش کے بعد ہوتی ہو جسطرح کاشتکار بونے جوتنے کی پوری محنت کرلینے کے بعد منتظر
ہوتا ہے کہ اگر آسمانی آفت سے حفاظت ہوئی اور بجلی اولہ آگ سے کھیت کو حق تعالی نے بچائے رکھا تو امید
ہے کہ جتنا بیج ڈالا ہے ایک ایک کے بدلے ستر ستر بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل ہون اسیطرح مسلمان
کو خدا کی اطاعت مین پوری مشقت اوٹھانے اور مجاہدہ و ریاضت کرنیکے بعد امید رکھنی چاہیئے کہ اگر حق
تعالی نے اپنی فضل سے اس کئے ہوئے کو قبول فرمالیا تو ایک ایک نیکی کا سات سات سو گونا بلکہ اس سے
بھی زیادہ اجر ملے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ خوف کے باعث معاصی اور خدا کی نافرمانیون سے رکنا چاہیئے اور امیدِ رحمت کے سبب
نیکیون مین رغبت پیدا ہونی چاہیئے پس خوف کو معتبر اوسیوقت سمجھو جبکہ وہ تمکو معصیت سے روکدے اور گناہ
کی جرأت نہ ہونے دے اور اگر یہ حاصل نہو تو وہ خوف نہین ہے بلکہ عورتون جیسی رقت قلبی اور موہوم خیال لیا
ہے جس کا کچھ اعتبار نہین اور چونکہ خوف جس وقت کمال پر پہونچتا ہے اوس وقت دنیا سے
بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام زہد ہے۔ اس لئے زہد کا بیان مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ وہ کیا شے ہے؟

تیسری اصل زہد کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے محمد اوس مال وجاہ کی جانب نظر اوٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے کافرون کو دُنیا کی تازگی کی جنس سے دے رکھا ہی کیونکہ اس سے تو مقصود اونکو فتنہ مین ڈالے رکھنا ہے اور تمھارے پروردگار ہی کی عطا بہتر اور زیادہ پائیدار ہے" اور قارون ملعون کے قصہ مین ارشاد ہے کہ قارون بن سنور کر ٹھاٹھ کے ساتھ مجمع مین نکلا اور بعض لوگون کو یہ تزک و احتشام دیکھکر حرص ہوئی تو جن لوگون کو علم مرحمت ہوا تھا وہ کہنے لگے کہ ہائے افسوس اس ناپائیدار چیز کی حرص کرتے ہو دیکھو حق تعالیٰ کا ثواب سب سے بہتر چیز ہے" اس قصہ سے معلوم ہوا کہ زہد علم کا ثمرہ ہی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جو شخص صبح اُٹھتے ہی دُنیا کے غم مین گرفتار ہوجاتا ہی حق تعالیٰ اس کا دل پریشان کر دیتا ہی اور ملتا ہی اُسیقدر جتنا کہ اوس کی تقدیر مین لکھا جاچکا ہے اور جو شخص صبح اُٹھتے ہی آخرت کی فکر مین لگ جاتا ہی تو حق تعالیٰ اوس کا قلب مطمئن رکھتا اور اوسکی دُنیا کی خود حفاظت وکفالت فرماتا ہے۔ اس نیک بندے کا دل غنی کر دیتا ہے اور دنیا اس قدر مرحمت فرماتا ہی کہ یہ منہ پھیرتا ہے اور دنیا اسکے پیچھے پیچھے بھاگی چلی آتی ہی" حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ جسکو ہدایت دینی چاہتا ہے اوس کا شرح صدر کر دیتا ہے" اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یون بیان فرمائی ہے کہ اوس شخص کے قلب مین ایک نور داخل ہوجاتا ہے جس سے سینہ منشرح ہوجاتا ہے" صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اس کی علامت وشناخت کیا ہی؟ آپنے فرمایا کہ "دنیا سے بے رغبتی اور دین کی جانب توجہ اور موت سے پہلے موت کا انتظام کرنا منشرح صدر کی خاص پہچان ہے" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جسکو حق تعالےٰ زاہد بناتا ہے اوس کے قلب مین حکمت القا فرماتا ہی اور دُنیا کی بیماری وعلاج سے آگاہ کر دیتا ہے اور اس جہان فانی سے بے لوث وپاک صاف باہر نکال کر دارالسلام مین پہونچا دیتا ہے اسکے بعد صحابہ سے فرمایا کہ "حیا جو حقتعالیٰ سے حیا کرو" صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حیا تو کرتے ہین آپنے فرمایا کہ جہان رہنا نہین ہی وہان مکانات بناتے ہو اور جو کھا نہین سکتے وہ جمع کرتے ہو۔ یاد رکھو کہ بندہ کا ایمان کامل اوس وقت ہوتا ہی جب نامعلوم پڑے رہنے کو شہرت سے زیادہ پسند کرے اور دنیاوی ہرشے کی قلت اوس کی کثرت سے زیادہ محبوب سمجھی خوب سمجھ لو کہ جب انسان دُنیا مین زاہد بنتا ہے تو حق تعالیٰ اوسکو اپنا محبوب بنالیتا ہے اور جب خدا کا محبوب بنجاتا ہے تو مخلوق کی نظرون مین بھی محبوب ہوجاتا ہی" حقیقۃً زہد یہ ہے کہ انسان دنیا کے مال ومتاع کیجانب التفات نہ کرے اور باوجود قدرت تحصیل کے پھر اس کی جانب توجہ نہ کرے اور زہد کی اصل وہ نور وعلم ہے جو

اللہ کی طرف سے بندہ کے قلب مین ڈال دیا جاتا ہے جسکی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہی اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دنیاوی جملہ ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہین اور آخرت ہی بہتر و پائیدار ہے جسوقت یہ نور حاصل ہوتا ہے اوس وقت اس ناپاک دُنیا کی آخرت کے مقابلہ مین اتنی بھی وقعت نہین رہتی جتنی کسی بیش قیمت جواہر کے مقابلہ مین ایک پھٹے پرانے جھیتھڑے کی وقعت ہوتی ہے اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت و کفایت دُنیا پر قناعت حاصل ہو پس زاہد اوسی مقدار پر کفایت کرتا ہے جتنا کسی مُسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہے اور وہ ضروری سامان جسکی ہر شخص کو احتیاج ہی یا طعام ہے یا لباس یا اثاث البیت اور ہر ایک مین زہد کے مراتب و مدارج ہین جنکی تفصیل ہم بیان کرتے ہین۔

طعام کی ضرورت رفع کرنے مین زہد تین اعتبار سے ہوتا ہے یعنی مدت اور مقدار اور جنس پس مدت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا زہد تو یہ ہے کہ صرف ایک وقت کے کھانے پر قناعت کرے یعنی اگر صبح کو بھوک رفع ہوجائے تو شام کے لئے کچھ پاس نہو اور شام کو پیٹ بھر جاے تو صبح کیلئے کچھ ذخیرہ نہو۔ اور اوسط درجہ یہ ہے کہ مہینہ بھر یا چالیس دن کی خوراک مہیا ہو اس سے زیادہ کی پرواہ نہو اور ادنیٰ درجہ یہ ہی کہ صرف سال بھر کا ذخیرہ جمع کرلیا جائے اور سال سے زیادہ کا سامان جمع کرنا تو زہد سے بالکل خارج ہے۔ البتہ اگر کسی قسم کا ذریعہ کسب و تحصیلِ معاش کیلئے کوئی دُنیاوی مشغلہ نہو تو سال سے زیادہ کا ذخیرہ جمع کرلینا بھی زہد کے منافی نہین ہی چنانچہ شیخ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیس درہم تھے جنپر شیخ نے کامل بیس سال قناعت کی تھی چونکہ کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اسلیئے بیس سال کا ذخیرہ جمع رکھنا زہد کے مخالف نہ تھا۔

طعام مین مقدار کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کی مقدار جسکو زہد کا اعلیٰ درجہ کہنا چاہیئے نصف رطل یعنی پاؤ سیر اناج کی مقدار ہے اور اوسط درجہ کی مقدار آدہ سیر اور اعلیٰ مقدار سیر بھر غلہ پس جسنے اس سے زیادہ مقدار کھائی تو سمجھو کہ زہد کے خلاف کیا۔

جنس کی حیثیت سے اعلیٰ درجہ کا زہد مطلقاً اوس جنس کے کھانے پر قناعت کرنا ہے جسمین غذائیت پائی جاے اگرچہ اناج کی بھوسی ہی کیون نہو اور اوسط درجہ جو کی روٹی ہے اور ادنیٰ درجہ گیہون کے بے چھنے آٹے کی روٹی کا کھانا اور اگر آٹا چھان لیا تو اس کا نام زہد نہین ہے بلکہ تنعم اور تلذذ ہے اور ترکاری مین افضل درجہ کی ترکاری جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے وہ سرکہ اور سبزی اور نمک کا استعمال ہی اور اوسط درجہ چکنائی کا استعمال اور اعلیٰ درجہ کی ترکاری جو زہد کا سب سے نیچے کا درجہ ہے گوشت کا کھانا ہے بشرطیکہ ہفتہ مین صرف ایک

بادو مرتبہ ہوا اور اگر ہمیشہ گوشت کی عادت ہی تو زہد سے بالکل باہر ہے دیکھئے حضرت اُم المومنین بی بی عائشہ
خاتون رضی اللہ عنہا فرماتی ہین کہ " چالیس چالیس دن گذر جاتے تھے اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ و
سلم کے دولتکدہ مین آگ بھی نہین سلگتی تھی" معتبر ذریعہ سے ثابت ہی کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم
نے جب سے مدینہ منورہ مین قدم رنجہ فرمایا کبھی تین دن بھی گیہون کی روٹی پیٹ بھر کر نہین کھائی اَللّٰھُمَّ
صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِکَ وَ صَفِیِّکَ بِقَدْرِ زُھْدِہٖ وَکَمَالِہٖ لباس مین اعلیٰ درجہ کا زہد یہ ہے کہ صرف اتنے کپڑے
پر قناعت کرے جس سے ستر چھپ جائے اور سردی گرمی رفع ہو سکے اور ادنیٰ درجہ کا زہد یعنی اعلیٰ درجہ
کا لباس یہ ہو کہ کسی کھردرے کپڑے کا کُرتہ پاجامہ اور ایک رومال بس اگر دو کُرتے بھی پاس ہونگے تو
زہد ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ زہد مین کم سے کم یہ تو ضرور ہونا چاہئے کہ اگر پہنے ہوئے کپڑون کے دھونے کی ضرورت ہو تو
دوسرا جوڑہ پاس نہ نکلے رومال باندھکر دھولے اور پھر پہن لے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہین کہ بی بی عائشہ رضی اللہ
عنہا نے صوف کی ایک چادر اور ایک موٹا کُرتہ نکال کر مجھکو دکھایا اور فرمایا کہ ان دو کپڑون مین سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین کا ایک نیا جوڑا پہنا اور پسند
آیا تو فوراً سجدہ مین گر پڑے اور فرمایا کہ "مجھے یہ نعلین اچھی معلوم ہوئین اور یہ اندیشہ ہوا کہ حق تعالیٰ غصہ نہ ہوجائے
اسلیئے تواضعاً سر بسجود ہو گیا" یہ فرما کر آپ باہر تشریف لائے اور جو مسکین سب سے پہلے نظر پڑا اوسکو
نعلین مبارک مرحمت فرمادین"۔ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قمیص مین بارہ پیوند لگنے گئے تھے
جنمین بعض چمڑے کے تھے" حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین کہ مقتدا اور پیشوا شخص پر ضروری ہے کہ ادنیٰ
حیثیت کے لوگون کا سا لباس پہنے تاکہ اُمرا اور متمول اصحاب اوس کا اقتدا کرین اور فقرا و نادار اشخاص اپنے
فقر کو بہ نظر حقارت نہ دیکھین۔

مسکن مین ادنیٰ درجہ کا مسکن جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے یہ ہی کہ مسافرخانہ یا مسجد کے کسی حجرے مین زندگی
کے دن گذار دے اور اعلیٰ درجہ کا مسکن یہ ہے کہ سکونت کے لئے کوئی خاص جگہہ تجویز کرلے یعنی بقدر ضرورت
ایک حجرہ خواہ خرید لے یا کرایہ پر لے لے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ اوسمین وسعت نہو۔ اونچی اونچی دیوارین نہون
نہ قلعی چونہ ہو نہ کہگل"۔ اور چونہ کہگل یا استرکاری کے مکانات مین رہائش تو زہد سے خارج ہے۔ حضرت عبداللہ
بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ ہم مکان مین چونہ کی استرکاری کر رہے تھے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم
تشریف لائے اور فرمایا کہ "میان وقت تو اس سے پہلے برابر ہو جانیوالا ہے" یعنی انسان کو ناپائیدار زندگی

کیلئے اِس استحکام و پائیداری کی کیا ضرورت ہی؟ موت آجائیگی اور یہ یہین دھرا رہیگا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے رہائش کے لئے پھونس کا ایک جھونپڑا بنا رکہا تھا اوسی مین ایام گذاری فرماتے تھی لوگون نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ ایک گھر بنا لیجئے تاکہ آرام ملے۔ حضرت نے فرمایا کہ میان مرنیوالے کیواسطے تو یہ پھونس کا گھر بھی بہت ہی۔ حدیث مین آتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ جو شخص مکان بنائیگا قیامت کے دن اوسکو تکلیف دیجائیگی کہ اوس مکان کو سر پر اُٹھائے۔ پس اب تم خود سمجھ لو کہ ضرورت کس چیز کا نام ہی اور کس مقدار و حیثیت کے مکان سے وہ رفع ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ جس حد تک گرمی سردی رفع ہو وہ تو ضرورت مین داخل ہے اور اِس سے زیادہ سجاوٹ یا وسعت تو عبث و بیکار اور آخرت کیلئے مخدوش و خطرناک ہی ہے۔

اثاث البیت مین بھی کئی درجے ہین ادنیٰ درجہ کا سامان جسکو زہد کا اعلیٰ درجہ کہنا چاہئے وہ ہے جو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ و علےٰ نبینا السلام کا حال تھا کہ ایک کنگھا اور ایک آبخورا پاس تھا یہی اثاث البیت تھا اور یہی سفر و حضر کا سامان چلے جارہی تھے کہ ایک شخص نظر پڑا جو انگلیون سے کنگھے کا کام لے رہا اور بال درست کر رہا تھا یہ دیکھکر حضرت روح اللہ نے کنگھا پھینکدیا اور فرمایا کہ یہ تو ضرورت سے زاید چیز ہے۔ اب آبخورا رہگیا اوسکو لیکر آگے چلے تو ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ کے چُلّو سے پانی پی رہا ہے پس آبخورہ بھی پھینکدیا اور فرمایا کہ خدا کے عطا کئے ہوئے بدن ہی کے عضو سے جو کام نکلے اوس کے لئے دوسرا انتظام فضول ہے اوسط درجہ یہ ہی کہ معمولی خسیس برتن رکھے اور وہ بھی ہر قسم کی ضرورت کیلئے ایک عدد سے زیادہ نہو۔ اور اسمین بھی یہ لحاظ رکھے کہ جہان تک ہوسکے کئی کئی ضرورتین ایک ہی برتن مین رفع ہو جائین چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہر حمص کے حاکم حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیون میان تمھارے گھر مین دُنیاوی ضرورتون کے رفع کرنیکے لئے کیا کیا اسباب ہے؟ انھون نے جواب دیا کہ حضرت ایک توڑا لاٹھی ہے اوسی پر تکیہ کی طرح سہارا لگا لیتا ہون اور اوسی سے موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ کو مار دیتا ہون اور ایک تھیلا ہے جسمین کھانا رکھ لیتا ہون اور ایک پیالہ ہی جسمین کھانا رکھکر کھا لیتا ہون اور اوسی مین بشرط ضرورت سر اور کپڑا وغیرہ دھو لیتا ہون اور ایک برتن ہے جس مین رتنا پانی آجاتا ہے جو پینے اور وضو کرنیکے لئے کافی ہو بس یہ چار عدد میرے پاس موجود ہین اور اپنی ساری ضرورتین اولٹ پھیر کر اسی مین پوری ہو جاتی ہین۔ حضرت فاروق رضؓ یہ فرما کر کہ "سچ کہتے ہو" خاموش ہو رہے تمنے سنا ہوگا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک جسپر استراحت فرماتے تھے "ایک تو چرمی تکیہ تھا

جسمین لیف گھاس بھری ہوئی تھی اور ایک تحمل" غرض زاہدون کے یہ حالات ہین جو نمونہ کے طور پر بیان کر دیئے گئے ہین اگر اس مرتبۂ کمال کے حاصل کرنیسے خدانخواستہ محروم رہو تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہو کہ اس محرومیت پر افسوس ہی کرو تاکہ زہد کی قلب مین محبت اور حصول کی خواہش تو باقی رہے اور نیز اس کا ہمیشہ خیال رکھو کہ لذت پسند اور متنعم امراء کے قرب کی بنسبت اللہ کے زاہد بندون کے پاس اوٹھنا بیٹھنا پسند کرو اور جہان تک بھی ہو سکے زاہدون کے مثل بننے اور عالی درجہ کے حاصل کرنے کی کوشش مین لگے رہو۔

(**فصل**) زہد کے کئی درجہ ہین **ایک** درجہ تو یہ ہے کہ نفس گو دُنیا کی جانب مایل ہو مگر اوسکو بالجبر بے التفات بنایا جائے اور دُنیا حاصل کرنیسے زبردستی روکا جائے۔ اس حالت کو زہد کہنا ٹھیک نہین معلوم ہوتا۔ البتہ اگر تزہد اس کا نام رکھا جاسے اور زہد کی ابتدا سمجھا جائے تو مناسب ہے۔ **دوسرا** درجہ یہ ہے کہ نفس سقدر متنفر ہو کہ دُنیا کی جانب میلان ہی نہ کرے اور یہ سمجھہ جائے کہ دُنیا اور آخرت کی نعمتون مین چونکہ اجتماع ناممکن ہے اسلیئے آخرت کی لذتون کے حاصل کرنے مین دُنیاوی مال و متاع پر اس طرح خاک ڈالدینی چاہیئے جسطرح کسی بیش بہا جوہر کے خریدنے مین چند روپیہ کی کچھ وقعت نہین سمجھی جاتی اور روپیہ دیکر نہایت خوشی سے جوہر لے لیا جاتا ہے ایسے ہی دُنیا کا ساز و سامان چھوڑکر بڑی مسرت کے ساتھ آخرت کی نعمتین حاصل کرلی جائین۔ اور **تیسرا** درجہ یہ ہے کہ دُنیاوی مال و متاع کا عدم وجود برابر ہو جائے اور یہ خیال رہے کہ جو کچھ بھی دُنیا مین ہے وہ حق تعالیٰ کے بیشمار خزانے کے بحرِ ذخار اور دریائے ناپیدا کنار کا ایک قطرہ ہے یہ اگر مل جائے تو کچھ مسرت نہین اور نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھ سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہین۔ اس درجہ مین نفس نہ دُنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے نہ اوس سے متنفر ہوتا ہے یہ کمال کا درجہ ہے کیونکہ تنفر بھی ایک قسم کی توجہ اور اوس شئے کے باوقعت ہونے کی علامت ہے اور جبکہ حقیر شئے کی وقعت ذہن سے نکل جاتی ہے اوس شئے کی دونون جانبین یعنی تنفر اور توجہ مساوی ہو جاتی ہین۔

ایک مرتبہ حضرت رابعہ عدویہ کی مجلس مین لوگون نے دُنیا کی مذمت بیان کرنی شروع کی تو آپ نے یون فرمایا کہ "دُنیا کی قدر و منزلت تمھارے دلون مین ضرور ہے جبھی تو مذمت کرتے ہو۔ جسقدر ارزان و ذلیل ویسے قدر شئے کی بھی کوئی مذمت کرتا ہے" خوب یاد رکھو کہ جب دُنیا کی وقعت ذہن سے نکل جاتی ہے تو رغبت اور نفرت دونون سے خالی الذہن ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ درہم آئے اور آپ نے نفرت نہین کی بلکہ لے لئے مگر اوسی دن مساکین پر تقسیم فرماکر

سب خرچ کر دئے۔ آپ کی خادمہ نے عرض بھی کیا کہ اے اُم المومنین ایک درہم کا گوشت تو خرید لینے جس سے
آپ آج روزہ افطار فرمالیتین تو آپ نے فرمایا کہ اگر پہلے یاد دلاتین تو یہ بھی کر لیتے اب تو کچھ باقی نہین رہا۔ یہ درجہ
غنا کہلاتا ہے بعض ناعاقبت اندیش جاہل صوفی دھوکہ کھاتے اور اپنے مال کی بڑہوتری و حرص کو غنا کا
درجہ سمجھہ جاتے ہین یعنی یون خیال کرتے ہین کہ چونکہ ہمارے قلب کو دُنیا سے علاقہ نہین رہا اس لئے ہمکین
یہ مال ومتاع کی کثرت مضر نہین ہے حالانکہ یہ اون کا خیال خام اور شیطانی دھوکہ ہے اگر امتحان کیا جاے
تو سب کھوٹا کھرا معلوم ہو جائیگا مثلاً اگر سارا مال یکلخت چوری ہو جائے تو دیکھو ان کا کیا حال ہوتا ہے
اور اگر اپنا مال چوری جانے کا اسیقدر اثر ہو جتنا کسی اجنبی کا مال چوری چلے جانیسے ہوتا ہے تب تو سمجھو
کہ بے شک انکے قلب کو مال سے علاقہ محبت نہین ہے اور انکے نزدیک مال کا رہنا اور چلا جانا دونون برابر
ہین ورنہ قلب کی چوری پکڑی گئی۔ غرض زہد کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ زہد سے بھی زہد حاصل ہو جاے یعنی
دنیا کی جانبسے بے التفاتی کو بھی التفات اور کچھہ وقعت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ یون سمجھنے لگے کہ کمبخت
دنیا کوئی چیز بھی ہے جسکے چھوڑنے کو بہادری کا کام سمجھا جائے اور مسرت کی نظر سے دیکھا جاے؟ اسکی
تو اہلِ بصیرت کے نزدیک اتنی بھی قدر نہین جتنی کسی بڑے بادشاہ کے نزدیک پیسہ کی قدر ہوتی ہے اس
بیحیثیت دنیا کو چھوڑکر یہ سمجھنا کہ ہمنے کچھہ چھوڑ دیا ہے حقیقت مین اسکے درجہ کا اس کی حیثیت سے
بڑہانا ہے۔ اس کی مثال تو ایسی سمجھو جیسے کوئی شخص شاہی دربار مین داخل ہونا چاہتا ہے اور اسکو دروازہ
پر بیٹھا ہوا کتا اس عزت حاصل کرنیسے روک رہا ہو تو یہ اوس کے سامنے ایک روٹی کا ٹکڑا ڈالدے تاکہ
کتا اوسکے کھانے مین لگ جائے اور یہ اپنے مطلوب کے دربار مین جا داخل ہو۔ اسیطرح شیطان حق تعالیٰ
کے دروازہ کا کتا ہے جو سالک کو مطلوب تک پھونچنے سے مانع آرہا ہے اور تمام دنیا روٹی کے ایک ٹکڑے
سے بھی زیادہ بے وقعت ہے جسکو اُسکے سامنے ڈالکر اپنے مطلب تک پھونچنے کا راستہ صاف کر لیا
ہے پس تم ہی سوچو کہ شاہی دربار کی حاضری کا اعزاز حاصل کرنیکے لئے جو کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا گیا
ہے اوسکو کیا خیال کیا جائیگا؟ بلکہ روٹی کے ٹکڑے اور دنیا وی بادشاہ مین تو کچھہ مناسبت بھی معلوم
ہوتی ہے وہ یہ کہ دونون ایک دن فنا ہونے والے ہین پس فانی شے کے حصول کیلئے ایک فانی شے
کا ہاتھہ سے کہو دینا جب وقعت کی نگاہ سے نہین دیکھا جاتا تو دُنیا اور آخرت مین تو کوئی مناسبت
ہی نہین دُنیا تو اگر لاکھون بھی ہونگی جب بھی ایک دن فنا ہو جائیگی پس آخرت کی جاوید نعمتون اور

اوس پایئدار ملک کی دائمی سلطنت حاصل کرنیکے لئے اگر اس کو ہاتھ سے چھوڑا جائے اور شیطان کے حوالہ کردیا جائے تو اس کا خیال اور ذکر ہی فضول ہی زہد کے اسباب متعدد ہین کیونکہ کبھی تو دوزخ کا خوف اور عذاب کا اندلیشہ زہد کا سبب بنجاتا ہے اس زہد کو خائفین کا زہد کہتے ہین جو سالکین طریقت کے نزدیک ادنی درجہ ہے اور کبھی اُخروی نعمتون کی رغبت زہد کا باعث ہوجاتی ہے اور اس کو راجین کا زہد کہتے ہین۔ یہ درجہ پہلے درجہ سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ رجا وامید محبت کو مقتضی ہے اور محبت کی فضیلت تمکو معلوم ہوچکی ہے اور تیسرا درجہ جو سب مین اعلے ہی وہ یہ ہے کہ ماسوے اللہ کی جانب سے بے توجہی اور نفس کا غیر اللہ کو حقیر سمجھکر چھوڑ دینا زہد کا باعث ہو۔ اس کو حقیقی زہد کہتے ہین کیونکہ پہلے دونون درجون کے زہد تو ایسے ہین جیسے کسی نافع سودے کی خرید و فروخت کہ ایک حقیر چیز اسلئے چھوڑی کہ اوس سے تکلیف دینے والی روح فرسا مصیبت دفع ہو یا کئی گنی بہتر اور نافع شے ہاتھ آئے اور اس درجہ مین ماسوے اللہ کیجانب التفات ہی کو اسلئے فضول سمجھا گیا ہے کہ وہ کوئی چیز ہی نہین ہی پس اس درجہ مین حق تعالی کے سوائے جو چیز بھی ہو خواہ مال ہو یا جاہ یا اور کوئی شے جس سے عموماً لذت حاصل ہوتی ہے سب ہی سے زہد حاصل ہوجاتا ہے برخلاف پہلے درجون کے کہ اونمین صرف مال سے زہد ہوتا ہے جاہ سے نہین ہوتا اور مال مین بھی بعض انواع سے ہوتا ہے اور بعض اقسام سے نہین ہوتا اور یہی وجہ ان درجونکے ضعیف ہونیکی ہی کیونکہ انسان کو جاہ کی محبت خواہش مال کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے اور جسکی محبت زیادہ ہو اوسی سے زہد حاصل ہونا توجہ کے قابل ہے۔

(فصل) زہد کے معنی یہ ہین کہ باوجود دُنیا حاصل کرسکنے کے دُنیا سے ایسا بے التفات ہو کہ دُنیا اسکے پیچھے بھاگے اور یہ اوس سے دامن چھوڑائے اور اگر معاملہ برعکس ہو کہ یہ دُنیا کو حاصل کرنا چاہے مگر دُنیا ہاتھ نہ آئے تو اس کو زہد نہین کہتے بلکہ اس کا نام فقر ہے۔ فقر کا درجہ زہد کی برابر نہین ہوسکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ فقر کو توانگری و تموّل پر فضیلت ہی کیونکہ توانگری مین دُنیاوی لذتون سے دلبستگی ہوجاتی ہے جسکے باعث مرنے وقت طبعی مرغوبات کے چھوڑنے کی حسرت ہوتی ہے اور دُنیا جنّت اور آخرت قیدخانہ معلوم ہونے لگتا ہے برخلاف فقر کی حالت کے کہ گو دُنیاوی لذتون سے جبراً وقہراً باز رکھا گیا مگر بہرحال چونکہ کبھی کسی چیز کا ذائقہ اور مزہ نہین لگا اس لئے مرتے وقت

کسی چیز کی محبت مین دل نہ اٹکے گا بلکہ دُنیا دار الالم اور تنگدستی کی جگہ معلوم ہوگی اور آخرت آزادی کا گھر اور جنت۔ پس اسمین شک نہین کہ فقر بھی اللہ کی بڑی نعمت اور سعادتِ اُخروی کا مضبوط ذریعہ ہے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "حق تعالی اپنے نیک بندے کو دُنیا سے ایسا بچاتا ہے جیسے تم اپنے عزیز بیمار کو کھانے پینے کا پرہیز کراتے ہو۔ میری اُمت کے فُقرا جنت مین اُمرا سے پانچسو برس پہلے داخل ہوجائینگے۔ جسوقت کسی فقیر کو دیکھا کرو تو خوش ہوجایا کروا ور کہا کرو کہ مرحبا صالحین کے شعار والے مرحبا"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استفسار کیا تھا کہ بار الٰہا آپ کو کون بندے محبوب ہین؟ بتلایئے تاکہ مین اُن سے محبت کرون ارشاد ہوا کہ وہ فقیر جنکو لوگ پاس بھی نہ کھڑا ہونے دین۔ یاد رکھو کہ اگر فقیر اپنے موجودہ حال پر قانع بھی ہو اور طلبِ مال کا زیادہ حریص نہو تو اس کا درجہ زاہد کے قریب ہی۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "مبارک ہو اوس شخص کو جسے اسلام کی ہدایت ہوئی اور بقدر کفایت معاش ملی اور او سپر قانع ہوا"۔ قانع فقیر خدا کو بہت پسند ہین چنانچہ حضرت اسمعیل علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی کہ "اے اسمعیل مجھے شکستہ دل لوگون کے پاس ڈھونڈو" حضرت اسمعیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ بار الٰہا وہ کون لوگ ہین؟ ارشاد ہوا کہ "صابر فقیر" خلاصہ یہ ہے کہ اگر فقیر کے ساتھ قناعت وصبر ورضا بھی ہو تو نورٌ علی نور اس کا ثواب بہت ہی زیادہ ہے اور چونکہ زہد کی ابتدا فقر پر صبر کرنا ہی ہے اس لئے صبر کا بیان مناسب ہے۔

چوتھی اصل صبر کا بیان

حق تعالی نے صبر کرنے والون کے لئے اتنی صفات جمع فرمائی ہین جو دوسرے کیلئے نہین فرمائین چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ "صبر کیا کرو اللہ صبر کرنے والون کے ساتھ ہے" "صبر کرنیوالون پر انکے پروردگار کی رحمتین ہین اور مہربانی اور وہی راہ یاب ہین" "صبر کرنیوالون کو انکا آجر بیشمار دیا جائیگا" وغیر ذالک۔ کلام مجید مین کچھ اوپر ستر جگہ صبر کا ذکر ہے۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "صبر نصف ایمان ہے" اور جنت کے خزانون مین کا خزانہ ہے جسکو یہ خصلت مرحمت ہوئی وہ بڑا سعادت نصیب ہے"۔ شب بیدار اور صائم الدہر سے اس کا درجہ افضل ہے۔ صبر کے حقیقی معنی ہوائے نفس کے مقابلہ مین خدا کے حکم پر مستقل اور ثابت قدم رہنے کے ہین اور یہ انسان ہی کو حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ اسپر دو مخالف لشکر مسلط اور حملہ آور ہین جنمین ایک خدائی لشکر یعنی فرشتون اور عقل وشریعت کا ہے جنکا منشا یہ ہے کہ انسان کو اپنے قابو مین لائین اور

ہدایت پر رکھین اور دوسرا شیطانی لشکر یعنی غیظ و غضب اور نفس کی خواہشون اور اسکے اسباب کا ہے جو چاہتے ہین کہ انسان کو اپنے قبضہ مین رکھین۔ انسان کو بالغ ہوکر دونون مین امتیاز کرنا اور شیطانی گروہ سے جنگ وجدال کرنا پڑتا ہے۔ پس اگر عقل کو غلبہ ہوا اور دین اسلام و شریعت محمدی پر استقلال نصیب ہوا تو صبر کا مرتبہ حاصل ہوگیا اور چونکہ بہائم مین صرف شہوات وخواہشات کا مادہ ہی عقل ور دین کا شعور نہین ہے اور فرشتون مین صرف قرب خداوندی کی استعداد پیدا کی گئی ہے۔ شہوات نفسانی اور غیظ و غضب سے بالکل منزہ رکھے گئے ہین اسوجہ سے ہر وقت تسبیح و تہلیل مین مشغول رہتے ہین۔ جانتے ہی نہین کہ شہوت کیا ہی؟ اسلئے صبر کا مرتبہ ان دونون مین سے کسیکو حاصل نہین ہوسکتا اور انسان مین چونکہ دونون متضاد صفتین موجود ہین یعنی خواہشات نفسانیہ بھی ہین اور بھلا برا سمجھنے کا شعور اور عقل و فطرت سلیمہ بھی موجود ہے پس ایک کو مغلوب اور دوسرے کو غالب کرنا جسکا نام صبر ہے انسان ہی کے لئے مخصوص ہوا۔ یاد رکھو کہ جب یہ دونون حالتین اپنا اپنا رنگ جمانا چاہتی ہین تو اوسوقت انسان کو عقل سے کام لینے اور اپنا انجام سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ دین کو غالب رکھکر مقام صبر پر پہونچے اسکی ایسی مثال ہے جیسے مریض کو تلخ دوا دیجاتی ہے تو لذت طلب کرنیوالا ذائقہ اور مزہ تو یہ چاہتا ہے کہ اسکو پاس بھی نہ آنے دے اور عقل چاہتی ہے کہ گو تلخی ناگوار گذرے مگر آنکھین بند کرکے جبراً قہراً پی لیجائے تاکہ جلد شفا حاصل ہو پس اگر عقل کو غلبہ ہوگا تو بیشک دوا کی تلخی پر صبر کیا جائیگا اسیطرح اگر دینی معاملہ مین عقل و فطرت سلیمہ کو غلبہ ہوگا تو ریاضت و مجاہدہ کی دشواریون کو برداشت کیا جائیگا اور چونکہ ایمان نام ہے علم وعمل کا اور عمل کی دو جانبین ہین جسمین بعض کا کرنا مقصود ہے اور بعض سے باز رہنا مطلوب ہے اسیطرح اخلاق وعادات مین عادات محمودہ سے آراستہ ہونا ضروری ہے اور خصائل رذیلہ سے خالی اور پاک رہنا لازمی ہے اور یہ درجہ بغیر صبر کے حاصل نہین ہوسکتا اس لئے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے صبر کو آدہا ایمان فرمایا ہے اور چونکہ صبر کبھی شہوت کے مقابلہ مین ہوتا ہے اور کبھی غصہ کے مقابلہ مین اور روزہ شہوت کے توڑنے کا نام ہے اسلئے روزہ کو نصف صبر ارشاد فرمایا ہے۔ یاد رکھو کہ صبر کے تین درجے ہین۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ شہوت اور ہوائے نفس کے مادہ ہی کا قلع قمع کردیا جائے کہ اوسکو مقابلہ کی قدرت ہی نہ رہے اسی درجہ والون کی شان مین وارد ہوا ہے کہ "انہون نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اسی پر ثابت قدم رہے" اور انہین کے نفس کو نفس مطمئنہ کے خطاب سے مخاطب بنا کر مرتے

وقت بشارت دیجائیگی کہ "اے نفس مطمئنہ چل اپنے پروردگار کیطرف تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھسے راضی"
اورسب مین ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہوائے نفسانی غالب آجائے اور قلب شیطانی لشکر کے حوالہ ہوجائے اسی خطرناک
حالت والون کو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرا فرمان صادر ہوچکا کہ مین تم ہی سے جہنم بھرونگا" (اللہ پناہ مین رکھے)
اس کی دو علامتین ہین ایک یہ کہ ایسا شخص کہا کرتا ہے کہ "مجھے توبہ کا شوق تو ہے مگر مجھسے ہو نہین سکتی۔
اور اسی لئے اب اوسکی کچھ خواہش بھی نہین رہی" یہ یاس کا درجہ ہے جو مہلک ہی۔ دوسری علامت یہ ہے
کہ توبہ کا شوق بھی نہ رہے اور کہنے لگے کہ "اللہ رحیم وکریم ہے اوسے میری توبہ کی کچھ پرواہ نہین ہے
کیونکہ میرے بلا توبہ جنت مین بھیجدینے سے جنت جیسی وسیع جگہ چھوٹی نہین پڑجائیگی؛ ورخدا کی رحمت
شاملہ مین کچھ کمی نہین آجائیگی" یہ بیچارا کم عقل متحیر ہے اس پابند ہوا وہوس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی
مسلمان شخص کافرون کے ہاتھ مین قید ہوجائے اور کافر اوسکو کبھی خنزیرون کے چرانے اور اسکے النجس العین
کے کھلانے پلانے کی خدمت سپرد کردین اور کبھی گردن اور کمر پر شراب کے پیپے لدواکر گھرون تک لیجائین
اور یہ اس ذلیل حالت کو ذلیل نہ سمجھے پھر بھلا نجات کی کیا صورت ہوسکتی ہے تمھین بتلاؤ کہ اگر بادشاہ
کی کسی پیاری اولاد کو پکڑ کر کسی ذلیل وبے عزت غلام کے حوالہ کردین کہ وہ اوس کو اپنا غلام بناکے پاؤن
دبوائے اور جو چاہے خدمت لیاکرے تو اس بیچارے شہزادے کا کیا حال ہوگا اسیطرح اس غفلت شعار
مسلمان کا حال ہے جسنے حق تعالیٰ کے تقرب پر دنیائے دنی کو ترجیح دی اور ہوائے نفسانی کا قیدی ہوگیا
توبہ اور توجہ الی اللہ کا شوق تک بھی اوسکے دل سے جاتا رہا۔ (نعوذ باللہ من ہذا الحال الردی)

متوسط درجہ یہ ہے کہ خدائی لشکر اور شیطانی گروہ مین جنگ وجدال قایم ہو کبھی اس کا پلہ بھاری اور کبھی
اوسکے ہاتھ میدان رہے نہ اسکو کامل شکست ہوا ور نہ اوسکی کھلی ہوئی فتح پس اس قسم کے لوگون کے بارے
مین ارشاد ہے کہ "یہ لوگ ہین جنھون نے اعمال صالحہ کو بدکارون مین خلط کر رکھا ہے امید ہے کہ حق تعالیٰ
انپر توجہ فرماوے" اس کی علامت یہ ہے کہ ضعیف خواہشون کو ترک کرے اور زورآور شہوات کو نہ چھوڑسکے
اور نیز کبھی خواہشات کو چھوڑدے اور کبھی اونکے ہاتھون عاجز آجائے مگر اپنے مغلوب ہونے پر حسرت
وافسوس کرتا اور برابر اس کوشش مین لگا ہوا ہے کہ کسیطرح نفس پر قابو حاصل ہوجائے تو بہتر ہے
اسکو جہاد اکبر کہا گیا ہے اور اسی مین اسکو دیکھنا ہے کہ کہان تک فتح حاصل کرتا ہے؟ اگر مغلوب رہا
اور قوت عقل کو غلبہ نہ دیسکا تو بالکل جانور کی برابر ہے بلکہ اس سے بھی گیا گذرا کیونکہ اوسمین تو

عقل ہی نہیں اور اسمین یا وجودیکہ عقل ہے مگر چوپایہ کی طرح خواہش نفس کے پورا کرنے مین مصروف ہو اور اگر غالب آگیا تو کام بنگیا۔

(فصل) انسان تمام عمر ہر حالت مین صبر کا محتاج ہے کیونکہ دنیا مین دو ہی حالتین ہین یا اپنی مرضی کے موافق یا مخالف وناگوار پس اگر مرضی اور منشا کے موافق حالت ہے مثلاً تندرستی۔ تونگری۔ اولاد۔ عزت۔ جاہ سب کچھ حاصل ہے تو صبر کی نہایت ضرورت ہے کیونکہ اگر نفس کی باگ نہ تھامیگا تو یہ سرکش شرارت کریگا اور تنعم ولذذ مین ہمیشہ کا نہ قدم رکھیگا یعنی خواہشات کے پیچھے ہو لیگا اور ابتدا انتہا سب بھول جائیگا اسی لئے صحابہ کرام فرماتے ہین کہ ہم تنگی ومصیبت اور فقر وفاقہ کے فتنہ مین مبتلا ہوئے تو صابر نکلے مگر فراخی ووسعت اور امارت وتونگری کے فتنہ مین گرفتار ہوئے تو صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا'' اور فراخی مین صبر کے یہی معنی ہین کہ قلب کا میلان اس دنیاوی متاع کی جانب نہو بلکہ یہ سمجھے کہ جو کچھ بھی مجھے خدا کی سرکار سے عطا ہوا ہے سب خدا کی امانت ہے جو عنقریب مجھسے واپس لیجائیگی پس جب تک ہے اوسوقت تک شکر ادا کرنا چاہئے اور جب چلی جاے تو رنجیدہ نہونا چاہئے اور اگر خدا نخواستہ غفلت اور اتباع ہوا مین مشغول ہوگیا تو بے خبر کہا جائیگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دلی خواہش کے مخالف حالت ہو اور اس کی چار قسمین ہین پہلی قسم اُن طاعات پر صبر کرنا جس سے نفس گھبراتا اور بھاگتا ہے محض کسل کی وجہ سے نماز پڑھنی ناگوار ہے اور بخل کیوجہ سے زکوٰۃ دینی ناپسند اور کسل وبخل دونون کی وجہ سے حج اور جہاد دشوار پس نفس پر جبر کرنا اور طاعت پر صبر اگرچہ گران ہے مگر ضروری بات ہے کہ اس گرانی کا تحمل ہو اور نفس کو زیر کرے اور جب مطیع ہوگیا تو پھر تین قسم کے صبر کا حکم ہے۔ اول عبادت کے شروع کرنیسے پہلے اخلاص پیدا کرنا ریا وغیرہ کا دور کرنا نفس کے مکر وفریب سے بچنا ضروری ہے دوم حالت عبادت مین صبر لازمی ہے تاکہ آداب وسُنن اور مستحبات کے ادا کرنے مین کسل وکاہلی نہو اور عبادت مین اول سے آخر تک حضور قلب قایم رہے شیطانی وسواس اور نفس کے خطرات ایک لمحہ بھی پاس نہ آنے پائین سوم فراغت پانیکے بعد صبر کی ضرورت ہے کہ ریا وسمعہ کے طور پر اظہار کرنا اور لوگون سے اپنی عبادت کا ذکر کرتا نہ پھرے غرض یہ صبر ہر جگہ ضروری ہے اور نفس کو شاق گذرتا ہے

دوسری قسم معاصی سے صبر کرنا خاصکر ایسی معصیت سے جس کا نفس عادی ہو رہا ہے اور اس کا مزہ پڑا ہوا ہے کیونکہ یہان خدائی لشکر یعنی عقل ودین سے دو لشکرون کا مقابلہ ہے ایک شیطانی گروہ اور دوسرا اوسکے ساتھ اوس کا معین ومددگار یعنی عادت کا لشکر اور پھر خصوصاً عادت بھی ایسی چیزون کی جن کے

حاصل کرنے مین سہولت ہو کچھ خرچ کرنے کے اسباب مہیا کرنیکی بھی حاجت نہین مثلاً غیبت جھوٹ۔ جھگڑا۔ خودستائی وغیرہ زبان کی معصیت پس ان سے بچنا اور صبر کرنا بڑے بہادر کا کام ہے۔

تیسری قسم۔ اُن چیزون پر صبر کرنا جو تمہاری اگرچہ اختیاری نہین ہین مگر ان کا تدارک اور تلافی تمہارے قبضہ مین ہے مثلاً کسی ایسے شخص سے ایذا کا پہونچنا جس سے انتقام لے سکتے ہو مگر صبر کرو اور انتقام نہ لو اور یہ کسی وقت واجب ہے اور کسی وقت مستحب چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہین کہ جب تک مُسلمان ایذا پر صبر نہین کرتا تھا ہم اُسکے ایمان کو کامل نہین سمجھتے تھے" حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "مسلمانون کی یہ شان ہے کہ کافرون کی ایذائین برداشت کرتے اور یون کہتے ہین کہ ہم اون تکالیف پر ضرور صبر کرینگے جو تم ہمکو پہونچاؤگے"

چوتھی قسم جو بالکل غیر اختیاری ہو یعنی تلافی بھی اپنے اختیار مین نہو جیسے کسی عزیز کے مرجانے یا مال کے برباد ہوجانیکی مصیبت یا کسی مرض و بیماری کا پیدا ہوجانا یا کسی عضو کا جاتا رہنا غرض تمام بلائین اور حوادثات پر صبر کرنا اسکا بڑا درجہ ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جب مین کسی بندے کو مصیبت مین مبتلا کرتا ہون اور وہ صبر کرتا ہے یعنی شکایت کا کلمہ زبان پر نہین لاتا تو مین اوس کا معاوضہ دیتا ہون گوشت سی بہتر گوشت اور خون سے بہتر خون اگر تندرست کردیتا ہون تو گناہ معاف کرکے تندرست کرتا ہون اور وفات دیتا ہون تو پاک صاف کرکے اپنی رحمت کے جوار مین لے لیتا ہون" غرض انسان کسی حالت مین صبر سے مستغنی نہین ہوسکتا اور چونکہ صبر نصف ایمان ہے اور ایمان کا دوسرا النصف حصہ شکر ہے کیونکہ اسکو بھی تمام اعمال سے تعلق ہے اِسلئے شکر کا بیان کرنا بھی مناسب ہے۔

پانچوین اصل شُکر کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے "اگر تم لوگ شکر کروگے تو ہم تمکو زیادہ دینگے" رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ کھانیوالا شکر گذار بندہ روزہ دار صابر کی برابر ہے" تمنے سُنا ہوگا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مُبارک عبادت کرتے کرتے ورم کر آئے تھے اور آپ تہجد مین گریہ و بکا بہت فرماتے تھے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپکے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوگئے ہین آپ اس قدر کیون گریہ و بکا فرماتے ہین؟ آپ نے جواب دیا کہ اے عائشہ کیا مین خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنون؟ اِس مین شک نہین کہ شکر کا مرتبہ نہایت عالی ہے صبر و خوف و زہد اور تمام مذکورہ مقامات سے بلند ہے کیونکہ جن اوصاف کا ذکر ہو چکا ہے اِن مین سے کوئی بھی مقصود بالذات نہین ہے بلکہ سب مقصود بالغیر ہین دیکھئے صبر لو اس لئے

مقصود ہے کہ ہوائے نفس کا قلع قمع ہوجائے اور خوف اسلئے مطلوب ہے کہ کوڑے کا کام دیکر مقام مقصود تک پہونچاوے اور زہد کا منشاء ان تعلقات سے بھاگنا ہی جنہون نے اللہ تعالی کی جانب سے بے توجہ کر رکھا ہے مگر ہان شکر مقصود بالذات اور فی نفسہ مطلوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ شکر کا وجود جنت مین بھی ہوگا توبہ وخوف اور زہد وصبر کی وہان حاجت نہین ہے البتہ وہان کی نعمتون پر بندے شکر ضرور ادا کرینگے۔ چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے کہ اہل جنت کا آخری قول "الحمد للہ رب العلمین" ہوگا شکر ادا کرنیکے لئے شکر کی ماہیت معلوم ہونی ضرور ہے یعنی اول علم ہونا چاہئے کہ شکر کیا چیز ہے؟ اور جب یہ معلوم ہوگا تو ایک حالت خاص پیدا ہوگی اور پھر اوس حالت خاص کے بعد عمل متفرع ہوگا یہی شکر کے تین رکن ہین جنکو ہم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہین۔

اول علم یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا نیز یہ سمجھنا کہ تمام نعمتین حق تعالی ہی مرحمت فرماتا ہی اور جس قدر اسباب اور واسطے اس نعمت کے ہم تک پہونچنے مین پیش آئے ہین یہ سب اللہ پاک ہی کے قبضہ قدرت مین ہین۔ اوسکے حکم بغیر نہ ذرہ حرکت کرسکتا ہی نہ کوئی چیز کسیکو مل سکتی ہی اور اس سمجھنے سے دو باتین پیدا ہونگی ایک منعم سے خوش ہونا اور دوسری اسکی خدمتگذاری اور امتثال امر مین سرگرمی کرنا انہین دونون حالتون کا نام حال اور عمل ہے۔

دوسرا رکن حال یعنی منعم کی اس نعمت پر اسوجہ سے خوش ہونا کہ منعم کا عطیہ ہے اور خضوع وتذلل کی ہیئت ظاہر کرنا کیونکہ بادشاہ اگر کسی غلام کو گھوڑا بھیجے تو اوسکی خوشی تین وجہ سے ہوتی ہے **اول** اس وجہ سے کہ کام کی چیز ہاتھ آئی گھوڑے پر سوار ہوکر بیسیون ضرورتین رفع ہونگی۔ **دوم** اس وجہ سے کہ یہ عطیہ بتلا رہا ہے کہ بادشاہ کی اس غلام پر توجہ اور عنایت ہی جس سے آیندہ کسی بڑی اور اس سے بھی زیادہ مفید نعمت کے مرحمت ہونیکی امید وتوقع ہے۔ **سوم** اس وجہ سے کہ گھوڑا اس کا مرکب ہوگا اور اسپر سوار ہوکر اپنے منعم آقا کے حضور مین حاضر ہوکر شاہی خدمت بجا لا سکیگا۔ ان مین سے پہلی وجہ تو کوئی چیز ہی نہین کیونکہ وہ تو محض نعمت پر خوشی ہے منعم کی حیثیت اسمین ملحوظ نہین ہے اور دوسری وجہ شکر مین داخل ضرور ہے مگر ضعیف ہی البتہ تیسری وجہ شکر کا درجہ کمال ہی کیونکہ جو کچھ بھی حقتعالی مرحمت فرماوے اسپر اسوجہ سے کہ یہ کارآمد چیز ہے خوش ہونا ٹھیک نہین ہی۔ اسلئے کہ شکر کے یہ معنی ہین کہ اوسپر اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ حق تعالی تک پہونچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہی اور اس کی علامت یہ ہی کہ ایسی نعمت پر خوشی نہ پیدا ہو جسکے باعث خدا سے غفلت پیدا ہوجائے اور ذکر الہی بھول جاوے بلکہ ایسی حالت پر رنجیدہ ہو ہان البتہ جس نعمت کے ذریعے سے دنیاوی تفکرات رفع ہوجائین اور اطمینان قلب نصیب ہو یعنی خدا کی یاد مین اعانت حاصل ہو اوس پر فرحت ومسرت ہو پس جو شخص شکر کا یہ درجہ کمال نہ حاصل کرسکے تو خیر وہ دوسرا ہی درجہ حاصل

کرلے باقی پچھلے درجہ کو تو شکر سے کوئی مناسبت ہی نہین

تیسرا رکن عمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اوس کی رضامندی مین استعمال کرنا اور یہ اوسوقت ہوسکتا ہے جبکہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض ومقاصد اور یہ بات معلوم ہوجائے کہ کیا کیا چیز کس کس کام کیلئے پیدا ہوئی ہے مختصر یہ ہے کہ مثلاً آنکھ اللہ کی نعمت ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اسکو اللہ کی کتاب یعنی قران مجید اور علم دین کی کتابون کے دیکھنے اور آسمان وزمین جیسی بڑی مخلوق کے اس غرض سے مشاہدہ کرنے مین صرف کرے تاکہ عبرت حاصل ہو اور خالق جل ذکرہ کی عظمت وکبریائی کا علم ہو نیز ستر کے دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے سے باز رکھے اسی طرح کان ایک نعمت ہے اس کا شکر یہ ہے کہ ذکر الٰہی اور ان باتون کے سننے مین استعمال کرے جو آخرت مین نفع دین اور ہجو ولغو اور فضول کلام کے سننے سے روکے زبان کو یاد خدا اور حمد وثنا اور اظہار شکر مین مشغول رکھے اور تنگدستی یا تکلیف مین شکوہ وشکایت سے باز رکھے اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت کا کلمہ نہ نکلنے پائے کیونکہ شاہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل وبے بس غلام کی زبان سے نکلنی جو کچھ بھی نہین کرسکتا بالکل فضول اور معصیت مین داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ زبان سے نکلیگا تو طاعت مین محسوب ہوگا۔ قلب کا شکر یہ ہے کہ فکر ذکر اور معرفت واخلاص مین استعمال کرے اوصاف حمیدہ سے اوسکو آراستہ کرے اور خصائل رذیلہ سے صاف وپاک رکھے غرض اسیطرح ہاتھ پاؤن تمام اعضا اور مال ومتاع عزت وجاہ سب کا شکر یہ ہے انکو حق تعالیٰ کی طاعت مین مشغول رکھنا ہی ہے۔

(**فصل**) درحقیقت کمال درجہ کا شکر وہی بندے ادا کرسکتے ہین جنکا شرح صدر ہوا ہے اور حق تعالیٰ نے انکے قلب مین حکمت ومعرفت کا نور بھر دیا ہے۔ وہ ہر چیز کے رموز واسرار سے واقف ہین۔ ہر شے مین اپنے محبوب کا جلوہ دیکھتے ہین اور جسکو یہ درجہ حاصل ہوا وسکو سنت کا اتباع اور حدود شریعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اوسکو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر مثلاً کسی نامحرم پر نظر ڈالی تو آنکھ کی نعمت کا کفران ہوا اور نیز آفتاب اور تمام ان نعمتون کی ناشکری ہوئی جنکو بصارت مین دخل ہے اور جنکے بغیر کچھ نظر نہین آسکتا تھا کیونکہ بینائی بغیر آنکھ کے نہین ہوسکتی اور آنکھ بغیر آفتاب کے بیکار ہے چنانچہ اندھیرے مین کچھ بھی نہین دیکھ سکتی اور آفتاب بغیر آسمان کے نہین ہوسکتا پس ایک معصیت سے گویا آسمان وزمین سب کا کفران نعمت ہوگیا یہی حال تمام معصیتون کا ہے کیونکہ تمام نعمتون کا باہم تعلق ہے اور ایک کو دوسرے سے اور دوسرے کو تیسرے سے ایسا علاقہ ہے جو ذرا غور کرنے سے سمجھ مین آسکتا ہے یہان سمجھانے کیلئے ایک مثال بیان کئے دیتے ہین اور وہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے روپیہ اشرفی یعنی ثمن نقد کو بمنزلہ حاکم کے بنایا ہے چنانچہ اسی کے ذریعہ سے تمام اموال کی قیمت ہوتی ہے اور باہمی

فرق و امتیاز ظاہر ہوتا ہے اگر یہ نہو تو کچھ سمجھ مین نہ آئے کہ کپڑا زعفران کے بدلے کیونکر خریدا جاے اور اناج گھوڑے
کے عوض کسطرح فروخت کیا جائے کیونکہ انمین باہم کوئی مناسبت نہین ہے اگر ہے تو صرف یہی ہے کہ نفس مالیت
دونون مین مشترک ہی یعنی ثمنیت اور نقدی جسکو چاندی اور سونا کہتے ہین یہی تمام چیزون کی مقدار کا معیار ہے
اور اس سے معلوم ہوسکتا ہی کہ کپڑا ایک روپیہ گز کا ہے اور زعفران پچاس روپیہ سیر کی جس سے اندازہ ہوگیا
کہ پچاس گز کپڑہ کے بدلے سیر بھر زعفران خریدنی چاہیے غرض یہہ ثمن و نقدی نہو تو تمام معاملات مین رد و
بدل ہوجاے اور کل اشیاء مین گڑبڑ مچ جائے۔ اسلئے اگر کسی شخص نے اسکو اکٹھا کرکے زمین مین گاڑ دیا یا خزانہ بنا کر مقفل
کردیا تو گویا حاکم کو مسند حکومت سے اوتار کر بیکار محض بنادیا اور مقید کرلیا اور جس شخص نے اسکے برتن بنا لئے
مثلاً پانی پینے کا گلاس اور سالن و ترکاری کی رکابی تو گویا حاکم کو جلاہا اور کاشتکار کے کام مین لگادیا۔ حالانکہ یہہ
ذلیل کام دوسرے ادنے درجہ کے آدمی بھی کرسکتے تھے یہ قید سے بھی زیادہ سخت سزا ہوئی اور جس شخص نے سود لینا
شروع کردیا اور اسکو مالی ترقی اور تکثیر مال کا ذریعہ بنالیا اور صرافہ کے ذریعہ سے مقصد تجارت تحصیل النقود سے
گویا حاکم کو اپنا غلام بنالیا تاکہ گھاس کاٹ لایا کرے اور جھاڑو دیدیا کرے حالانکہ یہ سب صورتین صریح ظلم اور
حکمت خداوندی مین تغیر و تبدیل کا پیدا کرنا ہے گویا حق تعالی سے عداوت ہی جسکی بنا پر محاربہ و جنگ کا
پیغام دیدیا گیا ہے غرض جس شخص کو نور معرفت حاصل نہین اور یہ رموز اوسکو نظر نہین آئے تو وہ شریعت
کی زبان سے صورت تو سمجھ ہی لیگا اگرچہ معنی نہ سمجھے پس اوسکو احکام شرعی سنائے جاینگے کہ دیکھ حق
تعالی فرماتا ہے کہ جو لوگ چاندی اور سونے کا خزانہ بناتے اور جوڑ جوڑ کر رکھتے ہین اللہ کی راہ مین خرچ
نہین کرتے تو قیامت کے دن اوس جمع کئے ہوئے مال سے انکے چہرون اور پیٹھون پر داغ دیے جاینگے" اور
رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "جس شخص نے چاندی یا سونے کے برتن مین پیا گویا وہ اپنے پیٹ مین
آگ کے گھونٹ اوتار رہا ہی" اور حق تعالی فرماتا ہے کہ "جو لوگ سود کھاتے ہین وہ قیامت کے دن قبرون سے اسطرح
اٹھینگے جیسے آسیب زدہ شخص اوٹھتا ہے" ان آیات و احادیث سے معلوم ہوگیا کہ اموال و اشیاء عالم کے حاکم
یعنی زر نقد کا جمع کرنا اور برتن بنانے اور سود پر چلانا صرافہ کرنا تینون حرام اور خلاف مقتضاے حکمت خداوندی
ہین ہان اتنا ہی فرق ہی کہ اہل بصیرت ان رموز اور اسرار سے چونکہ واقف ہوتے ہین پس ان کا علم دلائل
و احکام شرعیہ سے دوبالا ہوجاتا اور نور علی نور کا مصداق بنجاتا ہے اور نیکوکار مسلمان جو اسرار تک نہین
پہونچ سکتے وہ حدود شرعیہ پر ہی اکتفا کرتے ہین اور جو لوگ اندھے اور جاہل ہین وہ دونون سے محروم

رہتے ہین ایسے ہی لوگون سے جہنم بھری جائیگی حق تعالی فرماتا ہی کہ اے محمد جو شخص تمپر نازل ہوے احکام کو حق سمجھتا ہے وہ اور راہ مستقیم سے اندہا آدمی کیا برابر ہو سکتے ہین" ہ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ جسنے میری نصیحت سے اعراض کیا اوسکو تنگ معیشت ملیگی اور قیامت کے دن اندہا اوٹھایا جائیگا اوس وقت وہ پوچھیگا کہ مجھے اندہا کیون اوٹھایا؟ ہم جواب دینگے کہ ہماری نشانیان تجھ تک پہونچی تھین تو انکو بھول گیا تھا آج اسیطرح ہم بھی تجکو بھول جائینگے" اور نشانیون ہی مرادبھی حکمت و مصلحت ہی جو ہر چیز کے پیدا کرنے مین مستور ہے اور انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے لوگون کو بتلا دی گئی ہے جسکو ہر زمانہ مین حاملان شریعت علماء و فقہاء مفصل بیان کرتے رہتے ہین پس یاد رکھو کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہین ہے جسمین حکمت اور رمز و خاصیت نہو جو شخص انکو سمجھ جاتا ہی وہ سمجھ جاتا ہی اور جو نہین سمجھتا وہ انکار کرنے لگتا ہی اور یہ انکار ادائے شکر کے بالکل خلاف ہی اور چونکہ شکر کا کامل درجہ وہی حاصل کر سکتا ہی جسمین سچا اخلاص ہو اور کسی عمل مین ماسوی اللہ کی نیت کا شائبہ بھی نہو اسلئے مناسب ہے کہ اخلاص اور صدق کا ذکر کرین۔

چھٹی اصل اخلاص اور صدق کا بیان

اخلاص کی اصل نیت ہے کیونکہ نیت ہی مین اخلاص ہوتا ہے اور اخلاص کا کمال صدق ہی اور اخلاص کے معنی یہ ہین کہ نیت مین کسی شے کی آمیزش نہو اسلئے ان تینون رکنون کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

رکن اول نیت ہی حق تعالی فرماتا ہے کہ اے محمد ان لوگون کو اپنے سے علیحدہ نہ کرو جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہین اور اس سے مقصود انکو خدا ہی کی ذات ہی" اس سے معلوم ہو گیا کہ نیت سے اللہ کی ذات کا مقصود ہونا مراد ہے۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ تمام اعمال کا نیت ہی پر مدار ہے بعض بندون کے عمل کا صحیفہ حق تعالی کے حضور مین فرشتے پیش کرتے ہین تو حق تعالی فرماتا ہے کہ پھینکدو کیونکہ ان اعمال سے اس شخص کو میری ذات مقصود نہ تھی اور دوسرے بندے کا نامۂ اعمال پیش ہوگا تو حکم ہوگا کہ فلان فلان عمل اور درج کر دو فرشتے عرض کرینگے کہ یا رالہا یہ اعمال تو اوسنے کئے نہین حکم ہوگا کہ ان اعمال کی اسنے نیت کی تھی جس کا علم نہین ہے" حدیث مین آتا ہی کہ آدمی چار قسم کے ہوتے ہین ایک وہ شخص ہے جسکو حق تعالی نے مال بھی مرحمت فرمایا ہے اور علم بھی دیا ہے وہ شخص علم کی نشا کیموافق مال خیرات اور اللہ کی راہ مین خرچ کرتا ہے دوسرا شخص وہ ہے جو اسکو دیکھکر کہتا ہے کہ اگر حق تعالی مجھے بھی اتنا مال و علم مرحمت فرمادے تو مین بھی اسیطرح خیرات کرون یہ دونون شخص اجر مین مساوی ہین تیسرا شخص وہ ہی جسکو صرف مال عطا ہوا ہے اور

چونکہ جاہل ہی اسلئے مخبوط الحواس بنکر مال اُڑا رہا ہے اور چوتھا شخص وہ ہی جو اسکو دیکھکر کہتا ہے کہ مجھے بھی مال ملے تو اسیطرح مزے اوڑاؤن اور عیاشی کرون پس یہ دونون شخص گناہ مین برابر ہین" بنی اسرائیل مین سے ایک شخص کا قصہ ہے کہ قحط سالی مین ریت کے ٹیلہ پر اس کا گذر ہوا تو دل مین کہنے لگا کہ اگر یہ ریت اناج بنجائے تو مین لوگون مین تقسیم کردون اللہ تعالی نے اوس زمانہ کے نبی پر وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہدو کہ اللہ تعالے نے تمھارا صدقہ قبول فرمالیا اور اس نیک نیتی کی قدر دانی فرمائی اور اسیقدر ثواب عطا کیا جس قدر اتنے اناج کے خیرات کرنے پر ہونا چاہئے تھا" درحقیقت اعمال مین نیت کو بڑا دخل ہی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جو شخص کسی عورت سے معین مقدار مہر پر نکاح کرے اور ادا کرنے کی نیت نہو تو یہ نکاح نہین زنا ہے اور جو شخص کسی سے قرض لے کر دینے کا قصد نہو تو یہ چوری ہے۔

نیت کے حقیقی معنی ارادہ اور قصد کے ہین جس سے کسی کام کی قدرت پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہی کہ کوئی کام بھی ہو اوسکے لئے اوّل علم کی ضرورت ہی اور علم کے بعد ارادہ ہوگا اور پھر ہاتھ پاؤن ہلانے اور کام کرنے کی قدرت پیدا ہوگی گویا قدرت ارادہ کی خادمہ ہے اِس کی مثال یون سمجھو کہ تم مین کھانیکی خواہش رکھی ہوئی ہے مگر اکثر اوقات ایسی دبی رہتی ہے جیسے کوئی سویا ہوا ہوتا ہے جس وقت تمھاری نظر کھانے پر پڑیگی اور طعام کا علم ہوگا اوسیوقت وہ جاگ اُٹھیگی اور قصد ہوگا اُسکے کھانے کا پھر اسکے بعد ہاتھ بڑھیگا اور وہ قوت اپنا کام کریگی جو خواہش طعام کے اشارہ کی مطیع بنائی گئی ہی غرض آنکھ کے مشاہدہ سے معرفت و علم ہوا اور معرفت کے باعث خواہش پیدا ہوئی اور قصد پیدا ہوا اور اس قصد نے قوت کے ذریعہ سے ہاتھ کو حرکت دلائی اور کھانا کھلایا اسیطرح تمہارے اندر اون لذتون کی خواہش رکھی ہوئی ہے جو تمکو آخرت مین ملنے والی ہین جنکا علم عقل و شرع کے ذریعہ سے ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش و میلان کی بھی خادم ہے اسلئے اعضا کو حرکت دیگی اور خواہش پوری کرائیگی پس وہی نتیجہ میلان جسنے قوت کو ہاتھ پاؤن ہلانے پر آمادہ کیا ہے نیت کہلاتا ہے مثلاً جہاد مین جانیوالا شخص گھر سے نکلا تو دیکھو کہ اسکو گھر سے باہر نکالنے والا خیال کیا ہے اگر ثواب آخرت ہی تو یہی اس کی نیت سمجھی جائیگی اور اگر اس کا باعث مال غنیمت کا حاصل کرنا اور دنیا طلبی ہے تو اسیکو اس کی نیت کہا جائیگا۔

(فصل) جب نیت کی فضیلت اور ضرورت و تاثیر تمکو معلوم ہوگئی تو ایک ایک عمل مین کئی کئی ثواب حقتعالے سے لینے کی کوشش کرو کیونکہ یہ ممکن ہی کہ ایک عمل مین کئی کئی نیتین ہون یہان مثال کے لئے ایک صورت بیان

کئے دیتے ہین مثلاً مسجد مین جانا اور بیٹھنا ایک عبادت ہی مگر اسمین سات کامون کی نیت ہوسکتی ہی اوّل یہ سمجھکر جاؤ کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور یہان آنیوالا گویا خدا کی زیارت کو آیا ہے پس مسجد مین آنے وقت یہی نیت کرو کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جو شخص مسجد مین آبیٹھا گویا اللہ کی زیارت کو آیا ہے اور زیارت کو آنے والے شخص کی سبھی تعظیم کرتے ہین تو حق تعالیٰ جو کچھ اپنے زائر کا اکرام فرمادیگا وہ جس درجہ کا بھی ہوگا تم خود سمجھ سکتے ہو۔ **دوم** مرابطہ یعنی نماز کے انتظار کی نیت کرو تاکہ حق تعالیٰ کے حکم وَرَابِطُوا کی تعمیل ہوجائے اور اس کا اجر جداگانہ ملے۔ **سوم** اعتکاف کی نیت کرو اور اعتکاف کے معنی یہ ہین کہ سمع بصر اور تمام اعضا کو فضول و معمولی و معتاد حرکتون سے روک لیا جاے اور یہ بھی ایک قسم کا روزہ ہے چنانچہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ میری اُمت کی رہبانیت یہی ہے کہ مساجد مین آبیٹھین **چہارم** خلوت و تنہائی کی نیت کرو کہ مشاغل کے رفع ہونے سے فکر اُخروی کی استعداد و قابلیت پیدا ہو اور ذکر الٰہی کے سُننے اور سُنانے کے لئے تجرد و علیحدگی حاصل ہو دیکھو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جو شخص مسجد کی جانب روانہ ہوا تاکہ اللہ کا ذکر کرے یا سُنے تو وہ اللہ کے رستہ مین جہاد کرنیوالے کی مثل ہی **پنجم** اس کی نیت کرو کہ جو بے نمازی ہین اُنکو تنبیہ ہوگا اور جو نماز کو بھولے ہوئے ہین وہ بھی نماز کو اُٹھ کھڑے ہونگے پس تمھارا نماز کو جانا امر بالمعروف بھی ہوجائیگا اور نہی عن المنکر بھی ہوجائیگی اور دوسری کرنیوالون کے ثواب مین تم بھی شریک سمجھے جاؤگے۔ **ششم** مسجد مین جابیٹھے دوسرے مُسلمان بھائی سے کچھ اُخروی فائدہ حاصل ہوگا جو دار آخرت کا ذخیرہ بنیگا **ہفتم** خدا کے گھر مین بیٹھو گے تو کچھ تو حیا و شرم آئیگی اور گناہ کی جرات نہوگی یہ بھی نیت کرو غرض اسیطرح ہر عمل مین کئی کئی نیتین ہوسکتی ہین جنکی بدولت چند اعمال ہزارون نیکیان ہوجائینگی اور مقربین کے اعمال کے ساتھ مل جائینگے اسیطرح ان امور مذکورہ کے خلاف نیت کرنیسے کئی کئی گناہ ہوجائینگے اور شیاطین کے اعمال کے برابر پہنچینگے مثلاً مسجد مین آکر بیٹھنے سے فضول باتین بنانی مقصود ہون یا اور لوگون کی ہتک عزت یعنی آبرو ریزی اور ہنسی و مذاق اُڑانے کی نیت ہو یا اون عورتون یا بے ریش خوبصورت لڑکون کا نظارا کرنا مقصود ہو جو نماز کے لئے مسجد مین آتے ہین یا فخراً کسی سے مناظرہ کرنا یا زبان درازی سے اپنے حریف کو ساکت کرکے سُننے والے حاضرین مسجد کے دلون مین اپنی وقعت پیدا کرنی مقصود ہو یا کوئی اور بدکام کی نیت ہو تو یہی ایک فعل کئی گناہون کا مجموعہ ہوجائیگا اس لئے مناسب ہے کہ مباح کامون مین بھی نیت اچھی کرلینے سے غفلت نہ کیجاے کیونکہ حدیث مین آیا ہے کہ قیامت کے دن بندے سے اوس کے ہر کام کی بازپرس ہوگی حتیٰ کہ آنکھ مین سُرمہ لگانے اور

کسی کے کپڑے کو چھو لینے اور انگلیوں ہی مٹی کر دینے تک کا سوال ہوگا کہ کیون کیا تھا؟ اور مباح مین نیت کی صورت ہے کہ مثلاً جمعہ کے دن خوشبو لگاؤ تو ممکن ہے کہ یہ نیت ہو کہ اپنی ثروت کا اظہار ہوگا یا خوشبو سے لذت حاصل ہوگی یا عورتون کے سامنے بن سنور کر جانا اونکو گرویدہ اور اپنی جانب مایل کریگا اسیطرح یہ بھی نیت ممکن ہے کہ سُنت کا اتباع اور رسول اللہ صلے علیہ وسلم کا اقتدا ہے اور حق تعالی کے گھر کی تعظیم ہے جمعہ کے دن کا احترام ہے دوسرون کو بدبو کی ایذا رسانی سے نجات ہے اور خوشبو سے انکو راحت کا پہونچانا اور نیز غیبت کے دروازہ کا مسدود کرنا ہے کیونکہ جب لوگ بدبو سونگھینگے تو دوسرون سے ذکر کرین اور غیبت کرتے پھرینگے کہ فلان شخص کے کپڑون سے کس قدر بدبو آتی تھی۔ انہین دونون فریق کی جانب حدیث مین اشارہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جسنے اللہ واسطے خوشبو لگائی وہ قیامت کے دن ایسی حالت مین آئیگا کہ مشک سے زیادہ خوشبو مہکے گی اور جو بندہ غیر اللہ کیلئے خوشبو لگائیگا وہ اس حالت پر اٹھیگا کہ مردار سے زیادہ بدبو پھیلیگی۔

رکن دوم۔ اخلاص نیت۔ حق تعالی فرماتا ہے کہ لوگون کو اسیکا حکم ہوا ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرین اور وہی نجات پائینگے جنہون نے توبہ کی اور اپنی حالت سنواری اور اللہ کو مضبوط تھاما اور اپنے دین مین اللہ واسطے اخلاص پیدا کیا۔" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جس شخص نے چالیس دن اخلاص کے ساتھ کوئی نیک عمل کر لیا تو حق تعالی اوسکے قلب سے زبان پر حکمت کے چشمے ضرور ظاہر فرمادیگا۔" اخلاص کے معنی ایک ہی قسم کی نیت کے ہین یعنی عمل کا باعث صرف ریا ہو یا محض رضائے حق تعالی ہو دونون پر اخلاص کے لغوی معنی صادق ہین کیونکہ خالص اوس چیز کو کہتے ہین جسمین کسی دوسری جنس کی آمیزش نہو مگر شریعت مین اخلاص کے یہ معنی ہین کہ محض حق تعالی کی ذات مقصود ہو اور ماسوی کی جانب میلان اور قصد پر شرعاً اخلاص نہین بولا جاتا جس طرح الحاد کے معنی مطلق میلان کے ہین خواہ بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی طرف مگر شرعاً باطل کی جانب مایل ہوجانے کا نام الحاد ہے اسیطرح عبادت سے مقصود اگر محض عبادت ہی تو اخلاص کہلائیگا اور اگر ریا کا بھی شائبہ ہے یا عبادت کے ضمن مین کسی دوسرے دنیاوی فائدہ کا بھی ارادہ ہے تو اسکو اخلاص نہین کہا جائیگا۔ مثلاً روزہ رکھنے سے مقصود عبادت ہی اور نیز یہ کہ کھانے پینے کے پرہیز سے بیماری کو بھی نفع ہو جائیگا یا مثلاً غلام کے آزاد کرنے سی یہ بھی مقصود ہی کہ غلام کے کھانے کپڑے سے چھوٹ جائینگے یا مثلاً حج سے یہ بھی مقصود ہے کہ سفر مین حرکت ہوگی اور حرکت سی مزاج صحت و اعتدال پر آجائیگا یا اہل و عیال کی مشقت سی خلاصی مل جائیگی یا دشمنون کی ایذا سے نجات حاصل ہوگی یا ایک جگہ رہتے رہتے دل اکتا گیا ہے سفر مین دل بہل جائیگا یا

مثلاً وضو کیا تاکہ نظافت حاصل ہو جائے میل کچیل دور ہو جائے یا مثلاً اسلئے اعتکاف کیا کہ گھر کے کرایہ کی تخفیف ہو جائے یا کسی بیمار کی اس غرض سے عیادت کی کہ وہ تمہارے بیمار ہونے پر تمہاری عیادت کو آئیگا یا مثلاً فقیر کو کچھ دیا مگر اس نیت سے کہ سر ہو رہا تھا غل مچا رہا تھا یہ شور رفع ہو جائے وغیرہ ذالک۔ یہ سب خیالات اخلاص کے منافی ہین جنکا دور ہونا نہایت دشوار ہے اسی لئے بعض اہل بصیرت کا قول ہو کہ اگر ایک ساعت بھی اخلاص حاصل ہو جائے تو ابدی نجات ملجاے مگر یہ بھی آسان نہین حضرت سلیمان دارانی فرماتے ہین کہ مبارک ہو اوسکو جس کا ایک قدم بھی ایسا اُٹھا جس سے مقصود خدا ہی کی ذات تھی۔ حضرت معروف کرخی اپنے نفس کو مارا کرتے اور فرماتے تھے کہ اے نفس اخلاص پیدا کر تاکہ خلاصی حاصل ہو۔" مگر ہان یہ ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ ان خیالات کے بشائبے کئی طرح پر ہین کبھی غالب آجاتے ہین اور کبھی مغلوب رہتے ہین اور کبھی قصد عبادت کے مساوی ہوتے ہین اگر مباح اُمور مین کچھ بھی رضائے حق تعالی کا ارادہ ہو گا تو اوس کا بھی ضرور ثواب ملیگا البتہ عبادت مین چونکہ اخلاص کا حکم ہے اس لئے اگر نیت عبادت کیساتھ کسی قسم کا بھی شائبہ ہو گا تو اخلاص باطل ہو جائیگا اور اگر شائبہ غالب ہوا اور قصد عبادت مغلوب تب تو عبادت ہی باطل و بیکار ہے۔

تیسرا رکن صدق ہوا اور یہی اخلاص کا کمال ہے حقتعالی فرماتا ہو کہ مقبول بندے وہ ہین جنہون نے جو عہد کیا تھا اسکو سچ کر دکھایا۔" اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ انسان سچ بولتا رہتا ہے اور ایسا متلاشی رہتا ہی یہان تک کہ اللہ کے یہان صدیق لکھدیا جاتا ہے" حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت حق تعالی نے صدیق فرمائی ہے صدق کی فضیلت اسی سے ظاہر ہے کہ اسکی وجہ سے صدیقین کا درجہ حاصل ہو جاتا ہی۔ صدق کے چھ درجے ہین جو شخص چھون مین کمال حاصل کرتا ہے وہ صدیق کے مبارک خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے پہلا درجہ قولی صدق کا ہو یعنی ہر حالت مین سچ بولے اور اسکے کمال دو ہین۔

اوّل تعریض سے بھی پرہیز کرے کیونکہ تعریض اگرچہ درحقیقت سچ ہے جھوٹ نہین ہو مگر پھر بھی دوسرا سننے والا جو کچھ سمجھتا ہے وہ واقع کے خلاف ہو اگرچہ صریح جھوٹ بولنا صرف اسلئے حرام ہے کہ اسکی وجہ سے قلب کی صورت مین کجی آجاتی ہو اور حق کی تجلی کے قابل نہین رہتا اسیوجہ سے خواب تک سچی نظر نہین آسکتی اور تعریض مین یہ اندیشہ نہین ہے مگر پھر بھی صورت چونکہ جھوٹ کے مشابہ ہے اسلئے اندیشہ ضرور ہے پس صدیق کی شان کو یہی مناسب ہے کہ جب تک کوئی خاص ضرورت نہو اوس وقت تک تعریض مین بھی دوسرے کو واقع کے خلاف کا دھوکہ نہ دے **دوسرا کمال** یہ ہے کہ اُن اقوال مین بھی صدق کا لحاظ رکھے جو حق تعالی کے سامنے عرض کرتا ہے

مثلاً نماز میں زبان سے کہتا ہی کہ "میں اپنے آپکو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہون"۔ اگر دلمیں بھی ماسوی اللہ کا خیال نہین ہے تب تو سچا ہے ورنہ جھوٹا یا مثلاً کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین "آپ ہی کی عبادت کرتا ہون اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہون"۔ حالانکہ دلمین زر کی طلب و مال کی بھی محبت ہی تو یہ بھی کذب ہے کیونکہ اظہار تو خدا کے معبود اور اپنے بندہ ہونیکا ہوتا ہے اور دل بندۂ زر اور بندۂ دنیا بنا ہوا ہی۔

دوسرا درجہ نیت مین صادق رہنے کا ہی یعنی وہی اخلاص کہ جسمین سوائے قصد عبادت اور فعل خیر کے کسی دوسرے ارادہ کا شائبہ بھی نہو۔

تیسرا درجہ عزم مین صادق بننے کا ہی انسان اکثر عزم کرتا ہے کہ اگر مجھے مال ملا تو اس قدر صدقہ کرونگا یا مثلاً خیال ہوتا ہے کہ حکومت ہاتھ آئی تو عدل کرونگا بعض لوگون کے عزم مین پختگی ہوتی ہے اور کہین تردد و تذبذب اسیطرح صدیقین کے عزم بھی متفاوت ہوتے ہین جنمین اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ گو جان جاتی رہے مگر عزم مین تردد یا تذبذب نہو جیسے حضرت فاروق رضؓ فرماتے ہین کہ "اگر میری گردن اوڑا دی جائے تو مجھے اِس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ اوس قوم پر حکومت کرون جسمین ابوبکر موجود ہین" عزم کے قوی اور مضبوط ہونے ہی کا نام عزم کا سچا ہونا ہے۔

چوتھا درجہ عزم کے پُورا کرنے مین راستی) کیونکہ اکثر انسان کا عزم تو پختہ ہوتا ہے مگر پورا کرتے وقت کاہل اور سست بنجاتا ہے مثلاً مال ہاتھ آیا تو صدقہ کرنے کی ہمت نہین ہوئی اور حکومت ملی تو عدل نہوسکا حالانکہ امتحان کا تو یہی وقت ہی دل مین عزم کر لینا تو کچھ دشوار نہ تھا تکلیف اوٹھانے کا تو اِس عزم کے وفا کرتے وقت موقع آیا ہی اسیلئے حق تعالیٰ فرماتا ہی کہ "بعض لوگ ایسے بھی ہین کہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ اگر ہمکو مال ملا تو ضرور خیرات کرینگے مگر جب اللہ پاک نے اپنے فضل سے مال مرحمت فرما دیا تو بخیل بنگئے اور مُنہ پھیر گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اونکے قلوب مین نفاق پیدا کر دیا"

پانچوان درجہ یہ ہی کہ ظاہر و باطن یکسان ہو یعنی جو حالت بھی ظاہر ہو وہ ایسی ہی ہو جو واقع مین بھی موجود ہے اور قلب اُسکے ساتھ متصف ہی مثلاً نرم چال سے چلے اور ظاہر کرے کہ طبیعت مین وقار ہی مگر حقیقت مین نہو بلکہ محض لوگون کے دکھانے کو ہی تب تو ریا ہے اور اگر مخلوق کی طرف بھی توجہ نہین ہی بلکہ محض غفلت ہے تو یہ ریا تو نہین ہی مگر صدق بھی نہین ہی حالت کا دروغ اور جھوٹ ہی۔ اِسیلئے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ بار الہا میرا باطن میرے ظاہر سے بہتر بنا دیجئے اور ظاہری حالت کو بھی حسنات پر رکھیئے۔

چھٹا درجہ دین کے مقامات اور مدارج مین صدق کا ہی یعنی خوف و رجا اور محبت و رضا اور توکل و زہد وغیرہ

کا انتہائی مرتبہ حاصل کرنا جو اسم بامسمے بنادے کیونکہ ابتدائی درجہ مین ان صفات کا صرف نام ہی نام ہوتا ہے البتہ انتہائی درجہ مین پہونچکر سچا خوف اور حقیقی محبت پیدا ہوتی ہے چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے کہ مومن وہی ہین جو اللہ ورسول پر ایمان لائے پھر کچھ شبہ تک بھی نہین ہوا اور اللہ کے راستے مین اپنی جان ومال سے بھی دریغ نہین کیا یہی لوگ صادق اور سچے ہین"۔ غرض صدق کے ان چھہ درجون مین کامل ہو جانیسے صدیق کا لقب ملتا ہے اور جسکو کوئی درجہ حاصل ہے اور کوئی حاصل نہین اوسکو اسی حیثیت ومقدار کے موافق صدق کا رتبہ حاصل ہوگا اور چونکہ صدق ہی کا درجہ یہ بھی ہے کہ قلب اللہ کو رازق سمجھکر اوسپر بھروسہ کھے اور توکل کرے اسلئے توکل کا بیان بھی مناسب ہے۔

ساتوین اصل توکّل کا بیان

حق تعالی فرماتا ہے کہ اللہ ہی پر مسلمانون کو بھروسہ کھنا چاہئے" لوگو اگر تم ایماندار ہو تو خدا پر توکل کرو"۔ اللہ توکل کرنے والون کو محبوب سمجھتا ہے"۔ اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اوس کی تمام ضرورتون کو کافی ہے" خدا کے سوا جن جھوٹے معبودون کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمکو رزق نہین دیسکتے رزق اللہ ہی کے پاس طلب کرو"۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ اگر تم خدا پر پورا توکل کروگے تو حق تعالی تمکو بلا مشقت اسطرح رزق مرحمت فرمادیگا جسطرح پرند کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکا اوٹھتا ہے اور شام کو پیٹ بھرا سوتا ہے"۔ خوب یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کا ہو رہتا ہے اوسکو ایسی جگہ سے رزق پہونچتا ہے جہان اس کا گمان بھی نہین جاتا توکل کے معنی اوس حالت کے ہین جو خدا کو یکتا فاعل مختار اور تمام صفات مین مستقل وبے مثل سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ حالت وہ کام کراتی ہے جنسے توکل کا اظہار ہوتا ہے اسلئے توکل کے تین رکن ہوئے اول معرفت۔ دوم حالت سوم اعمال ہم تینون کا جدا جدا ذکر کرتے ہین

رکن اوّل معرفت یعنی توحید باری تعالی جس کا اقرار کلمۂ توحید سے ہوتا ہے کہ "سوائے خدا کے کوئی معبود نہین وہ یکتا ہے اوس کا کوئی شریک نہین اسیکا ملک ہے اور اسیکی حمد وثنا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے" اسمین اسکا اعتراف ہے کہ حق تعالی قدرت اور جود وحکمت مین وہ کمال رکھتا ہے جس کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے۔ تو جس شخص نے صدق دل اور اخلاص کے ساتھ اس کا اقرار کرلیا اسکے قلب مین اصل ایمان راسخ ہوگیا جس سے حالت توکل پیدا ہوگی مگر صدق دل سے اقرار شرط ہے اور صدق دل کے یہ معنی ہین کہ اس اقرار کے معنی قلب پر اسطرح غلبہ کرلین کہ دوسرے کی گنجائش نہ رہے۔

دوسرا رکن حالِ توکل ہے اور اسکے یہ معنی ہین کہ اپنے کام خدا کے حوالہ کردو اور قلب کو مطمئن رکھو غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہ کرو اور ایسے ہو جاؤ جیسے کسی عقلمند و ہوشیار اور شفیق و غمخوار وکیلِ عدالت کو اپنے مقدمہ مین وکیل بناکر مطمئن اور بے فکر ہو جاتے ہو پھر کسی کی جانب دل ڈانوا ڈول نہین ہوتا کیونکہ سمجھتے ہو کہ تمھارا وکیل ہر طرح قابل ہو لائق اور تمھارا خیر خواہ ہے حریف کو کبھی غالب آنے دیگا اور مخالف سے اسکے سامنے بات بھی نہ کیجائیگی اسیطرح جب جانتے ہو کہ رزق اور موت و حیات اور مخلوق کے تمام کام خدا ہی کے قبضہ مین ہین کوئی اوس کا شریک نہین ہے اوسکی جود و سخا اور حکمت و رحمت کی انتہا نہین تو کیون نہین قلب کو مطمئن کرتے اور غیر سے کیون نہین نظر اوٹھا لیتے اگر اتنا جانکر بھی توکل و اعتماد نہین ہو تو اس کا سبب دو امر معلوم ہوتے ہین **یا تو** پورا یقین نہین ہے کچھ نعوذ باللہ شک ہو یا یقین تو ہو مگر قلب پر اس علم کا اثر نہین ہوا جسطرح موت جیسی یقینی چیز سے نڈر رہنا و صرف اس وجہ سے ہو کہ دل پر اس اثر کا غلبہ نہین ہے **یا دوسرا** سبب یہ ہے کہ قلب کی خلقت ہی ضعیف و کمزور واقع ہوئی ہو بزدل ہو اور اس ضعف قلب ہی کا اثر ہے کہ دل ایسا اوہام کا مطیع ہو گیا ہے جو یقیناً باطل اور محض لاشے ہو جسطرح اکثر آدمی کو مردہ کے پاس ایک بستر پر سونے سے ڈر معلوم ہوتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ یہ مردہ ہے اللہ پاک اسکو زندہ نہین کریگا اور مردہ بدست زندہ ہو کچھ کر نہین سکتا مگر پھر ڈر معلوم ہوتا ہے تو یہ واہیات توہمات کی اطاعت ہو یا مثلاً بعض وقت شہد کا رنگ گوبر کے رنگ کی طرح خیال کر کے اوسکے کھانے مین تامل ہو جاتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ یہ شہد ہو اور رنگ کی مشابہت کوئی چیز نہین مگر پھر کھایا نہین جاتا یہ سب وہم کا اثر ہے جس سے انسان کا بچنا نہایت دشوار ہے اسیطرح ممکن ہو کہ توحید کا یقین کامل ہو تام کو بھی شبہ یا شک نہ ہو لیکن نفس پھر اسباب کے اختیار کرنے مین مجبور رہو جائے۔

تیسرا رکن اعمال ہین جاہلون کا یہ خیال ہے کہ توکل کسب کے چھوڑ دینے کا نام ہے انسان ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جائے دوا علاج نہ کرے۔ آپنے آپکو خطرات و ہلاکت مین ڈالدے۔ آگ مین گھس جاے تب متوکل کہا جائے حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہو ایسا کرنا تو شرعاً حرام ہے اور شریعت ہی توکل کی خوبیان بیان کر رہی ہو بھلا جسکو خود شریعت حرام بتائے اوسی کی رغبت و حرص دلائے یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اصل بات یہ ہو کہ انسان کی سعی و کوشش چار وجہ سے ہوتی ہو یا تو کسی ایسی نافع چیز کے حاصل کرنے مین سعی ہوتی ہے جو حاصل نہین ہے اور یا موجودہ نفع کی حفاظت مین سعی ہوتی ہے اور یا کسی آنیوالے ضرر کے روکنے مین اور یا موجودہ نقصان کے زائل کرنے اور دور کرنے مین سعی کی جاتی ہے پہلی صورت طلب نفع کہلاتی ہے اور اسکے تین اسباب ہین کیونکہ

یا تو یقینی ہے یا غالب گمان ہے یا محض موہوم ہے یقینی کی تو ایسی مثال ہے جیسے بھوکا ہو اور کھانا بھی سامنے رکھا ہو
مگر ہاتھ نہ بڑھائے اور نوالہ بنا کر منہ تک نہ لیجائے اور کہے کہ مین متوکل ہون یا بیٹے کا طالب ہو مگر بیوی سے جماع نکرے
یا کھیتی چاہے مگر کھیت مین بیج نہ ڈالے ایسا خیال تو محض جہالت ہے کیونکہ یہ قاعدہ اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے جسمین
تغیر تبدل نہین ہو سکتا اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہے البتہ توکل یہان دو صورت سے ہے اول یہ کہ اسکا خیال
رکھے کہ طعام اور ہاتھ اور کھانے کی قدرت یا بیج اور کھیتی کی لیاقت یا بیوی اور نطفہ اور جماع کی طاقت سب
خدا کی دی ہوئی ہے اور اوسیکی قدرت کا کرشمہ ہے **دوم** یہ کہ ان اسباب پر بھی دل سے بھروسہ نہو قلب سے
خالق پر بھروسہ ہونا چاہیئے اور قلب سے اسباب پر بھروسہ بھی کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ اگر ابھی ہاتھ پر فالج
گر جاے یا کھانا زمین پر جا پڑے یا بیج کو کیڑا لگ جائے اولہ گر پڑے گرمی کہا جاے وغیر ذلک تو مطلوب کیونکر حاصل
ہو غرض یہ دونون باتین لحاظ رکھکر سعی اور کوشش کرنے اور اسباب کے اختیار کرنے مین نہ کچھ مضایقہ ہے نہ اسباب
کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہے **دوسری حالت** غالب گمان کی تھی اسکی مثال ایسی ہے جیسے جنگل کا سفر کرنے وقت
توشہ ساتھ رکھنا یہ بھی توکل کے مخالف نہین ہے بلکہ سلف کا طریقہ ہے البتہ اعتماد اللہ ہی کے فضل پر ہونا چاہیے
کہ وہی چوری اور ڈاکہ سے محفوظ رکھے۔ کھانیکو گلانے سڑانے بھی نہین زندگی اور کھانیکی قوت بھی قایم رکھے تو
یہ کھانا استعمال مین آسکتا ہے ورنہ کچھ بھی نہین **تیسری حالت** موہوم کی ہے مثلاً زیادہ معاش کے حاصل
کرنے مین انتہا درجہ کی سعی کرنا اور باریکیان نکالنا یہ حالت حرص وطمع کہلاتی ہے اور اکثر مشتبہ مال کے حاصل
کرنیکی نوبت آجاتی ہے اور توکل کے بھی خلاف ہے اور اس کی دلیل حدیث ہے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے
توکل کرنیوالون کے جو اوصاف بیان فرمائے ہین انمین یہ نہین فرمایا کہ متوکل شہرون مین رہتے نہین یا کسب وحرفت
کرتے نہین بلکہ یہ فرمایا ہے کہ متوکل وہ ہین جو منتر جنتر نہین پڑھتے جانورون کو داغ نہین دیتے" اس سے معلوم
ہوگیا کہ ایسے اسبابکا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے جنپر مسببکا حصول محض موہوم ہو جیسے منتر پڑھنے اور داغنے سے
مرض کا جاتا رہنا موہوم بات ہے اور جن اسباب سے مسببکا حصول موہوم نہو بلکہ غالب گمان یا یقینی ہو جیسے سفر
مین توشہ رکھنا یا پیٹ بھرنے کیلئے کھانے پر ہاتھ بڑھانا اور چبانا وغیرہ تو یہ توکل کے خلاف نہین۔
دوسری صورت یعنی آیندہ کے نفع کی سعی وکوشش کرنا ہے جسکو تدبیر کہا جاتا ہے اور منجملہ اسباب ہی کی تدبیر
کے اناج بھر لینا یا آیندہ کے لئے کچھ ذخیرہ جمع کر رکھنا بھی ہے لیکن اگر متوکل کو مال ملجائے اور سال بھر یا زیادہ کے
لئے ذخیرہ جمع کر لیتے تو توکل جاتا رہے گا اور اگر ایک دن کی قوت رکھ لے اور باقی سب بانٹ دے تو توکل کامل

سمجھا جائیگا اور اگر چالیس دن کا انتظام کرے تو اسمین اختلاف ہی شیخ سہل تستری تو یہی فرماتے ہین کہ توکل کے خلاف ہی البتہ اگر عیالدار ہو تو جنکا نفقہ اپنے ذمہ ضروری ہی اونکے لئے سال بھر کا ذخیرہ ڈال دینا توکل کے خلاف نہین ہے ایسا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہی کہ ازواج مطہرات کا سال بہر کا نفقہ مرحمت فرمادیا ہے البتہ اپنی نفس کے لئے صبح کو مل گیا تو شام کو نہ رکھا اور شام کو ملا تو صبح کے لئے کچھ نہ رکھا۔ اور سال بھر سے زیادہ کا انتظام تو بالکل ہی توکل کے خلاف ہی کیونکہ اول تو دوسرے وقت کا انتظام بھی طول امل ہی زندگی کا بھروسہ گھنٹہ بھر کا بھی نہین پھر دوسری بھوک کیلئے جمع کرنا کیسا اسی لئے جسقدر اس سے جسکو پرہیز ہے اوسیقدر اوس کا رتبہ بڑھا ہوا ہے مگر ہر سال حق تعالی کی عادت جاری ہی کہ نیا رزق اور نیا دانہ مرحمت فرما دیتا ہے اسلئے سال بھر سے زیادہ کے لئے جمع کرنا تو نہایت درجہ ضعف ایمان ہے البتہ اثاث البیت یعنی برتن آبخورہ لوٹا وغیرہ ہر سال نیا پیدا نہین ہوتا اور اس کی ضرورت ہر وقت ہی اسلئے اسکے سال بھر سے زیادہ کے ذخیرہ مین کچھ حرج نہین ہے مگر کپڑے کا آیندہ سال کیلئے رکھ چھوڑنا بیشک توکل کے خلاف ہی کیونکہ اوس کی ہر وقت ضرورت نہین ہی جاڑے کا کپڑا گرمی مین کام نہ دیگا اور گرمی کا کپڑا جاڑے مین بیکار ہے چنانچہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فقیر کی بابت فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اسطرح اُٹھیگا کہ چہرہ چودھوین رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا مگر جب جاڑا آتا تھا تو گرمی کے کپڑے آیندہ سال کے لئے رکھ چھوڑتا تھا اگر یہ عادت نہوتی تو چمکتے آفتاب کی طرح چہرہ دمکتا

تیسری صورت یعنی موجودہ تکلیف یا آنیوالے نقصان کے دفع کرنے کی کوشش کرنا مثلاً درندہ کو دیکھکر بھاگ جانا یا جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ گر نہ جائے یا مرض کا علاج کرنا تاکہ جاتا رہے اور صحت حاصل ہو جائے اسمین بھی کئی درجے ہین جنکو ہمارے اوپر بیان کئے ہوئے مضمون پر قیاس کرکے خود نکال سکتے اور سمجھ سکتے ہو کیونکہ اسباب پر مسبب کا حصول یا یقینی ہے یا غالب گمان یا موہوم اور ہر ایک کا مفصل حال معلوم ہو چکا ہے۔

(فصل) جن لوگون کی نظر وسیع ہو اور قلب مضبوط و مستحکم اور الیقین کا درجہ بڑھا ہوا ہو انکو تو یہی زیبا ہے کہ ذخیرہ اگلے دن کا بھی جمع نہ کرین البتہ ضعیف القلب اور کمزور مسلمانون کو مناسب نہین ہی کہ وہ انکی حرص کرین بلکہ جنکو دل کے پریشان ہو جانے کا اندیشہ ہے اونکو توکل کا چھوڑ دینا اور ذخیرہ جمع کرنا ضروری ہی تاکہ قلب کو فراغت حاصل ہو اور عبادت ہو سکے کیونکہ طبیعت کے انتشار مین جس نقصان و مضرت کا اندیشہ ہے اس کی اصلاح نہایت ضروری ہی البتہ جنکو قوت ایمان اور قلبی اطمینان حاصل ہی انکو بلا توشہ سفر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سات روز تک بھوک پر صبر اور گھاس پات پر قناعت ہو سکے کیونکہ گھاس پات غالباً جنگل مین بھی مل سکتی ہی

مگر ضعیف آدمی ایسا کریگا تو گنہگار ہوگا کیونکہ اپنے آپ کو ہلاکت مین ڈالنا حرام ہے اسیطرح قوی الایمان کو بھی پہاڑ کی کہو مین جا بیٹھنا جہان نہ گھاس پات ہو نہ کسی کا گذر ہو مبتیک ناجایز ہے کیونکہ عادت اللہ کے خلاف کرنا حرام ہے پس جنگل مین بلا توشہ جانا تو اس وجہ سے جائیز ہو گیا تھا کہ خدا کی عادت یون جاری ہے کہ جنگل گھاس سے خالی نہو نیز آدمیون کا بھی اکثر گذر رہتا ہے تو جب قوت حاصل ہی تو ہلاکت غالب نہین ہے اسلئے معصیت نہین مگر غیر آباد اور ویران خشک پہاڑ کی کہو مین بیٹھنا تو عادت اللہ کے توڑنے کی خواہش کرنا ہی اور یہ جایز نہین پس اگر معاش کے علی اور واضح اسباب کی جانب سے بے التفات ہو کر جنگل کی گھاس پر قناعت کرے اور اللہ کے لطف و حکمت پر بھروسہ ہو تو اولی و انسب ہے۔

آٹھوین اصل محبت کا بیان

حق تعالی فرماتا ہے کہ اللہ نیک بندون سے محبت کرتا ہے اور نیکوکار اللہ سے محبت رکھتے ہین" اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جبتک اللہ اور اللہ کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب نہو گا اوس وقت تک ایمان کامل نہ سمجھا جایگا" حضرت صدیق عتیق فرماتے ہین کہ جس شخص کو اللہ کی خالص محبت کا مزہ آجاتا ہے اوسکو دنیا کی طلب نام کو بھی نہین رہتی اور تمام آدمیون سے وحشت ہونے لگتی ہے علم کلام والے اللہ کی محبت کے حقیقی معنی نہین سمجھ سکے اسلئے انکار کر گئے اور یون لکھتے ہین کہ جس بے مثل ذات کا کوئی شبیہہ نہین اور اوس جیسا کوئی ہے نہین۔ تو وہ ہماری طبیعت کے کسی وجہ سے مناسب نہین۔ اوس کا عقل احاطہ نہین کر سکتی پھر اس کی محبت کے کیا معنی ہو سکتے ہین سوائے اسکے کہ اللہ کی محبت سے مراد اللہ کے احکام کی تعمیل اور فرمان کی اطاعت ہو اور کوئی بات نہین ہے" یہ بیچارے حقیقت سے جاہل ہین ان کا خیال ہے کہ اپنے ہم جنس ہی سے محبت ہو سکتی ہے ان کی سمجھ واقعی امر تک نہین پہونچ سکی ہم اس جگہ مختصر طور پر اس کی توضیح کرتے ہین تاکہ لوگ اصل بات کو معلوم کر سکین۔

جاننا چاہیئے کہ ہر لذیذ چیز انسان کو محبوب ہے اور محبوب ہونیکے یہ معنی ہین کہ طبیعت اس جانب کھنچتی اور نفس مائل ہوتا ہے یہی میلان طبیعت بڑھ جاتا ہے تو عشق کہلانے لگتا ہے اسیطرح کسی چیز کے ناپسند اور مبغوض ہونیکے یہ معنی ہین کہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور دل دکھتا ہی پس جب یہ سمجھ مین آگیا تو اب غور کرو جتنی چیزین تم حواس کے ذریعے سے معلوم کر سکتے ہو یا تو وہ تمہاری طبیعت کے موافق ہونگی یا مخالف اور یا ایسی ہونگی کہ نہ موافق ہین نہ مخالف پس جو موافق ہین وہ تو لذیذ ہین اور جو مخالف ہین وہ ناپسند اور جو نہ موافق ہین نہ مخالف ادنہین نہ

لذت ہی نہ اُن سے نفرت بلکہ مساوی حالت ہی اور لذت ادراک کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے مگر ادراک دو قسم کے ہین
ایک ادراک ظاہری اور ایک ادراک باطنی۔ ظاہری ادراک تو حواس خمسہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے مثلاً آنکھ کو کسی حسین اور
خوبصورت کے دیکھنے سے لذت آتی ہے اور کان کو موزون اشعار اور خوش الحان کے گانے اور سُریلی آواز کے سُننے مین
مزہ آتا ہے اور چکھنے و سونگھنے کے حاسہ کو مزہ دار کھانون اور خوشبودار پھولون مین لذت حاصل ہوتی ہے اور تمام
بدن کی قوت لامسہ کو نرم و ملایم اور نازک بدن یا کسی دوسری چیز کے چھونے اور مس کرنے مین مزہ حاصل ہوتا ہے
اور یہی چیزین نفس کو محبوب ہین یعنی بالطبع نفس انکی جانب مایل ہوتا ہے اسیطرح انسان کو ایک چھٹا حاسہ
بھی مرحمت ہوا ہے جو ادراک باطنی کہلاتا ہی اور جگہہ اوسکی قلب ہی کبھی اوسکو عقل کہدیتے ہین اور کبھی نور اور کبھی
چھٹا حاسہ غرض نام جو کچھ بھی ہو مقصود یہ ہی کہ باطنی ادراک بھی اپنے موافق و مناسب چیز سے حواس خمسہ کیطرح
لذت حاصل کرتا ہے دیکھو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ تمہاری دُنیا مین سے تین چیزین میری
محبوب بنائی گئی ہین یعنی خوشبو اور عورتین اور میرے آنکھون کی ٹھنڈک نماز مین ہی" اور یہ ظاہر ہے کہ خوشبو
سے قوت شامہ کو مزہ آتا ہے اور خوبصورت عورت سے قوت باصرہ اور قوت لامسہ کو لذت حاصل ہوتی ہی
مگر نماز کی لذت حواس خمسہ ظاہری مین سے کسی حاسہ کو نہین آتی اِس کی لذت اوسی چھٹے حاسہ کو حاصل ہوتی
ہے جو باطنی ہی اور جس کا مقام قلب ہی اور یہی سبب ہی کہ جس کا قلب بیکار ہے وہ نماز مین ہرگز لذت نہین
پا سکتا سلیم القلب ہی کو اس کا ادراک ہوسکتا ہی اور انسان کی خصوصیت اِسی چھٹے حاسہ سے ہی کیونکہ حواس
ظاہری مین تو تمام حیوان مشترک ہین چنانچہ جانورون کو بھی اچھی صورت اور عمدہ آواز اور ذائقہ دار کھانے
اور خوشبو و نازک چیز سے رغبت ہوتی ہی البتہ انسان جسطرح ظاہری آنکھون کی بصارت سے حسین عورتون کی لذت
حاصل کرتا ہے اسیطرح قلب کی آنکھون کی بصیرت سے باطنی خوبصورتون کا مزہ اوٹھاتا ہے۔ بشرطیکہ قلب کی آنکھون
مین بینائی بھی ہو مگر شاید تم باطنی خوبصورت اور اوس کی لذت کو نہ سمجھ سکو اِسلئے مین تم سے پوچھتا ہون
کہ تم اپنے نفس کو ٹٹولو اور دیکھو کہ اوس مین انبیاء و اولیا اور صحابہ و علماء کی محبت ہے یا نہین؟ نیز تمہارا دل
کسی منصف و بہادر سخی و ہوشیار اور اپنی رعیت پر مہربان بادشاہ مین اور دوسرے ظالم و بزدل بخیل و ناسمجھ
اور اپنی رعیت کے ساتھ سخت دل کرلو سے مزاج والے بادشاہ مین کچھ امتیاز اور فرق کرتا ہے یا نہین؟ اگر
کرتا ہے تو مین دریافت کرتا ہون کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک کی جانب تمہارا دل کھنچتا ہے اور دوسرے سے نفرت
ہوتی ہی؟ سمجھ لو کہ یہ وہی باطنی ادراک ہی جو باطنی خوبصورت مین لذت پا رہا ہے اسیطرح جسوقت شیر خدا حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت و بہادری یا ظل اللہ حضرت فاروق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیاست و عملداری یا خلیفۃ الحق
حضرت صدیق عتیق رضی اللہ عنہ کی سچائی و جان نثاری کے قصے سنتے ہو تو ایک امنگ اور مسرت اور میلان ان
حضرات کی جانب پیدا ہوتا ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا اس سے آگے بڑھو دیکھو لوگون کو اپنے بانی مذہب اور
صاحب شریعت کیساتھ اتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ جان و مال خرچ کرنے کو موجود ہو جاتے ہین حالانکہ آنکھ نے
انکی صورت تک نہین دیکھی اور اگر دیکھتی بھی تو شاید محبت نہوتی کیونکہ آنکھ کی لذت دوسری قسم کی ہے اوس لذت
مین اور اس لذت مین بہت فرق ہے اور اگر محبت ہوتی بھی تب بھی یہ محبت جو ان صفات پسندیدہ کے ذریعہ سے
ہوئی ہے اس مین گفتگو ہے کہ کس حاسہ سے ادراک کی گئی ہے ظاہر ہے کہ یہ وہی چھٹا حاسہ ہے جس کی جگہ دل مین
ہے دل نے ان پیشواؤن مین وہ باتین پائین جس سے دل کو لذت حاصل ہوئی اور وہ باتین تین ہین جو غور و تدبر
سے معلوم ہو سکتی ہین یعنی علم اور قدرت اور عیب سے پاک صاف ہونا کیونکہ مقتدایان دین کو اللہ اور اوس کے
رسول اور فرشتون اور آسمانی کتابون کا علم ہے اور وہ اللہ کے پیغمبرون کی شریعت کے دقایق و حقایق سے
واقف ہین۔ دوم انہون نے خدا کی دی ہوئی قدرت سے کام لیا اور نفس کو مغلوب بنا لیا نفسانی شہوتون کو ملیامیٹ
کر دیا اور حق کی سیدھی راہ پر قایم و مستحکم رہے اور نیز طاقت کو استعمال مین لا کے خدا کی مخلوق پر قبضہ کیا سیاست و
ملکی انتظام سے ہزارہا میل کی آبادی کو زیر فرمان بنایا اور خدا کے برحق دین کی تلقین کی اور سیدھا راستہ بتلایا
اور نیز عیوب باطنی سے پاک صاف نظر آئے جہالت بخل حسد کینہ بغض عداوت غرض تمام بدخلقیون سے
بے عیب اور تمام عمدہ عادتون اور حسن اخلاق سے متصف پائے گئے ان تین وجہ سے اونمین باطنی حسن
حاصل ہوا جسکو چوپائے نہین سمجھ سکتے یہ انسان ہی کی خصوصیت ہے کہ قلب کے چھٹے حاسہ سے اس باطنی حسن کا
ادراک کرے اور لذت حاصل کرے غرض جب تمکو ان اوصاف کی وجہ سے بانیان مذہب اماموں سے محبت ہے تو
ظاہر ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم مین یہ کمالات بدرجہ اتم موجود تھے اوس ستودہ صفات ذات سے
جو محبت ہوگی وہ دنیا بھر کے علماء و انبیاء سے بڑھی ہوئی ہوگی اب ذرا اوپر نگاہ اوٹھاؤ اور شفیع المذنبین
رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے والے اور پیدا کرنے والے پر نظر ڈالو جسنے تمپر اس قدر احسان فرمایا
کہ ہزارہا انبیاء علیہم السلام تبلیغ کیلئے بھیجے اور پھر آخر کار اپنا محبوب مبعوث فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کے علم و قدرت
و تقدس و تنزہ کو حق تعالی جل شانہ کے بے پایان علم اور غیر محصور قدرت اور بے عیب منزہ ذات سے کوئی نسبت
ہی نہین ہو سکتی خدا ہی کی ذات ہے جسمین کوئی عیب نام کو بھی نہین حق تعالی کے سوائے کوئی چیز نقص و عیب سے

خالی نہین ہوسکتی عاجزی وعبودیت تو سب سے بڑا نقص ہے جو انبیا علیہم السلام مین بھی موجود ہے پھر یہ حضرات
تو کھانے پینے کے بھی محتاج تھے نہ کسیکو رزق دیسکتے تھے نہ مار سکتے تھے نہ زندہ کرسکتے تھے نہ فاعل مختار تھے
نہ قادر مطلق پھر قادر ذوالجلال کی قدرت اور انبیا علیہم السلام کی قدرت مین کیا موازنہ ہوسکتا ہے اسیطرح
حق تعالی کے علم ازلی پر نظر ڈالو تو ایک بحر ذخار ہے جس کا کہین کنارہ ہی نہین کوئی ذرہ اس علم کے احاطے
سے باہر نہین نکل سکتا آسمان و زمین عرش و کرسی لوح و قلم شجر و حجر غرض جو شے خیال و ذہن مین نہ آسکے
وہ علام الغیوب کے علم ازلی مین ضرور موجود ہے غرض انبیاء علیہم السلام مین جو کچھ صفات نظر آوے وہ درحقیقت
پرتوہ اور ظل ہین صفات خداوندی کا پھر جب دہوپ کی جانب باوجود عارضی اور ظل ہونیکے نفس میلان کرتا ہے
تو اوسکے مبدا و مصدر یعنی آفتاب کی جانب کیون نہ مایل ہوگا اور جب تمہار صفات کے باعث انبیا علیہم السلام
سے اس قدر محبت ہے تو مبدا صفات یعنی حق تعالی شانہ سے کیون نہ محبت ہوگی؟ اسپر بھی اگر تمہاری باطنی
بصیرت حق تعالی کے جلال و جمال کا ادراک نکرسکے اور عشق نہ پیدا ہو تو کم سے کم اتنا تو کرو کہ اوسکے احسان
اور انعام شمار کرو کہ کس قدر ہین اور یقینی بات ہے کہ ہرگز شمار نہ کرسکو گے تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہو کہ
اوسکو اپنا محسن سمجھکر محبوب سمجھو اور نفس کو اوسی کی جانب مائل کرو دنیا کی جس چیز مین بھی تمکو لذت حاصل
ہوتی ہے اوسکو سوچو اور غور کرو کہ اس کا دینے والا اور باقی رکھنے والا کون ہے؟ درحقیقت کوئی لذت اور کوئی
حظ اور کوئی مزہ اور کوئی نعمت سوائے خدا کے دوسرا نہین دے سکتا پھر کیا اپنے محسن سے تمکو محبت نہین ہوتی اگر
ہوتی ہے تو حق تعالی کے ساتھہ اصلی محبت ضروری اور مقدم ہوئی اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتون کی
طرح تمکو حق تعالی کے ذاتی جلال و جمال کے باعث محبت نہو تو عام مخلوق کیطرح محسن سمجھکر ہی محبت کرو تا کہ
حدیث کا منشا پورا ہوجائے کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ اللہ تعالے سے اس وجہ سے محبت
کرو کہ وہ تمکو غذا مرحمت فرماتا ہے اور میرے واسطے حق تعالی کی محبت کے باعث محبت کرو" یہ محبت ضعیف اور
کم درجہ کی ہے کیونکہ احسانات کے کم و بیش ہونیسے محبت بھی بڑہتی گھٹتی رہے گی ایسی محبت کرنے والا شخص اس
بدنیت غلام کی طرح ہے جو اپنے مطلب کی محبت رکھتا ہے اور اسلئے کام کرتا ہے تا کہ مزدوری ملے اور پیٹ بھرے
کامل محبت یہ ہے کہ حق تعالی کے ساتھہ اون صفات محمودہ اور جلال و جمال کی وجہ سے محبت ہو جنکا وہ اوسکی
ذات لاشریک ہے اسی لئے اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب وحی فرمائی تھی کہ سب مین زیادہ
پیارا میرا وہ بندہ ہے جو بلا عطا اور احسان کئے بغیر محض حق ربوبیت ادا کرنیکی غرض سے میری عبادت کرے"

اور زبور مین لکھا ہوا ہے کہ اوس سے زیادہ ظالم کون جسنے جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کی اگر مین دوزخ وجنت نہ پیدا کرتا تو کیا عبادت کا مستحق نہ ہوتا؟ ایک مرتبہ حضرت عیسی علیہ السلام کا چند لوگون پر گذر ہوا جو خلوت مین بیٹھے عبادت کررہے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جنت کے امیدوار ہین اور دوزخ سے خائف حضرت روح اللہ نے فرمایا کہ خدا کی مخلوق ہی کی طمع ہے اور مخلوق ہی کا خوف ہے خالق کیلئے کچھ بھی نہین آگے جاکر چند دوسرے لوگون پر گذر ہوا جو خلوت گزین تھے اور کہتے تھے کہ خدا کی محبت اور اوسکے جلال کی تعظیم کے باعث عبادت کررہے ہین آپنے فرمایا بے شک تم خدا کے ولی ہو تمہارے ہی پاس بیٹھنے کا مجکو حکم ہوا ہے۔

فصل محبت کی علامتین بیشمار ہین جنکے بیان کرنے کا یہ موقع نہین ہے البتہ منجملہ علامتون ہی کے یہ علامت ہے کہ انسان نفس کی خواہش پر اپنے محبوب حق تعالی کے حکم کو ترجیح دیتا اور مقدم سمجھتا ہے متقی پرہیزگار رہتا اور حدود شرعیہ کا ہروقت لحاظ رکھتا ہے دوم اللہ تعالی کی ملاقات کا شائق ہوتا ہے اور موت سے گھبراتا نہین اور اگر زندگی چاہتا بھی ہے تو محض اسلیے کہ معرفت حق جتنی بھی زیادہ حاصل ہوجاے بہتر ہے تاکہ محبوب کے وصال مین لذت بھی زیادہ حاصل ہو کیونکہ معرفت مشاہدہ جمال کا بیج ہے پس جتنا بیج زیادہ پڑے گا اوسیقدر پیداوار زیادہ ہوگی اسیطرح جس قدر معرفت کامل ہوگی اوسیقدر مشاہدۂ جمال حق تعالی اسنامین لذت زیادہ حاصل ہوگی۔ سوم حکم الہی اور قضا و قدر پر راضی رہتا ہے اسلیے مناسب ہے کہ رضا کا بھی کچھ بیان کردین تاکہ انسان کو دہوکہ نہوا ور محبت پر مغرور ہوکر نہ بیٹھ جائے کیونکہ محبت کوئی آسان چیز نہین ہے بلکہ نہایت دشوار ہے۔

نوین اصل رضا بر قضا

حق تعالی نے مسلمانون کی شان مین فرمایا ہے کہ "اللہ اون سے راضی اور وہ خدا سے راضی" رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "حق تعالی جب کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو اوسکو مصیبت مین مبتلا کرتا ہے پس اگر وہ صبر کرتا ہے تو اسکو انتخاب مین لے لیتا ہے اور اگر قضا پر راضی ہوتا ہے تو برگزیدہ کرلیتا ہے"۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے فرمایا کہ تم کون ہو؟ انھون نے عرض کیا کہ ایماندار بندے ہین آپنے فرمایا کہ ایمان کی کیا علامت ہے؟ انھون نے عرض کیا کہ مصیبت پر صبر کرتے ہین خوشی پر شکر اداکرتے ہین قضا پر راضی رہتے ہین آپنے فرمایا بخدا تم سچے مومن ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد تو بھی قصد و ارادہ کرتا ہے اور مین بھی ارادہ کرتا ہون مگر ہوتا وہی ہے جو مین چاہتا ہون

اگر تو میرے چاہے پر راضی رہا اور مطیع و فرمانبردار بنا تو تیرے چاہے کی تلافی بھی کردون گا اور خوش ہو جاؤنگا۔ اور اگر میرے چاہے پر راضی نہ ہوا تو مصیبت مین ڈالدون گا اور انجام کار ہوگا وہی جو مین چاہون گا مفت کی پریشانی سر پڑیگی "

فصل ایک فرقہ رضا کا منکر ہے ان کا خیال ہے کہ جو چیز خواہش کے خلاف ہوگی اُسپر خوش اور راضی ہونیکے کوئی معنی ہی نہین ہین البتہ ناگوار پر صبر ضرور ہو سکتا ہے" مگر یہ خیال ناسمجھی اور قصور فہم ہے خوب یاد رکھو کہ جس طرح محبت الہی کے سمجھنے سے قاصر رہے اسیطرح قضا بر رضا کی صورت کو نہین سمجھ سکے ہم ثابت کئے دیتے ہین کہ بلا پر راضی ہونا اور خواہش نفس اور طبیعت کے خلاف پر خوش ہونا تین وجہ سے ممکن ہے **اوّل** دنیا کی مخلوق ہی مین دیکھلو فرط محبت اور جوش شوق مین اکثر تکلیف اور درد محسوس بھی نہین ہوتا معشوق مارتا ہے اور تکلیف نہین ہوتی بلکہ غلبہ شہوت اور غصہ کے جوش مین بھی یہی حالت ہوجاتی ہے بسا اوقات بدن پر زخم آجاتا ہے سر پھٹ جاتا ہے خون بہتا ہے مگر اوسوقت تکلیف محسوس نہین ہوتی کسی مرغوب چیز کی حرص اور شوق مین محو چلے جارہے ہوا ور کانٹا چبھ جائے تو اوسوقت درد بھی نہ معلوم ہوگا۔ ہان جب غصہ رفع ہو جائے یا شوق ختم ہو جائے مثلاً مرغوب شے مل جائے یا بالکل مایوسی ہو جائے اوس وقت تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے جب ذرا سی محبت مین یہ تکلیف محسوس نہین ہوتی تو زیادہ محبت مین بڑی تکلیف بھی محسوس نہ ہوگی اور جب یہ حالت دنیا مین موجود ہے کہ خون اور گوشت سے بنے ہوے انسان کے عشق مین یہ حالت ہے اندر دیکھو تو ہنستون نجاست بھری ہوئی ہے محض صورت کی ناپایدار اور معمولی خوبی نے اتنا اثر پیدا کر دیا کہ آنکھون کی بینائی بھی غلطی کرنے لگی ناگوار چیز گوارا ہنگئی بدصورت خوبصورت نظر آنے لگا عیوب محاسن اور خوبیان دکھائی دینے لگے تو حضرت جل جلالہ کے ازلی جمال کا عاشق اگر ناگوار کو گوارا اور ناپسندیدہ کو پسند کرنے لگے تو کیا تعجب ہے حالانکہ قلب کی بصیرت آنکھون کی بصارت سے ہر طرح مقدم اور اولی ہے اسی بنا پر حضرت جنید بغدادی نے شیخ سری سقطی سے دریافت کیا تھا کہ کیا محب کو بھی بلا کی تکلیف ہوتی ہے شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہین اگر ستر مرتبہ بھی تلوار سے مارا جائے تب بھی الم نہ ہوگا۔ ایک عارف فرماتے ہین کہ حق تعالی کی محبت کے باعث اوس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز سے مجھے محبت ہے یہان تک کہ اگر دوزخ کو وہ محبوب بنا ئے تو مین دوزخ ہی مین جانا محبوب سمجھون یہ مطلب یہ ہے کہ محبت کی وجہ سے تو آگ مین جلنے کی بھی تکلیف محسوس نہین ہوسکتی حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہین کہ میرے لئے کوئی خوشی باقی نہین رہی اگر ہے تو بس خدا کے قضاو قدر پر خوش

ہوتا رہگیا ہے جو ہر وقت حاصل ہے ایک صوفی کا حال لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کا چھوٹا بچہ تین دن گم رہا ان سے ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ دعا مانگتے تو اللہ پاک بچہ کو لوٹا دیتا اور گمشدگی کی یہ کلفت نہ اٹھانی پڑتی انھون نے جواب دیا کہ بچہ کے گم ہونیسے زیادہ تکلیف مجکو حق تعالیٰ پر اوسکے حکم مین اعتراض کرنیکی ہے۔

دوسری وجہ قضا پر راضی ہونیکی یہ ہے کہ تکلیف کی صورتون مین تکلیف تو محسوس ہو مگر چونکہ عقل نے اُسکے بہتر انجام یعنی ملنے والے اجر و ثواب کی اطلاع دیدی ہے اسلئے طبیعت تکلیف کو بلا کلفت گوارا کرتی ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کیلئے تلخ دوا بتائے یا فصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت مین ظاہر ہے کہ تلخ دوا کا پینا اور فصد کھلوانا تکلیف دہ باتین ہین مگر چونکہ اسکے ساتھ ہی اسکے عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی ہے اسلئے ان تکلیف دینے والی صورتون کے بتانیوالے طبیب سے مریض راضی اور خوش بلکہ احسانمند و ممنون رہتا ہے اسیطرح سوداگر اپنے سفر تجارت کی گوناگون صعوبتون اور مشقتون پر راضی ہوتا ہے حالانکہ طبیعت ان تکالیف کو ناگوار سمجھتی ہے مگر چونکہ عقل نے نتیجہ و انجام سمجھا دیا ہے اسلئے وہ ناگواری رضا و رغبت سے بدل جاتی ہے پس بھلا جب دنیاوی ناپائیدار فائدون کی یہ حالت ہے تو اخروی سعادت کے حاصل کرنے مین بلاؤن اور خلاف طبع مصیبتون پر راضی ہو جانیسے کیون تعجب ہوتا ہے؟

ایک پارسا عورت کے ایک مرتبہ ٹھوکر لگی جسکے صدمہ سے پاؤن کا ناخون کٹ کر گر پڑا۔ اِس تکلیف پر بجائے آہ یا ہائے اور واویلا کرنیکے اوس نیکوکار عورت نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ لوگون نے دریافت کیا کہ کیا کچھ تکلیف محسوس نہین ہوئی؟ عورت نے جواب دیا کہ اسپر جو اجر ملنے والا ہے اوسکے میٹھے مزے نے تکلیف کی تلخی کو چاٹ لیا" جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر خداوند تعالیٰ کیطرف سے اجر و رحمت ہوگا اور ہر بلا و مصیبت پر اسقدر ثواب عطا ہوگا جسکے مقابلہ مین اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت ہی نہین تو وہ تکالیف پر کیون نہ خوش ہوگا۔

تیسری وجہ قضا پر راضی ہونے کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے معاملات مین عجیب عجیب رموز اور اسرار مخفی ہین ہر عجیب اور جدید حادثہ مین ایک لطیفہ کیا بیسیون لطائف مستور ہین جنپر آگاہ ہونا صاحبان بصیرت ہی کا کام ہے اُن مصلحتون اور لطیفون پر نظر کرنیسے تکلیف تکلیف نہین معلوم ہوتی بلکہ جو کچھ عالم مین ہو رہا ہے جسکو جاہل اور احمق تشویش و اضطراب سمجھے ہوئے ہین اور بہ نظر تعجب دیکھتے ہین صاحبان بصیرت سمجھ جاتے ہین کہ یہہ تعجب ایسا ہی ہے جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہکر معاملات پر تعجب ہوا تھا

جس کا قصہ سورۂ کہف مین مذکور ہے کہ دونون حضرات کشتی مین بیٹھے تو حضرت خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ پھاڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام لگے تعجب کرنے اور اعتراض کرنے کہ یہ زیادتی کیون کی؟ پھر آگے چلے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بے گناہ نابالغ لڑکے کو مار ڈالا۔ اسپر بھی موسیٰ علیہ السلام نے تعجبانہ اعتراض کیا کہ کسی معصوم بچہ کا خون کرنا کہان جایز ہے؟ الغرض پھر آگے چلے اور ایک بستی مین پہونچے وہان کے رہنے والون نے ان مسافرون کے کھانے تک کی خبر نہ لی اور بھوکے پیاسے دونون کو صبح ہوگئی صبح ہونے پر دونون اصحاب قصبہ مین نکلے۔ چلتے چلتے ایک دیوار نظر پڑی جو خم کھا گئی اور جھکی کھڑی تھی خضر علیہ السلام نے اوسکو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو پھر تعجب ہوا کہ ایسی بے مروت قوم کے ساتھ مفت احسان کرنا کیا ضرور تھا؟ غرض جب تین مرتبہ گرفت ہو چکی تو وعدہ کے موافق حضرت خضرؑ سے علیحدگی اختیار کی۔ یہ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ان واقعات پر تعجب کرنا محض اسوجہ سے تھا کہ ان اسرار و رموز سے واقف نہ تھے جب خضر علیہ السلام نے بتلا دیا کہ کشتی غریب ملاحون کی تھی اور بادشاہِ وقت صحیح سالم کشتیون کو ضبط کر رہا تھا اسلیے مین نے اس کشتی کو عیبدار کر دیا تاکہ ظالم کی ضبطی سے مسکینون کی صورتِ معاش ضبط نہ ہو جائے اور لڑکا اپنے مسلمان ماں باپ کو جوان ہوکر گمراہ کرنے والا تھا اسلیے ابھی اوس کا قصہ طے ہو گیا تاکہ اُسکے عوض صابر ماں باپ کو دوسری اولاد ملے جو سعادت نصیب ہو اور ذریعۂ آخرت بنے۔ اور دیوار دو یتیم بچون کی تھی جنکا نیکبخت باپ اس دیوار کے نیچے خزانہ دبا چھوڑ گیا تھا تو مین نے اوس کو سیدھا کر دیا تاکہ بالغ ہو کر اپنا مال قبضہ مین لائین اوس وقت موسیٰ علیہ السلام کا تعجب رفع ہو گیا۔

اسیطرح ایک شیخ کا قصہ ہے کہ جنگل مین رہتے تھے اور ایک گدھا رکھ چھوڑا تھا جسپر اسباب وغیرہ لاد لیتے تھے اور ایک کتا تھا جو نگہبانی کیا کرتا تھا اور ایک مرغ تھا جو اذان دیکر بیدار کر دیتا تھا۔ اللہ کی شان ایک دن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ لے گئی بیوی رونے لگی تو شیخ نے فرمایا کہ "رو مت اسی مین نفع اور بھلائی ہے" پھر بھیڑیا آیا اور گدھے کو مار گیا چنانچہ بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے یہی کہا کہ "اسی مین خیریت ہے" اسکے بعد کتا مر گیا اور بیوی غمگین ہوئی تو پھر انہون نے فرمایا کہ "غم نہ کرو اسی مین بھلائی تھی" بیوی کو تعجب ہوا کہ صریح نقصان ہو رہا ہے اور خاوند بھلائی بھلائی بتا رہے ہین غرض صبح ہوئی تو دشمن کی فوج نے جنگل کے ادھر اودھر پڑے ہوئے لوگون کو سبکو گرفتار کر لیا اور باندی غلام بنا کر لے گئے اور انکے مکانات کے پتے متفرق طور پر ان کو معلوم ہوئے کسی کا پتہ دروازہ پر کتے کے بھونکنے سے لگا اور کسی کا نشان گدھے کے رینکنے سے اور کسی کا مرغ کے چیخنے سے اوس وقت اوس بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھا اِس بادیہ نشین قوم کی بربادی

انہیں جانورون کے ذریعہ سے ہوئی آج ہمارے یہان بھی تینون جانور ہوتے توہم بھی انکی طرح پکڑے جاتے
کل تینون ہلاک ہوچکے ہیں تو آج یہان امن وآزادی سے چُھپے بیٹھے تو رہے۔ اسیطرح قصہ لکھا ہو کہ ایک نبی کسی پہاڑ
کی کہو مین بیٹھے عبادت کررہے تھے اور اسکے قریب چشمہ بہتا تھا جسپر پیاسون کی آمد ورفت رہتی تھی اتفاق سے
ایک مرتبہ ایک سوار پیاسا آیا جسنے نقدی کی ہمیانی تو کمر سے کھول کر نیچے رکھدی اور پانی پیکر چلا گیا مگر تھیلی
بھول گیا۔ اسکے بعد دوسرا شخص آیا اور تھیلی پڑی دیکھکر اُٹھالی اور چلدیا اسکے بعد ایک غریب مزدور سر پر
لکڑیون کا گٹھا لادے ہوئے آیا اور گٹھا زمین پر ڈال کر تھکا ماندہ آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا اِتنے مین وہ سوار
جس کی تھیلی رہگئی تھی گھبرایا ہوا آیا اور تھیلی نہ پائی تو اِس بیچارے مزدور کے سر ہوگیا اسنے ہرچند انکار کیا
مگر سوار نہ مانا یہان تک کہ تلوار میان سے نکالی اور بیچارے مزدور کی گردن اُڑادی اور چلا گیا یہ حال دیکھکر پیغمبر نے
عرض کیا کہ بارالہا یہ عجیب واقعہ ہے تھیلی کسی نے لی اور مارا کوئی گیا حکم ہوا کہ تم اپنا کام کرو تمہین ہمارے
ملکوتی اسرار مین دخل دینے کی حاجت نہین ہو۔ اِس فقیر نے اس سوار کے باپ کو مارا تھا آج اوس کا اِسطرح
قصاص لیا گیا کہ اسکے بیٹے نے قاتل کو مار دیا اور اس سوار کے باپ نے ایک مرتبہ اس شخص کے مال مین سے
ایک ہزار دینار لئے تھے جو تھیلی لیگیا ہے تو آج اوسکی اسطرح تلافی ہوئی کہ لینے والے کی میراث مین سے ایکہزار
دینار کی تھیلی اسکو ملی غرض مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان جیسے اسرار پر ایمان لائے ہوئے ہو وہ حق تعالی کے
قضا وقدر پر تعجب ہرگز نہ کریگا بلکہ اپنے تعجب پر متعجب ہوگا۔

(فصل) شاید تم یہ کہو کہ کافر وعاصی بھی جو کچھ کفر ومعصیت کررہے ہین خداہی کے حکم وارادہ سے کررہے ہین
پھر یہان رضا کے کیا معنی ہونگے شریعت کا تو یہ حکم ہے کہ کفر پر رضا بھی کفر ہے اور کافر وعاصی کو مبغوض سمجھنا
بغض فی اللہ مین داخل اور شرعاً پسندیدہ ہو اسلئے ہم تمکو اِس کا مطلب سمجھاتے ہین تاکہ خلجان باقی نہ رہے
بات یہ ہو کہ امر بالمعروف فرض ہے اس کا چھوڑ دینا رضا بر قضا نہین ہوسکتا کیونکہ رضا و کراہت ایکدوسرے
کی ضد ہے اور دو متضاد ایک جگہ جمع نہین ہوسکتے جس کام کو ناگوارا اور بُرا سمجھوگے اوس کی نصیحت ضرور
کروگے اور جسکو اچھا سمجھوگے اوس سے خوش ہوگے اور ناگواری وخوشی دونون ایک کام پر ایک حیثیت
سے ہرگز نہین ہوسکتین البتہ دو اعتبار سے ہوسکتی ہین مثلاً ایک شخص تمھارا دشمن ہو اور تمھارے دشمن کا بھی
دشمن ہے تو اوسکو مارڈالنا اس اعتبار سے تو گوارا اور پسندیدہ ہے کہ وہ تمھارا دشمن ہو مگر اِس وجہ سے
ناگوار و ناپسند ہے کہ دشمن کا بھی دشمن ہے کیونکہ دشمن کے دشمن کی توحیات و زندگی مطلوب ہے تاکہ اپنی

دشمنی سے تمہارے دشمن کو ہلاک کرسکے اسیطرح کفر اور حق تعالی کی معصیت مین دو اعتبار ہین ایک تو یہ کہ حق تعالی کے
ارادہ اور مشیت سے ہے کیونکہ خدا کے حکم بغیر ذرہ بھی نہین ہل سکتا اس اعتبار سے تو اسکو قضا و تقدیر کہتے ہین
یہ وجہ تو ناگواری کی ہو نہین سکتی بلکہ رضا چاہئے البتہ اوسی معصیت مین دوسری حیثیت یہ ہی کہ یہ کافر و
عاصی کا عمل و کسب ہے اور حق تعالی کے دشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہی اس وجہ سے بیشک ناگواری
و بغض ہے کیونکہ حق تعالی نے تمکو حکم دیا ہے کہ جس بندہ پر ہماری مخالفت کی علامتین دیکھو اوس سے
بغض رکھو پس خدا کے حکم کی تعمیل کرنا اور کافر سے بغض رکھنا بھی حق تعالی کے حکم پر راضی ہونا ہے مثلاً
تمہارا پیارا معشوق تمسے کہے کہ مین تیرے عشق و محبت کا امتحان لونگا اور اپنے غلام کو مجبور کرونگا کہ وہ مجکو
گالی دے اور پھر اوسکو مارونگا تو جو اس میرے غلام سے بغض رکھیگا اوسی کو اپنا سچا عاشق سمجھونگا اور
جو اس سے محبت رکھیگا اوسکو اپنا دشمن سمجھونگا اب فرض کرو کہ ایسا ہی ہوا غلام نے تمہارے سامنے تمہارے
محبوب کو گالی دی تو اب تم اوس غلام سے محبت رکھوگے یا بغض و عداوت؟ محبوب کو گالیان دیتے ہوئے سنوگے
تو راضی ہوگے یا ناگوار گذریگا؟ ظاہر بات ہی کہ گالی تو اس وجہ سے ناگوار ہی گذریگی کہ یہ تمہارے محبوب کی
ہتک عزت کا کلمہ ہے اور معشوق کے دشمن ہونے کی علامت ہی اور محبوب کا دشمن جسپر دشمنی کی علامتین بھی
موجود ہون بیشک بغض و عداوت ہی کے قابل ہے مگر اس اعتبار سے کہ یہ تمہارے ہی محبوب کی تدبیر ہے اور اسیکے
فرمان کے موافق ظہور ہو رہا ہی یعنی جو کچھ غلام سے صادر ہوا محبوب ہی کے ارادہ اور قصد سے صادر ہوا ہے
کچھ بھی ناگواری نہوگی بلکہ محبوب کی قدرت کا اندازہ ہوگا کہ اوسنے جو چاہا کرالیا یہان تک کہ غلام کی زبان
سے گالیان بھی نکلوالین اور کسیکو سرتابی کی مجال نہ ہوئی - اسیطرح کافر کا کفر سمجھو کہ حق تعالی ہی کے ارادہ
اور حکم سے ہو رہا ہے یہ تو ناگوار گذرنے کا سبب ہو نہین سکتا مگر چونکہ خدا کی رضامندی اسپر نہین ہی بلکہ
اوسکے دشمن اور مبغوض ہونیکی علامت ہی اس وجہ سے ناگوار گذرتا ہے حتی کہ نصیحت بھی کیجاتی ہی اور تبلیغ حق
اور امر بالمعروف بھی کیا جاتا ہی کیونکہ اپنے حقیقی محبوب کا دشمن اپنا ہی دشمن نظر آتا ہے -

اسیطرح رضا بقضا کے یہ معنی بھی نہین ہین کہ دعا کا مانگنا چھوڑ دو اور تیر انداز نے جو تیر تمہاری طرف پھینکا
ہے باوجودیکہ ڈھال پر روک سکتے ہو مگر نہ روکو اور تیر اپنے بدن پر لگنے دو اور یہ سمجھو کہ قضا پر راضی رہنا
چاہئے - یہ بھی جہالت اور خام خیالی ہے کیونکہ دعا کا مانگنا اور حفاظت و تدبیر کا تو حکم ہے اور محبوب کے حکم
سے سرتابی نہین ہو سکتی بلکہ قضا پر رضا کے یہی معنی ہین کہ حق تعالی نے جو اسباب کسی سبب کے حاصل ہونیکے

مقرر فرما دئیے ہیں انہیں کو اختیار کرو تاکہ محبوب اپنے انتظام کا پابند دیکھکر تمسے راضی ہوا اور اگر اسباب چھوڑ دو گے تو محبوب کے مخالف اور رضا ے محبوب کے دشمن کہلاؤ گے مثلاً کوئی پیاسا آدمی پانی پلائے مگر اوسکی جانب ہاتھ نہ بڑہائے اور یہ گمان کرے کہ میں تو پیاس پر راضی ہوں کیونکہ پیاس حق تعالیٰ کے حکم اور قضا و قدر سے ہے اور قضا پر رضا ضرور ہونی چاہئے تو یہ شخص بے وقوف کہلائیگا اور اسکو سمجہایا جائیگا کہ حق تعالیٰ کے مقرر فرمائے ہوئے اسباب اور عادت جاریہ میں کیا رخنہ ڈالتا ہے یا حدود شریعت سے باہر نکلنا چاہتا ہے یہ تو رضا کے ہرگز معنی نہیں ہیں رضا کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ پر ظاہر و باطن اور زبان یا دل دونوں میں سے کوئی شے کسی حالت پر اعتراض نہ کرے اور اسکے ساتھ ہی اوسکے حکم کی تعمیل بھی ہوا اور جو انتظام اوسنے عالم کیلئے تجویز فرما دیا ہے اوس سے بھی باہر نہ نکلے شرعی احکام کا پورا پابند ہوا اور جسطرح حق تعالیٰ کی مرضی ہے اوسکے حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد نہ کرے مثلاً جب دعا کا حکم ہے تو ضرور تعمیل ہونی چاہئے تاکہ خشوع و خضوع پیدا ہوا اور قلب میں رقت کا اثر آئے اور وہ لیاقت و استعداد حاصل ہو جائے جسکے باعث انوار و تجلیات کا ورود ہو سکے اور اسباب بھی اختیار کئے جائیں تاکہ مسبب حاصل ہو جائے البتہ اگر سبب کے بعد بھی مسبب حاصل نہ ہو تو کوئی خلجان پیدا نہ کرے اور رنجیدہ نہ ہو بلکہ راضی رہے اور سمجھے کہ سبب تو فی الحقیقت موثر نہ تھا حق تعالیٰ کا ارادہ ایسا ہی تھا کہ یہہ مسبب مجھکو حاصل نہ ہوا ور قضا و تقدیر الٰہی پر مجھکو ہمیشہ راضی رہنا چاہئے۔

دسویں اصل ذکر موت کا بیان

یہ تو مقامات جنکا ہم ذکر کر چکے ہیں سب ایک مرتبہ میں نہیں ہیں بلکہ انمیں سے بعض تو مقصود بالذات ہیں جیسے مقام رضا و محبت اور بعض مقصود بالغیر ہیں مثلاً توبہ و خوف اور صبر و زہد کیونکہ مقصود قرب خداوندی ہی اور یہ تمام مقامات قرب کے رستہ کے معین و مددگار ہیں خود قرب نہیں ہیں کیونکہ قرب تو معرفت و محبت سے حاصل ہوتا ہی البتہ معرفت و محبت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ غیر اللہ کی محبت منقطع نہ کر دی جائے اور غیر اللہ کی محبت کا قلب سے نکالنا چونکہ خوف و صبر اور زہد و توبہ ہی کے ذریعہ سے ہوگا اس لئے ان مقامات کی بھی ضرورت ہوئی اور چونکہ منجملہ ان امور کے جنسے قرب حق میں اعانت و نفع حاصل ہوتا ہے موت کا یاد رکہنا بھی ہے اسلئے اس کا بیان بھی مناسب ہوا کیونکہ موت کے ذکر سے دنیا کی محبت قلب سے جاتی رہتی ہی اور جب یہ علاقہ منقطع ہوا تو حق تعالیٰ کی محبت کا نفع حاصل ہوگا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تو ضرور تم سے ملکر رہے گی"۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لذتوں کی کاٹنے والی یعنی موت کا

کثرت سے ذکر کیا کرو حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہین کہ مین نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ حشر کے دن شہدا
کے ساتھ بھی کوئی اوٹھیگا آپ نے فرمایا کہ ہان جو شخص رات دن مین بیس مرتبہ موت کو یاد کرلیتا ہو وہ شہیدون کے گروہ
مین محشور ہوگا۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ موت جیسا واعظ کوئی نہین ہے نصیحت کرنیکو یہی
کافی ہے اور اگر جانورون کو موت کا اسقدر علم ہو جتنا کہ اولاد آدم کو ہے تو کوئی فربہ اور موٹا تازہ جانور کھانے
کو نصیب نہو۔ مین تم مین دو واعظ چھوڑے جاتا ہون خاموش واعظ موت ہو اور ناطق وگویا واعظ قرآن مجید۔
درحقیقت موت بڑی ہولناک چیز ہے اور موت کے بعد کے واقعات اس سے زیادہ اندیشہ ناک ہین اور اون کا
ذکر کرنا اور یاد رکھنا دنیا کو منغض اور اس سرائے ناپایدار کی محبت کو دل سے نکال لیتا ہو اور یہی ہر برائی کی جڑ
دنیا ہے اسلیئے کہ دنیا سے نفرت ہو جائیگی تو پھر سب کچھ مل جائیگا اور دنیا سے نفرت اوس وقت ہوگی جبکہ
موت کا فکر اور خیال ہوگا کہ کیا حالت ہم پر آنے والی ہو؟ اور فکر کا طریقہ یہ ہو کہ کسی وقت تنہائی مین بیٹھکر تمام
خیالات دل سے نکال دو اور قلب کو خالی کرکے توجہ اور یکسنگی کے ساتھ موت کا دہیان کرو اول اپنے ان دوستون
اور عزیز و اقارب کا تصور کرو جو دنیا سے گذر گئے اور یکے بعد دیگرے ایک ایک کا دہیان کرتے جاؤ کہ یہ صورتین کہان
چلی گئین؟ یہ لوگ کیسی کیسی امیدین ساتھ لیگئے؟ حرص و مال نے کتنا کتنا زور دکھایا؟ کتنی کتنی جاہ و مال کی
تمنائین اور آرزوئین ان کے دلون مین رہین مگر آج سب خاک مین مل گئے دیکھو منون مٹی کے نیچے دبے پڑے
ہین کوئی کبھی نام بھی نہین لیتا اسکے بعد مرنیوالون کے بدن اور جسم کا دہیان کرو کہ کیسے کیسے حسین اور نازک بدن
تھے مگر اب ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے گل گئے۔ سڑ گئے پھٹ گئے۔ کیڑے مکوڑون کی غذا بنگئے اسکے بعد اونکے اعضا اور
جوارح مین سے ایک ایک عضو کا دہیان کرو کہ وہ زبان کیا ہوئی جو کسی وقت چپ ہونا جانتی ہی نہین تھی؟
وہ ہاتھ کہان گئے جو حرکت کیا کرتے تھے؟ دیکھنے والی آنکھین اور اونکے خوبصورت حلقے خدا جانے کس کیڑے
کی خوراک بنگئے۔ غرض اسطرح پر دہیان کروگے تو سعادت نصیب ہوجاؤ گے کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہین کہ سعادت نصیب وہی شخص ہو جو دوسرون سے نصیحت حاصل کرے ہائے افسوس ہم لوگ موت جیسی
ہولناک چیز سے غافل ہین اس زمین پر جسکو پاؤن سے روند رہے ہین ہم سے پہلے سینکڑون آئے اور چلدیئے
مگر ہم یہ سمجھتے ہین کہ ہمیشہ یہین رہینگے۔ موت کی خطرناک سفر درپیش ہے مگر ہمین کچھ پروا نہین۔ خوب سمجھ لو
کہ اتنی غفلت طول امل اور کثرت امید نے پیدا کر رکھی ہے اگر یہ حالت پیچھا چھوڑے تو موت کا دہیان آئے
اسی لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نصیحت فرمائی تھی کہ صبح ہو

تو شام کا فکر نہ کرو اور شام ہو تو صبح کا خیال دل مین نہ لاؤ۔ دُنیا مین آئے ہو تو زندگی مین موت کا سامان طیار
کرلو اور تندرستی مین مرض کا فکر کرلو کیونکہ اے عبداللہ کیا خبر ہے کل کو تمھارا کیا نام ہوگا۔ زندہ ہوگا یا مُردہ ہے"
جس چیز کا کوئی وقت مقرر نہین اوسکی فکر تو ہر وقت ہی ہونی چاہیئے اُمیدون پر خاک ڈالو آرزوٗن کو ہرگز نہ
بڑہاؤ خدا جانے گھنٹہ بہر بعد کیا ہوتا ہے ۹ حضرت اُسامہؓ نے ایک کنیز سو دینار مین دو مہینہ کے وعدہ پر خریدی
تھی تو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو کیسی تعجب کی بات ہے اُسامہ کی حالت پر تعجب کرو کہ زندگی
کا بھروسہ ایک دن کا بھی نہین اور دو مہینہ کے وعدہ پر کنیز خریدی ہے اور یہی طولِ امل کہلاتی ہے خدائے
پاک کی قسم ہے مین نوالہ مُنہ مین رکھتا ہون اور اس کا یقین نہین ہوتا کہ حلق سے نیچے بھی اوترےگا ۹ ممکن ہے
کہ نوالہ کھاتے ہی اچھّو پڑجاوے۔ پھندہ لگجائے اور دم نکلجائے۔ لوگو اگر تمہین عقل ہو تو اپنے آپ کو مُردون مین
شمار کرو قسم ہے اوس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت مین میری جان ہے کہ جو کچھ وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور آنیوالا
ہے مٹ نہین سکتا اور جو آنے والا ہے وہ بہت قریب ہے اگر تمکو جنت مین داخل ہونیکی خواہش ہے تو دُنیا کی
لاطائل اُمیدین کم کردو اور موت کو ہر وقت پیش نظر رکھو اور اللہ سے شرماؤ جیسا کہ شرمانیکا حق ہے۔
انشاءاللہ جنت مین داخل ہوجاؤگے"

خاتمہ

جو کچھ اب تک ہمنے بیان کیا ہے اس مین ہم تمکو بیدار اور متنبہ کرچکے اللہ کی جانب چلنے کا شوق دلا چکے اب
بھی اگر کان نہ لگاؤگے یا سنوگے مگر ایسا سنوگے جیسا قصہ کہانی کی کتاب یا معمولی باتین سنتے ہو تو اپنا ہی کچھ
کھوؤگے کسی کا کیا نقصان کروگے حق تعالی فرماتے ہین کہ اوس سے زیادہ ظالم کون جسکو پروردگار کی آیتون
سے نصیحت کی گئی مگر اوسنے مُنہ پھیر لیا اور بھول گیا کہ کیا کمائی آگے کیلئے بھیجی ہے" اور اگر توجہ کے ساتھ
سنوگے اور دل سے کان لگاؤگے تو بے شک نفع پاؤگے اور جو چیزین صراط مستقیم سے روکے ہوئے ہین
اونکو چھوڑ دوگے اور یاد رکھو کہ طریقہ سلوک سے روکنے والی بڑی چیز صرف دُنیا کی محبت ہی ہے جس نے
خدا کی طرف سے غفلت پیدا کر رکھی ہے اور کبھی قیامت اور محشر کو یاد نہین آنے دیتی اسلئے اگر روزانہ صبح کی نماز کے
بعد جو صفائی ذہن اور معدہ کے خالی ہونے کا وقت ہے چند منٹ بیٹھکر اپنی حالت مین غور کیا کرو اور ابتدا و
انتہا مبدء و معاد کو سوچا کرو اور نفس سے حساب لیا کرو تو بہت نفع ہو نفس کو خطاب کرکے کہا کرو کہ اے
نفس مین مسافر تاجر ہون ابدی سعادت اور اللہ جل جلالہ کا قُرب میرا مُنافع ہے اور دائمی بدبختی اور حقتعالے

سے حجاب میرا خسارہ ہے اور عمر راس المال ہے ہر سانس ایک بیش قیمت جوہر اور بے بہا خزانہ ہے جس سے
سعادت ابدی حاصل ہوسکتی ہے اور جب عمر پوری ہوگئی تو تجارت ختم ہو جائیگی اور مایوس ہونا پڑیگا۔ آج
کا دن میری تجارت کا ہے مجکو حق تعالیٰ نے فرصت دی ہے اگر وہ اُٹھا لیتے تو مین خواہش کرتا کہ کاش دنیا مین
لوٹا دیا جاؤن اور ایک دن مجھے نصیب ہوجائے جسمین کوئی نیک عمل کرلون ای نفس وہ دن آج کا ہے جو تجھکو عطا ہوا ہے
اب تو اپنا وعدہ پورا کر اور دیکھہ کہ کیا کر رہا ہے اگر اس مہلت کو تو نے غنیمت سمجھا اور آج کا کام کل پر نہ رکھا تو آج کی
تجارت کا منافع مل گیا اور افسوس و حسرت نہوئی اور اگر تو کل بھی زندہ رہے تو پھر یہی خیال کر غرض جبتک زندہ رہے
ہر دن کو نیا سمجھ اور خدا کے عفو سے دہوکہ مت کھا کیونکہ یہ تیرا گمان ہی گمان ہے ممکن ہے کہ غلط نکلے حق تعالیٰ کی
معافی کچھ ضروری یا تمہارا قرض نہیں ہے جسکا مطالبہ اور ادائیگی لازمی ہو اور اگر معافی ہوئی بھی تب بھی نیکو کار
بندون کے ثواب سے تو محروم ہی رہے اور مرے پیچھے حسرت کروگے تو کیا نفع ہوگا؟ جو کچھ ہونا تھا ہوچکا۔ گیا وقت
پھر ہاتھ آتا نہین ایک ایک سانس غنیمت اور بیش بہا موتی ہے اسکے بعد اگر نفس پوچھے کہ اچھا کیا عمل کرون اور کیونکر
وقت کی قدر کرون تو اوسکو جواب دو کہ جو چیز موت سے جدا ہو جانے والی ہے اُسکو چھوڑ دے اور جو پائدار ہے
اور کسی وقت تیرا ساتھ نہین چھوڑے گی اوسپر قبضہ کر یعنی اللہ جل جلالہ کی معرفت حاصل کر اور خدا کی یاد سے
مانوس ہو پھر اگر نفس کہے کہ دنیا کیسے چھوٹ سکتی ہے اسکے علاقے قلب مین مضبوط جم گئے ہین جنکا ٹوٹنا
دشوار ہے تو اوسکو جواب دو کہ قلب ہی کے اندر سے دنیا کے علاقے کاٹ دے اور تلاش کر کہ دنیا کا کونسا علاقہ
مستحکم ہے اول اُسکی جڑ کاٹ اگر مال کی محبت ہے تو اُسکو نکال اور جاہ کی طلب ہے تو اوسکو چھوڑ غرض ان مہلک
امراض کی تشریح اور علاج بیان ہوچکا ہے اُنکو دیکھہ اور خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھکر مستعد ہو جا اگر با مذہ کمر
آمادہ تو ہوا اور جس چیز کی خواہش ہے اُسکے خلاف کر پھر دیکھہ خلاصی ملتی ہے یا نہین اے نفس تو بیمار ہے اور عمر
تیرے پرہیز کا زمانہ ہے اور حاذق طبیب نے جس کی راستی و سچائی سے تو آگاہ ہے بتایا ہے کہ دائقہ دار لذیذ چیزیں تجکو
مضر ہین اور کڑوی دوائین نافع اور مفید ہین کیا تجھے سفر کی مصیبتین اس اُمید پر برداشت نہین ہوسکتین کہ
منزل پر پہونچکر آرام نصیب ہوگا اگر راستہ کی تکلیف سے اُکتاتا ہے تو قافلہ نکل جائیگا اور تو جنگل مین پڑا رہیگا
کوئی درندہ پھاڑ کھائیگا یا یون ہی بھٹکتا پھریگا اور برباد و تباہ ہو جائیگا۔ ای نفس اچھا بتا تو سہی کہ تجھے دنیا
مین کس چیز سے رغبت ہے اگر مال چاہتا ہے تو تسلیم کرلے کہ مل بھی گیا اور تو بڑا مالدار اور متمول سیٹھ بن گیا مگر
پھر کیا ہوا اگر تو نظر اوٹھا کر دیکھے گا تو بہتیرے یہودی اور عیسائی ایسے ملینگے جنکے پاس تجھسے زیادہ مال

ہوگا اور اگر تو عزت وجاہ کا طلبگار ہے تو اچھا فرض کرلے کہ یہ طلبگاری اپنے ٹھکانے لگے اور تجھے عزت وجاہ حاصل بھی ہوجائے مگر آخر اس کا انجام اور حاصل کیا؟ اگر آنکھین کھولے گا تو سیکڑون احمق وجاہل کافر اور اللہ کے نافرمان ذلیل وکمینون کو ایسے حال مین دیکھے گا جنکی عزت تجھسے بھی زیادہ ہو رہی ہے اُنمین بھتیرے لوگ ایسے منصب حکومت اور مسند جلال وسطوت پر بیٹھے نظر آئینگے جو تجھکو بھی قید کرکے جیلخانہ بھونچا سکتے ہین۔ پس اے نفس اگر تو اُن آفتون اور مصیبتون سے نہین گھبراتا جو عزت وجاہ حاصل کرنے مین اُٹھانی پڑتی ہین اور اُن بلاؤن سے بھی نہین ڈرتا جو عزت حاصل ہوئے پیچھے سر پر پڑتی ہین تو اِن ذلیل اور کمینے شریکون ہی کا خیال کرکہ کیسے کمتر لوگون کا ساجھی ہونا چاہتا ہے؟ کیا ایسی بے قیمت اور حقیر چیز حاصل کرنیکے قابل ہے جس کو ہر خسیس سے خسیس اور رذیل سے رذیل شخص بھی حاصل کرسکتا بلکہ حاصل کئے ہوئے ہی اور اس درجہ حاصل کئے ہوئے ہی کہ تجھکو پچاس برس کوشش کرنے پر بھی نصیب نہوگا۔ اور اے نفس اگر تو دُنیا سے اعراض کرکے آخرت کی جانب متوجہ ہوگا تو لگانہ روزگار اور یکتائے زمانہ ین جائیگا۔ تیرا ثانی ہفت اقلیم مین بھی نہ مل سکے گا۔ پس اے نفس اب تو ہی سوچکر بتا کہ کیا چیز حاصل کرنیکے قابل ہے؟ اے نفس خوب دیکھ کہ تجھسے زیادہ تیرا خیرخواہ کوئی نہین ہوسکتا۔ تو کسی کے کہنے اور سُننے پر نہ جا بلکہ دُنیا اور دین دونون کے انجام اور نتیجہ مین غور کرکے جواب دے کہ تیری رغبت کس چیز مین ہی؟

اِسطرح اگر تم اپنے نفس سے مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہوگے تو ایکدن یہ نفس تمہارا مطیع بنجائیگا اور تمکو طریق مستقیم پر لے چلیگا پس اگر تم عقلمند ہو تو سمجھ لو کہ یہہ نفس کے ساتھ مباحثہ کرنا بدعتیون اور معتزلہ بلکہ دُنیا بھر کے تمام مذاہب باطلہ کیساتھ مناظرہ کرنیکی بہ نسبت زیادہ ضروری اور مہتم بالشان ہے کیونکہ دوسرونکی غلطیان اور خطائین تمہین نقصان پہونچانیوالی اور مضرت مین ڈالنے والی نہین ہین اور اپنے نفس کی خطا اپنے ہی سر پر وبال نازل کرانیوالی ہے اسکی غلطیون کا بھگتان تمہین کو بھگتنا ہے پس بغل مین بیٹھے ہوئے اس خون کے پیاسے اور جانی دشمن کو اوّل قتل کرنا چاہیے اور جب اس سے نجات ملکر اطمینان حاصل ہو تب دوسرونکی خبر لینی مناسب ہے۔ تعجب ہی کہ اِس دشمن کی جانب کبھی توجہ نہین ہوتی۔ بلکہ یہ جو کچھہ مانگتا ہے وہی اسکو دیا جاتا ہی اور جو بھی حکم دیتا ہے فوراً اُسکی تعمیل کی جاتی ہے۔ اِسکی درخواستون کے منظور اور خواہشون کے پورا کرنے مین غور وفکر اور عقل کے گہوڑے دوڑائے جاتے اور حیلون اور تدبیرون سے کام لیا جاتا ہے بھلا ذرا سوچو تو سہی اگر کوئی شخص اپنے دامن کے نیچے ایک زہریلا کالا سانپ چھپائے بیٹھا ہو جو پھنکارین ماررہا اور اسکے

ڈسنے اور ہلاک کرنے کی ٹوہ مین لگا ہوا ہو مگر یہ شخص اسکی کچھہ پروا نکرے اور دوسرے شخص کے منہ سے مکھیان اوڑانے اور پنکھا جھلنے مین مشغول ہو تو اس سے زیادہ احمق اور بیوقوف شخص کون ہوسکتا ہے؟ یہی تمہارا حال ہے کہ دوسرون کیساتھہ مباحثہ کرنے اور غیرونکو سیدہے رستہ پر لانیکی فکر مین سرگردان ہو مگر نفس امارہ کیساتھہ مناظرہ کرنے اور اسکے تباہ کرنیوالے شر دشمن دین وایمان کو زیر کرنیکی جانب مطلق توجہ نہین کرتے۔ خوب سمجھہ لو کہ جبتک نفس کیساتھہ ایک عرصہ دراز تک اسطرح مباحثہ نہ رکھوگے اوس وقت تک یہ کبھی سیدھا نہوگا۔ اور جب تک یہ سیدھا نہوگا اوس وقت تک نہ اللہ کی یاد ہوسکے گی نہ مناجات مین لذت آئیگی نہ سلوک کیطرف توجہ ہوگی نہ صراط مستقیم پر چلنے کی فکر پیدا ہوگی اسلیئے اس مناظرہ کو اپنے اوپر واجب سمجھہ لو اور اکثر اوقات اس مباحثہ کو چھیڑ دیا کرو اور جب یہ تمہاری مخالفت کرے اسکو ڈانٹو جھڑکو اور ایسی سزا دو جوکارآمد ہو۔ یاد رکھو نفس کی خاصیت کتے کی سی ہے "جب تک مار نہ کھائیگا اوس وقت تک ادب نہ پائیگا" اب اگر تمکو نفس کے ساتھہ مناظرہ کرنے اور محاسبہ لینے کا طریقہ یا نفس کو ڈانٹنے اور سزا دینے کا انداز معلوم کرنے کی خواہش ہو تو احیاء العلوم کی **کتاب المحاسبہ والمراقبہ** دیکھو کیونکہ اس مختصر کتاب مین ان ابواب کے بیان کرنیکی گنجائش نہین ہے دعا کرو کہ حق تعالی شانہ اپنے پیارے حبیب محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے سمجھا اور تمہین اپنی بیشمار عطاؤن سے نفع اوٹھانے کا موقع عطا فرمائین۔ جو کچھہ علم عطا فرمایا ہے اوسپر عمل کی توفیق دین اور جو کچھہ پڑھا یا سنا ہے اوسکو حال بنا کر دکھادین تاکہ اصلی کیفیت اور واقعی حالت نفس پرگذرتی دیکھہ لین۔ آمین یارب العالمین

سراپا گناہ بندۂ خطاوار آثم نامتناہی عاشق الٰہی عفی عنہ مترجم کی حق تعالی جل شانہ کا واسطہ دیکر سائلانہ درخواست ہے کہ جو اصحاب اس سے مستفیض ہون اور کسی درجہ مین نفع اوٹھائین وہ مترجم کیلیئے دعا فرمائین کہ اللہ سبحانہ کی رضا اور محبت نصیب ہوا اور ذلت وعزت کے روز اس نام کی عزت باقی اور قایم رہے دنیا مین اتباع سنت نبویہ اور خدمت شریعت محمدیہ کی توفیق مرحمت ہو اور آخرت مین جوار رحمت الٰہیہ اور نظارۂ جمال قدسیہ کا کیف نصیب۔ آمین آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

تمت

نتیجۂ طبع جناب نواب	ترجمے آن مولوی عاشق الٰہی
کہ از تبلیغ دین فرمود محفوظ	
اشارۂ تعلیق باصفا صدق	اگر پرسد کسے تاریخ ای صادق
بگو این نقل باب لوح محفوظ	

معرّی قرآن مجید - جلی اور واضح قلم نہایت خوشخط تقطیع متوسط ولایتی چکنا کاغذ رعایتی ہدیہ بیشتہ کیلئے ۲ مجلد با رچہ عہ

فتاویٰ رشیدیہ - حضرت مولانا مرشدنا المولوی رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پانچسو دو فتاویٰ کا مجموعہ نہایت دبیز کاغذ معہ ٹائٹل ۸۷ صفحہ ضخامت کاغذ چکنا قیمت صرف ۸ر

مبارک خط - یہ اس نامہ مبارک کا چربہ ہے جو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن ساوے عامل بحرین کے نام بدست حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ روانہ فرمایا تھا۔ اسکی نقل مع ترجمہ خط النسخ میں بمعہ اسناد و ضروری حالات اور ترجمہ بزبان اُردو کر دیا گیا ہے۔ سفید دبیز ولائتی چکنے فلس کیپ کاغذ پر نہایت خوبصورت بیل میں چھپوایا گیا ہے جسمیں علاوہ برکت و تقدس کے شیشہ کے چوکھٹے میں لگا کر اسلامی گھروں کی زینت دوبالا ہوگی۔ ہدیہ بلحاظ تقدس فی کاپی ۸ر

کوکبہ ملوکی - ہندوستان کے فرمانروایان و ملوک خلجی کے تاریخی کارنامے مولفہ جناب سید ضمیر الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ و میونسپل کمشنر پٹنہ قیمت عصر

ہفت سورہ مترجم - سورہ یٰسین۔ رحمٰن۔ فتح۔ واقعہ۔ مزمل۔ ملک۔ نبا۔ خیر المطابع میرٹھ کی مشہور مترجم حمائل کا منتخب یعنی حواشی خواص فضائل شان نزول فواید وغیرہ سفید چکنا ولایتی کاغذ مجلد ہر دو ہدیہ عام

فصل الخطاب - آبادی کے کوے کی حلت کے متعلق علماء سہارنپور و کانپور و بجنور و دہلی و لاہور وغیرہ اضلاع کے فتاویٰ اور تخمیناً ساٹھ ستر مواہیر قیمت ار

وصل الحبیب - قطب العالم امام ہمام حضرت مولانا الشیخ مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرض الموت اور وصال کے سچے اور واقعی مبسوط و مفصل حالات جسمیں اس وصیت نامہ کی بجنسہ نقل بھی درج ہے جو حضرت نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا۔ اسکے ساتھ جناب مولانا حنیف علی صاحب شاہ آبادی کے اس قصیدہ مدحیہ کی شرح شامل ہے جو مولوی صاحب موصوف نے حضرت کی مدح و منقبت میں سراپا حجازی طرز پر لکھا تھا۔ چالیس صفحہ کا رسالہ نفیس چھپائی اور دبیز کاغذ پر صرف ۲ر میں نذر ناظرین ہے رنگین ۲ر کمیشنت ۵ نسخہ مبلغ صہ میں ارسال ہونگے۔

ہمارے یہاں حضرت مولانا گنگوہی کی جملہ تصانیف - امداد السلوک - براہین قاطعہ - ہدایۃ الشیعہ - زبدۃ المناسک - عربی مروجہ بول چال - لطائف رشیدیہ - مجموعہ فتاویٰ میلاد و عرس وغیرہ - رسالہ تراویح - کراہت جماعت ثانیہ - جمعہ فی القری - اوقاف قرآن - احیا ظاہر - ہدایت المعتدی - سبیل الرشاد کل قیمتی عہ موجود ہیں جو یکجا فی ہے۔ یہاں ملینگی اور جملہ تالیفات مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ - کلید مثنوی - تکمیل الیقین معہ تعلیم الدین - فروع الایمان - صفائی معاملات - اصلاح رسوم - جزاء الاعمال - اصلاح الخیال - شجرہ مع تعلیم - علاج القحط - حق السماع - خطبات ماثورہ - تجوید القرآن - خطاب ملیح - اعمال قرآنی حصہ اول و دوم - اقتصاد - نیل الشفاء - مناجات مقبول - قصد السبیل - اصلاح دعاوی - تنذیریہ - اصلاح حیرت - تحقیق مسئلہ الحجاب - مجالات اعلاء

معرّی حمایل شریف (مفت)

یہ حمایل شریف زینت رقم منشی ممتاز علی صاحب مہاجر مدنی کی حمایل سے نقل کی گئی ہے ۱۳۲۲ھ میں طبع ہوئی تھی
نہایت خوشخط صاف و صحیح دائمی تقیہ چکنے کاغذ پر طبع ہوئی ہے ابتدا میں اول ایک رسالہ ۹۶ صفحہ کا شامل ہے
جس میں فضائل تلاوت اور آداب تلاوت بیان کرنے کے بعد ان چھبیس انبیاء علیہم السلام کی جن کے تذکرے مختصر سوانح
عمری معہ مدت عمر و نسب نامہ وغیرہ مذکور ہیں جن کے اسماء مقدسہ صراحتاً کلام مجید میں مذکور ہیں اور آج تک بقدر
فرشتوں اور صحابہ - قبائل - القاب - دنیاوی مکانات - آخرت کی مکانات - طیور - ستاروں - کفار اور
بتوں کے نام قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہیں سب کو تفصیل وار درج کیا ہے اسکے بعد آخر میں ایک رسالہ
۴۴ صفحہ کا شامل ہے جس میں آیات کلام الٰہی کے بقید نمبر و سطر حمایل نہایت مستند و معتبر خواص و فضائل و
فوائد عاجلہ و آجلہ بیان کیے ہیں - خواص و فضائل کی تفصیل کا اندراج چھوڑ کر صرف اس قدر عرض کیا جاتا
ہے کہ تمام دینی و دنیاوی فوائد جنکو خواص یا عملیات کہنا چاہیے اور تمام دینی منافع جنکو فضائل و اجور
سمجھنا چاہیے اس مختصر رسالہ میں موجود ہیں - اگر صرف اسی مختصر رسالہ کا ہدیہ ۲ ار رکھا جاتا تو معتبر
و مستند اصول کی قدر کرنیوالے اصحاب کے نزدیک کچھ زیادہ قیمت نہیں تھی پھر گویا حمایل سنت لعیت
مفت ہے - محصول پیکٹ اور فیس ۳ ار بذمہ خریدار ہے مگر یکمشت پانچ نسخہ کے خریدار کو دونوں معاف -

حمایل کے حاشیہ پر قرأۃ عاصم کا التزام ہے اور آخر میں خاندان چشتیہ امدادیہ رشیدیہ کا مکمل شجرہ ہے تاکہ
سفر میں بعد تلاوت توسل و دعا میں سہولت ہو - چونکہ اس سفری رفیق حمایل سے غرباء اسلام فائدہ نہیں
اوٹھا سکتے تھے جس کا اظہار ماہ رمضان المبارک میں ہوا جبکہ عارضی طور پر اسکے ہدیہ میں خاص رعایت
کی گئی اسوجہ سے اب اوس رعایت کو قائم رکھکر درخواست کی جاتی ہے کہ اس حمایل شریف کے صرف
تخمیناً چھ سو نسخہ باقی ہیں اور ہدیہ یہی رعایتی یعنی حنا شدہ بلا جلد ۲ ار مجلد عہ
جلدی کیجیے روپیہ پیسہ کم و بیش ہر وقت مل سکتا ہے مگر گراں بہا جواہرات بار بار نہیں ملا کرتے محصول جو تخمیناً ۳ حمایل
ہے معہ فیس وی پی بذمہ خریدار ہے ہاں یکمشت پانچ جلد مجلد کے خریدار کو محصول پیکٹ معاف صرف فیس وی پی لیجائیگی

درخواستیں اس پتہ سے بھیجیے - عاشق الٰہی (مولوی فاضل) مہتمم خیر المطابع میرٹھ

مترجم حمایل محشی بہ شان نزول و خواص وغیرہ چودہ فوائد سپارہ زیر طبع ہے انشاء اللہ ماہ رجب ۱۳۲۵ھ
میں نکلیگی ہدیہ حسب سابق حنا شدہ بلا جلد ۳ مجلد سے کچھ زیادہ ہوگا -